شبِ آرزو کا عالم



عنیزہ سیّد

پیش لفظ

شب آرزو کا عالم ......اس کتاب میں میرا ایک طویل ناولٹ اور ایک مکمل ناول ''نہ اب کبھی شام بجھے گی نہ اندھیرا ہوگا'' شامل ہیں۔ یہ دونوں کہانیاں جب شائع ہوئیں تو اپنے اپنے وقت پر ڈائجسٹ کے قارئین میں بے حد مقبول ہوئیں۔ ''نہ اب کبھی شام بجھے گی'' معاشرتی رویوں کے تضاد کی کہانی ہے، ایک ایسا تضاد جو پیچیدہ نفسیاتی مسائل کو جنم دیتا ہے شب آرزو کا عالم ایک طویل ناولٹ ہے، جو تین اقساط میں شائع ہوا اور ان تین ماہ میں، میں نے جتنی میلز وصول کیں اتنا شاید کسی اور کہانی کے لیے فیڈ بیک مجھے پہلے نہ ملا۔ ''کرن'' کی شخصیت کی روشنی کہاں اور کیسے پھیلی، اس کا اندازا قارئین کو اس کو پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، مگر کرن جیسی شفاف، سادہ بے ریا مگر ''منور'' شخصیت بننے کی خواہش بہت سی قاری بچیوں نے اس کو پڑھنے کے بعد کی۔ ذاتی طور پر ''نہ اب کبھی شام بجھے گی'' میری اپنی پسندیدہ کہانیوں میں سے ایک ہے، مگر شب آرزو کا عالم ایک ایسی کہانی ہے جس نے خود اپنے آپ کو مجھ سے لکھوایا، ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور اپنی رائے سے ضرور نوازیے گا۔

عنیزہ سید

شبِ آرزو کا عالم

اسے ٹی وی دیکھنے میں خاص دلچسپی کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ بہت بچپن میں وہ کارٹون فلمز البتہ شوق سے دیکھا کرتا تھا اور چند ٹی وی شوز بھی۔ اسے ٹام اینڈ جیری، وڈی وڈ پیکر اور ہیکل اینڈ جیکل کے کارٹونز پسند تھے اور پرفیکٹ اسٹرینجر اور فل ہاؤس جیسے ٹی وی شوز لیکن پھر اس کے پاس کمپیوٹر آ گیا اور ٹی وی کی دنیا چھوٹ گئی۔

اس روز جب اس کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا اور اس کا مزاج بھی خاصا بگڑا ہوا تھا، اس نے بلاارادہ ہی ٹی وی لگا لیا تھا اور اسی روز اسے احساس ہوا تھا کہ ہوم تھیٹر پر کچھ دیکھنے کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔ اس نے اتنے دن تک ٹی وی لاؤنج میں موجود اس نئی تبدیلی کی طرف بھی غور نہیں کیا تھا، اس کے دن اور شامیں اتنی مصروف گزرتی تھیں کہ اسے یہ چھوٹی موٹی تبدیلیاں نظر ہی نہیں آتی تھیں۔ اس وقت بھی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دیکھنے کے لیے وہ کس چینل اور کس چیز کا انتخاب کرے۔ چینل بدلتے بدلتے اس کا ہاتھ کسی سپورٹس چینل پر ہونے والی خبروں پر رک گیا۔ کھیل اسے ہمیشہ سے ہی پسند رہے تھے۔ وہ ٹینس، باسکٹ بال، فٹ بال، سکواش اور فارمولا ون ریسز کا دیوانہ تھا، مگر اب ان کے بارے میں بھی وہ نیٹ سے اپ ڈیٹس لے لیا کرتا تھا۔ سپورٹس سینٹر نیوز دیکھتے ہوئے اسے ایک دم احساس ہوا کہ وہ بہت سی ایسی چیزوں سے محروم ہوتا جا رہا تھا۔ جن سے زندگی کے زندگی ہونے کا احساس ہوتا تھا۔ اس نے بے اختیار اپنی زندگی کے معمولات پر نظر دوڑانا اور غور کرنا شروع کر دیا اور پھر اس نے اس پہلو پر خوب سوچا، جن چیزوں کو وہ تفریح سمجھتا تھا کیا وہ واقعی تفریح تھیں۔ اس کی ترجیحات کتنے محدود وقت میں بدلی تھیں۔ اسے اپنی زندگی کے معمولات بدلنے کی ضرورت تھی یا نہیں۔

''اوہ! میں رفتہ رفتہ کراؤڈ (مجمع) کا حصہ بنتا جا رہا ہوں۔ میری اپنی شناخت کیا ہے میں کون ہوں،

مجھے کس سمت جانا ہے، اس نے سوچا اور اسے خیال آیا کہ عرصے کے بعد ایک مرتبہ پھر مسٹر اے ڈی حیات اس کے اعصاب پر سوار ہونے لگے تھے۔



اسے کبھی کبھار شہباز احمد کی کلاس چھوڑ دینے میں تکلیف نہیں ہوتی تھیں، بلکہ اسے اس میں مزہ آتا تھا۔ وہ اس وقت سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کی خواہش رکھتی تھی اور اسی طرح کی خوشی میں سرشار وہ کیفے کی طرف چلی آئی تھی۔ کیفے میں زیادہ لوگ موجود نہیں تھے۔ سینئرز کا ایک گروپ بیٹھا تھا۔ یقیناً وہ بھی کلاس بنک کر کے آئے تھے۔ اس نے اپنے لیے چائے اور سینڈوچز منگوائے اس روز اس نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور اسے بھوک لگ رہی تھی۔

''اگر کسی لڑکے کو کوئی لڑکی پسند آجائے تو اس کے بعد اس کے دل میں کون سا جذبہ سر اٹھاتا ہے۔'' سینئرز کے گروپ سے جویریہ عثمان کی آواز پر سینڈوچ کترتے کترتے اس نے سر گھما کر پیچھے دیکھا۔ جویریہ کی بات کا ابھی تک کسی نے جواب نہیں دیا تھا۔

''کسی کو پسند کر لینے سے اسے دل میں کیا چیز پیدا ہوتی ہے؟'' جویریہ نے خاموش مجمع کے سامنے اپنے سوال کو سادہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔

''تجسس۔'' کرن نے کہیں سے جواب نہ آنے پر سینڈوچ کا آخری ٹکڑا ختم کرنے کے بعد گردن گھما کر جواب دیا۔

جویریہ نے مسکراتی نظروں سے اپنے گروپ کی طرف دیکھا۔

''اور تجسس کس جذبے کو ابھارتا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''شوق کو۔'' کرن نے ٹشو پیپر سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔

''شوق کس چیز کو جنم دیتا ہے؟'' جویریہ نے سوال کیا۔

''ارادے کو۔'' کرن نے گرم چائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''ارادے سے آگے کیا ہوتا ہے؟'' جویریہ نے سوالات کا سلسلہ دراز کیا۔ اب وہاں موجود سب لوگ ان دونوں کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔

''غالباً محبت۔'' کرن نے دوسرا گھونٹ لینے کے بعد کہا۔

''محبت۔'' جویریہ نے چونک کر کہا۔

"It has come late isn`t it"

مگر کرن کی بے نیازی دیکھ کر اس نے نیا سوال کیا، محبت کے بعد کیا ہوتا ہے؟''

"Lust" کرن نے چائے کا چوتھا گھونٹ لیتے ہوئے سکون سے کہا۔

"Lust" اس بار وہ سب ہی چونکے۔

''اوئے۔'' جویریہ نے بھی چونک جانے کے بعد سنبھل کر کہا۔ ''Lust سے آگے کیا ہوتا ہے؟''

اب سب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔

''گناہ۔'' کرن کو اب اس سوال جواب میں مزا آنے لگا تھا۔

''گناہ سے آگے کیا ہے؟'' جویریہ نے ایک متوقع سوال کیا۔

''اذیت۔'' کرن نے اس کا جواب پہلے سے ذہن میں سوچا ہوا تھا۔

''اور اذیت کس چیز کو جنم دیتی ہے؟'' اب کی بار جویریہ کے بجائے سینئرز کے گروپ سے اسد نے پوچھا تھا اس کے لہجے میں اپنے سوال کا جواب جان لینے کی بے قراری تھی۔

''آزمائش۔'' کرن اس سوال کا جواب بھی پہلے سے سوچ چکی تھی۔

''آزمائش کیا لاتی ہے؟'' جویریہ نے سوال کرنے میں جلدی کی۔

''حساب۔''

''اف۔'' جویریہ کو اس سوال کا جواب غیر متوقع لگا۔ ''حساب سے آگے کیا ہے؟''

''Destination جسے مقدر بھی کہہ سکتے ہیں۔'' کرن کے کپ میں چائے کا ایک گھونٹ باقی رہ گیا تھا۔

''اس Destination سے آگے؟'' جویریہ کو گو جواب نہیں آیا سمجھ میں۔

''اس سے آگے کچھ نہیں۔ یا تو بہت روشنی ہے یا بہت اندھیرا ہے۔'' کرن نے آخری گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''اس کیفیت سے آگے بھی کچھ ہے؟'' اسد نے بے صبری سے سوال کیا۔

''اس سے آگے تقدیر کی آخری حد ہے۔'' کرن نے کھڑے ہوتے ہوئے جواب دیا۔ اب وہ اپنی فائل اور بیگ سنبھال رہی تھی۔

"What made you interpert liking this way"

وہ کیفے سے باہر نکل رہی تھی، جب اندر آتے راستے کے سرے پر کھڑے ایک شخص نے درشت لہجے میں اس سے سوال کیا۔ وہ اس لڑکے کو نہیں جانتی تھی، اس نے اس سے پہلے اسے کہیں نہیں دیکھا تھا۔

"Reason made me so" اس نے اسی سخت لہجے میں جواب دیا اور آگے کی طرف بڑھی۔

''آپ نے کچھ عقل استعمال نہیں کی، آپ صرف ہوا میں تیر چلا کر لوگوں کو متاثر کرتی رہی ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ محبت اور ہوس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

''سچی محبت ہوس سے پاک ہوتی ہے۔'' وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے بولا، اس کی آواز میں سخت

غصہ تھا۔ ''یا پھر شاید آپ محبت کو اسی رنگ میں لیتی ہیں۔'' یہ ایک سخت بات تھی، کرن کے چلتے قدم رک گئے۔

''انسانی جبلت کے تقاضوں کو نظر انداز کرنا حماقت ہے۔''

اس نے اپنے قدموں کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

''سچا جذبہ انسان کی جبلت کو قابو کر لیتا ہے اور حاوی ہو جاتا ہے۔ مس آپ نے زیادتی کی بہت بڑی۔'' وہ اس کے ساتھ چل رہا تھا مگر اب اس کا لہجہ قدرے نرم پڑ چکا تھا۔

''یا تو بہت روشنی یا بہت اندھیرا تقدیر کی آخری حد'' کرن اپنے ڈپارٹمنٹ تک پہنچ کر ایک لمحے کے لیے رکی اور اس نے اس لڑکے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''ان پر بھی غور کیجئے کہ کیا ہیں۔'' وہ واپس مڑی اور کلاس کی طرف چل دی۔



''لوگ کہتے ہیں کہ تم حد سے زیادہ سیلف سینٹرڈ ہو۔ تم واقعی ایسے ہو یا بنتے ہو؟'' روشی نے سوفٹ ڈرنک کاٹن کھولتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''سیلف سینٹرڈ کیسے ہوتے ہیں پہلے یہ بتاؤ؟'' داؤد نے برگر کا پیک اسے پکڑاتے ہوئے پوچھا۔

''جیسے تمہیں پتا نہیں۔'' روشی نے ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔ ''سیلف سینٹرڈ ویسے ہوتے ہیں جیسے تم نظر آتے ہو بلکہ شاید تم واقعی ہو۔ اپنی ذات میں گم، اپنے علاوہ تمہیں کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا شدید انا پسند، سخت مزاج، ضدی اور خود غرض۔''

''اچھا یہ سب اجزائے ترکیبی استعمال کریں تو بندہ سیلف سینٹرڈ بنتا ہے۔'' داؤد مسکراتے ہوئے بولا۔

''بلکہ تم بغاوت پسند بھی ہو۔'' روشی نے اضافہ کیا۔ ''امی ٹھیک کہتی ہیں کہ اس لڑکے کے مزاج سے مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''ڈر کیوں لگتا ہے انہیں؟'' داؤد مزا لے رہا تھا۔

''وہ تم سے اس وقت سے ڈری ہوئی ہیں، جب تم گھر سے بھاگ گئے تھے۔'' روشی نے اسے یاد دلایا۔

''پہلی بار، دوسری بار یا تیسری بار'' وہ بے نیازی سے بولا۔

''جتنی بار بھی تم بھاگے، تمہاری باغیانہ روش نے ممی کو ٹھیک ٹھاک ڈرایا ہوا ہے، تم سے کسی بھی وقت کسی بھی قسم کی احمقانہ اور غیر معمولی حرکت کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

روشی اس کی بہن تھی اور اس کی سب سے بڑی نقاد بھی، داؤد کو اپنے بارے میں اس کے خیالات سن کر بہت مزا آتا تھا۔ اتنے بے لاگ تبصرے کرنے کی کسی اور کو فرصت کہاں تھی۔

''اس کا مطلب ہے جو حرکت غیر معمولی ہوتی ہے، وہ احمقانہ ہوتی ہے۔'' وہ اپنے بارے میں ان خیالات کے اظہار کا عادی تھا۔

''زیادہ تر ہوتی ہے۔'' روشی نے برگر کے ریپر کو مروڑ کر ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے ایسی حرکتیں کر کے تم اپنی انفرادیت قائم رکھنا چاہتے ہو؟'' اس کا اچھا موڈ دیکھ کر وہ بھی فائدہ اٹھا رہی تھی۔

''میری انفرادیت؟'' داؤد نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا تم ایسا سمجھتی ہو کہ میں جان بوجھ کر ایسا کرتا ہوں۔'' وہ برا مانتے ہوئے بولا۔

''پھر تم ایسا کیوں کرتے ہو؟'' روشی چاہ رہی تھی کہ وہ کچھ بولے وہ بہت کم بولنے کے موڈ میں ہوتا تھا۔

''کیا کرتا ہوں؟'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، روشی کو لگا وہ اس گفتگو میں دلچسپی کھو رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں یہ اس سخت ماحول کا ری ایکشن ہے۔۔ جس میں ہم رہے ہیں ہمیشہ سے مگر ہم بھی تو رہے ہیں نا، سعود بھائی، فہد بھائی اور میں، ہم نے بھی تو سہا ہے پھر تم۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے داؤد کی طرف دیکھا۔

''میں نے کب اس حقیقت سے انکار کیا ہے۔'' داؤد کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ ''میں تو اس بات کے حق میں ہوں کہ تم تینوں کو اس کے عوض صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی ملنا چاہیے میں جانتا ہوں کہ میں جو کرتا ہوں اس میں قصوروار صرف میں ہوں اور میں جو غلط کرتا ہوں، وہ صرف میرا قصور ہے، پھر تم مجھے کیا بتانا چاہتی ہو؟''

روشی سمجھ رہی تھی کہ اب اس موضوع پر اس سے مزید بات کرنا ناممکن تھا۔ اس شام کتنے دن بعد اس کا موڈ اچھا نظر آیا تھا اور جب اس نے لاڈ سے اس سے باہر چلنے اور برگر کھانے کی فرمائش کی تھی تو اس نے ایک منٹ کے لیے بھی پس و پیش نہیں کیا تھا۔ وہ ایک بے تکی، لمبی ڈرائیو کے بعد یہاں پہنچے تھے اور اس لمبی ڈرائیو کے دوران بھی وہ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر قہقہے لگاتا رہا تھا۔ روشی کو بہت دنوں بعد داؤد میں اپنے اس بھائی کی جھلک دکھائی دی تھی، جس کی وہ ہر دم تمنا کرتی رہتی تھی۔ اسی خوش مزاجی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اس سے اس موضوع پر بات چھیڑ دی، جو وہ جانتی تھی کہ اس کا موڈ بگاڑ دینے کے لیے کافی ثابت ہو سکتی تھی مگر کبھی تو اسے اس سے یہ پوچھنا تھا، وہ شاید کبھی کسی کو بتا نہ سکتی تھی کہ اس کا یہ بھائی جس کا مزاج اپنے سب گھر والوں سے علیحدہ تھا، اسے کتنا عزیز تھا۔



وہ لڑکا کون تھا جو اس روز کیفے سے یہاں ڈیپارٹمنٹ تک تمہارے ساتھ آیا تھا؟'' تحریم نے اسائنمنٹ بنانے کے دوران اس سے اچانک پوچھا تھا۔

''ہوں۔'' کرن تحقیقاتی مقالوں کی تاریخ میں الجھی ہوئی تھی اسے فوری طور پر تحریم کی بات سمجھ میں

بھی نہیں آئی تھی۔ ''کون لڑکا؟'' اس نے اسائنمنٹ کا تمہیدی جملہ لکھنے کے بعد سر اٹھا کر پوچھا۔
''اس روز جو کیفے سے یہاں تک تمہارے ساتھ آیا تھا'' تحریم نے اپنا سوال دوہرایا۔
''پتہ نہیں۔'' کرن نے سر ہلایا۔ ''میں اسے نہیں جانتی۔''
''وہ کبھی کبھار ہی نظر آتا ہے۔'' تحریم نے کہا۔ ''اس روز تمہارے ساتھ اسے دیکھ کر میں نے سمجھا تم اسے جانتی ہوگی، جب ہی وہ تمہارے ساتھ تھا۔ میرے خیال میں وہ جنید کا دوست ہے اور اسی سے ملنے یہاں آتا ہے۔''
''ہوسکتا ہے۔'' کرن نے شانے اچکائے۔ ''مجھے تو خود بھی حیرت تھی کہ وہ میرے ساتھ بحث میں کیوں پڑ گیا۔''
''کس بحث میں؟'' تحریم کو اسائنمنٹ سے زیادہ اس قصے میں دلچسپی پیدا ہوگئی۔ جواباً کرن کو کیفے میں ہونے والی گفتگو سنانا پڑی۔
''ارے پاگل، تمہیں کیا ضرورت تھی اس سے اتنے نازک اور احمقانہ موضوع پر اتنی لمبی گفتگو کرنے کی۔''
''ضرورت تو کوئی نہیں تھی۔'' کرن نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ ''ایسے ہی بات سے بات ہوتی گئی، بلا ارادہ ہی میں بولتی گئی جو ذہن میں آتا گیا۔ کیوں کوئی خراب بات ہوگئی؟'' اب ذرا وہ الرٹ ہوئی۔
''نہیں۔'' تحریم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''مجھے البتہ اس بات پر تشویش ہے کہ اس لڑکے کو اس بات میں اتنی دلچسپی کیا پیدا ہوگئی۔''
''پتہ نہیں۔'' کرن نے بھی کچھ دیر کے لیے اس بات کو سوچا جسے اس نے اس روز سے اب تک کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ ''کوئی اتنی اہم بات نہیں ہے یہ، نہ ہی اس پر اتنی تشویش کا اظہار جائز ہے۔'' اس نے شانے اچکا کر کہا۔ ''اور تم کیوں ٹریک سے اتر رہی ہو اسائنمنٹ جمع کروانے کی آخری تاریخ یاد ہے۔'' اس نے تحریم کو یاد دلایا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ لیکن اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا ذہن پہلے کی طرح ہلکا نہیں تھا۔ کوئی نامانوس سی سوچ اس کے ذہن پر سوار تھی۔



شیریں کو اپنی زندگی سے کوئی خاص گلہ نہیں تھا، کیونکہ انہوں نے اب تک زندگی کو اس کے میرٹ پر گزارنے کی پوری کوشش کی تھی۔ وہ زندگی کے ہر معاملے میں انتہائی ایمانداری کی قائل تھیں اور انہوں نے اپنا ہر کردار بہت ایماندار سے نبھانے کی ہمیشہ پوری کوشش کی تھی۔ وہ مطمئن تھیں کہ ان کے والدین جواب حیات نہیں تھے اپنی زندگی میں ان سے بحیثیت ایک بیٹی کے بہت خوش اور مطمئن تھے۔ ان کے بہن بھائی اپنے حساس معاملات کے سلسلے میں ان کی توجہ اور تشویش کے بہت قائل تھے جہاں کسی کو کوئی مسئلہ ہوتا وہ کھٹاک

سے انہیں فون کرتا اور ان کے مشورے اور نصیحت کو اہمیت دیتا۔ وہ اپنے اس کردار سے بھی مطمئن تھیں۔ شادی کے بعد وہ سلمان مسعود کے گھر آئیں۔ اس گھر کا مزاج اور ماحول اس سے بہت مختلف تھا جو انہوں نے اپنے پیچھے چھوڑا تھا۔ سلمان سخت مزاج اور اصول پرست شخص تھے۔ فوجی ہونے کی وجہ سے ان کے مزاج اور زندگی میں نظم وضبط کا بہت دخل تھا۔ یہ چیزیں شیریں کو پہلے پہل شدید قسم کی پابندیاں محسوس ہوئیں اور ان کا دل الجھ سا جاتا، مگر پھر ان کا مزاج اور طبیعت ان کے کام آیا اور وہ سلمان کی طبیعت کی عادی ہوتے ہوئے اس ماحول میں ڈھل گئیں۔ زندگی ان سے ہر معاملے میں احتیاط، تحمل اور صبر کی متقاضی تھی اور وہ ایسی ہی شخصیت بن گئیں۔ ان کے گھر کے ماحول میں نظم وضبط اور سلیقہ ہر جگہ اپنی موجودگی کا احساس پکار پکار کر دلاتا تھا۔ سلمان کی ریٹائرمنٹ تک شہر شہر پوسٹنگ اور نت نئے ماحول اور نت نئے لوگوں سے آشنا ہوتے ہوئے عمر اور تجربے کی ہر منزل سے گزرتی رہی تھیں اور ان کے مزاج میں ایک خاص ٹھہراؤ اور صبر آ گیا تھا۔ اپنے بچوں کی تربیت میں بھی انہوں نے بہت احتیاط اور حوصلے سے کام لیا تھا۔ ان کے بچے اپنے باپ کی سرد مہری اور سخت مزاجی کے عادی تھے اور گھر کے ماحول اور نظم وضبط سے سمجھوتہ کر چکے تھے، حقیقت میں وہ اس سب کے عادی ہو چکے تھے اور شیریں کو اطمینان تھا کہ کم از کم اس سلسلے میں سلمان ان کی صلاحیت کے معترف تھے، لیکن ان کے اس اطمینان کو ان کے تیسرے بیٹے داؤد نے بری طرح تباہ کر دیا تھا۔ اس کے بہت بچپن میں ہی ان کی چھٹی حس نے انہیں آگاہ کیا تھا کہ اس بار خدا نے انہیں ایک بالکل مختلف بچے سے نوازا تھا اور وہ اس کی پرورش کے معاملے میں زیادہ محتاط ہو گئی تھیں۔ وہ سلمان تک کو بھی محسوس نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں کہ ان کا یہ بیٹا ایک مختلف مزاج کا حامل انسان تھا مگر ان کی ساری محنت، کوشش اور ریاضت اس کے بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ اکارت چلی جاتی رہی۔ اس کے مزاج میں سختی اور سرکشی تھی، جو بڑھ کر غصے اور بغاوت میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ شیریں کو بخوبی اندازہ تھا کہ ایسے مزاج کے بچے کو اگر گھر میں معتدل ماحول مل جائے تو اس کی بہت سی عادتوں کو انتہا تک پہنچنے سے روکا جا سکتا تھا اور ان میں اعتدال لایا جا سکتا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی انتہائی کوشش کے باوجود ایسا ممکن نہ ہو سکا تھا۔ داؤد کے مزاج کی سرکشی اور سختی کو سلمان کی سرد مہری اور سخت مزاجی نے ہوا دے دی تھی اور وہ دن بدن اس نظام اور ماحول سے متنفر ہوتا جا رہا تھا، جس میں تنظیم ٹھہراؤ اور سلیقہ تھا مگر گرم جوشی اور ذہنی ہم آہنگی کا فقدان تھا۔ جہاں زندگی کے تمام امور فرض کی طرح ادا ہوتے تھے اور کسی بھی معاملے میں وقت کا آگا پیچھا نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنی نفرت کے اظہار کے لیے وہ مختلف طریقے اپناتا تھا۔ کبھی گھر کی کسی چیز کو دانستہ توڑ کر، کبھی سکول سے چھٹی کے غلط بہانے بنا کر، کبھی ٹیوٹر یا قاری صاحب کو تنگ کر کے اور ایسی ہر حرکت کے جواب میں اسے سلمان کی سخت مزاجی کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور یہ سختی اسے مزید بغاوت پر اکساتی تھی۔ اسے باپ سے دور لے جانے کا باعث بنتی تھی اور شیریں اس انخلاء کو دیکھ دیکھ کر ہولتی رہتی تھیں۔

انہیں آئندہ آنے والے دنوں میں گھر کے سکون میں چھوٹے چھوٹے کئی طوفان اٹھتے نظر آرہے تھے۔

☆

''تم جذباتی ہو اور جذباتی لوگ سچے مگر قدرے احمق ہوتے ہیں۔'' سارہ نے ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے اچانک اسے بتایا تھا۔

''یہ تو خاصی پرانی بات ہوگئی میرے بارے میں۔'' کرن نے لاپروائی سے کہا۔ ''مجھے اپنے جذباتی ہونے کا تو خیر اتنا یقین نہیں ہے جتنا احمق ہونے کا۔ میں بالکل ایمان داری سے اس بات کو مانتی ہوں کہ میں احمق ہوں۔''

''احمق لوگ جذباتی ہوتے ہیں۔'' سارہ نے اپنی بات کی ترتیب بدل لی۔

''اچھا پھر؟'' کرن نے اثر لیے بغیر اپنے لیے ایک اور ٹوسٹ نکالا۔

''پھر یہ کہ مجھے کسی بھی وقت تم سے کسی بھی انتہائی اعلیٰ درجے کی حماقت کی توقع رہتی ہے۔'' سارہ نے اپنا ڈر اس کے سامنے ظاہر کیا۔

''ارے۔'' وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ ''یہ تم مجھے اب بتا رہی ہو۔ اتنے عرصے کے بعد میں تو ہمیشہ سے ہی ایسی ہوں۔ اور اب تک تو میں نجانے کتنی اعلیٰ درجے کی حماقتیں کر چکی ہوں۔''

''میں سنجیدہ ہوں۔'' اسے ہنستے دیکھ کر سارہ کو غصہ آ گیا۔

''میں بھی غیر سنجیدہ نہیں ہوں۔'' کرن نے کرسی کی پشت پر لٹکا اپنا بیگ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''میری پیاری بہن! پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، میں اپنے اسی جذباتی احمق پن یا احمقانہ جذباتی پن کے ساتھ اتنے سالوں سے سروائیو کر ہی رہی ہوں نا! باقی زندگی بھی گزر ہی جائے گی۔'' اسے یونیورسٹی پہنچنا تھا اس لیے وہ عجلت میں نکل گئی اور ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھی سارہ اس کے لیے دعا کرتی رہ گئی۔ اسے اپنی یہ بہن بہت عزیز تھی۔ اس ایب نارمل زندگی میں جو قسمت سے انہیں ملی تھی شخصیت میں توازن رکھنا بہت مشکل تھا، مگر ان تینوں نے اپنی اپنی شخصیات کا توازن قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر کرن پھر بھی ان دونوں سے بہت مختلف تھی۔ سارہ سب سے بڑی ہونے کے ناطے ہر وقت کرن اور عمر کو سمجھانے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ اسے یہ بات کبھی بھی نہیں بھولتی تھی کہ ماں اور باپ دونوں سے محرومی کے بعد ان کے دادا اور دادی نے انہیں جس طرح تحفظ اور شفقت دی تھی، وہ ایک بہت بڑی نعمت تھی ورنہ ان کی زندگیاں بے ٹھکانہ ہو کر رہ جاتیں۔ وہ ہر دم عمر اور کرن کو سمجھاتی کہ انہیں کسی بھی ایسے کام سے اجتناب کرنا چاہیے جو دادا اور دادی کی دل شکنی کا باعث بن جائے۔ اسے اپنے خاندان کے باقی لوگوں خصوصاً اپنے چچاؤں اور پھوپھیوں کا بھی بہت خیال تھا۔ وہ جانتی تھی کہ دادا دادی کا ان سے اتنا التفات کسی کو بھی پسند نہیں آتا تھا اور وہ لوگ کسی بھی ایسے موقع کی تلاش میں رہتے تھے، جب ان تینوں کی کسی حرکت پر معترض ہو سکیں۔ سارہ پر اس کم عمری میں

احتیاط کی جو ذمہ داری ایک بار آ گئی تو اسے لگتا یہ عمر بھر ختم نہ ہو گی۔ وہ ہر وقت اسی پریشانی کے عالم میں رہتی کہ کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے۔ عمر کے بارے میں اسے اطمینان تھا کہ وہ اپنے خیالات کو بہت اچھی طرح سمجھتا تھا مگر کرن کی جذباتیت اور اس کا منہ پھٹ ہونا دونوں ہی عادتوں سے اسے ڈر لگتا تھا اور وہ اپنے اس خوف کا اکثر اظہار بھی کر دیا کرتی تھی۔

''نجانے زندگی میں کب ان اَن جانے اندیشوں سے نجات ملے گی۔'' ہر نماز کے بعد لمبی لمبی دعائیں کرنے کے بعد بھی وہ اکثر سوچا کرتی تھی۔ اس کی شادی دادا طے کر چکے تھے اور اسے اب ہر دم یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ وہ چلی گئی تو کرن اور عمر کو یہ بات کون یاد دلاتا رہے گا کہ زندگی میں اپنے کردار کو اپنے حالات کے مطابق انہوں نے کیسے نبھانا ہے۔



''تم نے مجھے اس لڑکی کا نام اور بیک گراؤنڈ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔'' طلحہ کو داؤد سے یہ امید نہیں تھی کہ اتنے دنوں بعد اسے یہ بات یاد آ جائے گی۔ وہ بھول چکا تھا کہ اس نے داؤد سے ایسا کوئی وعدہ کیا تھا۔

''میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اس لڑکی میں کیوں دلچسپی پیدا ہو گئی تمہیں؟ وہ تو خاصی میڈیا کر سی لڑکی ہے۔'' اس نے بات ادھر اُدھر کرنے کی کوشش کی۔

''یار! میں نے تم سے یو تو پوچھا ہی نہیں کہ وہ میڈیا کر ہے یا اسپیشل میں نے تو تم سے صرف اس کا اتا پتا پوچھا تھا۔'' داؤد کے لہجے میں انتہا درجے کی سنجیدگی تھی۔ طلحہ نے اسے غور سے دیکھا وہ اسی سنجیدگی کے ساتھ سلاد کھانے میں مشغول تھا، اس کے چہرے پر ذرا سی بھی مسکراہٹ نہیں تھی۔

''اس کا نام کرن شہزاد ہے۔'' طلحہ نے اپنے حافظے میں موجود واحد بات بتائی۔

''یہ تو تم نے اس روز بھی بتایا تھا۔'' داؤد نے سر اٹھا کر کہا۔ ''اس کے علاوہ وہ کون ہے؟''

''میں نہیں جانتا تھا کہ تم واقعی اس کے پروفائل میں اتنی زیادہ دلچسپی رکھتے ہو، اس لیے میں نے پتہ نہیں کیا۔'' طلحہ نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔'' داؤد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا کوئی بات نہیں۔'' پر اس نے اپنا دھیان دوبارہ اپنی پلیٹ کی طرف کر لیا۔ طلحہ نے کچھ دیر اسے حیرت سے دیکھا، داؤد ان لوگوں میں سے تھا جنہیں Unpredictable کہا جا سکتا ہے۔ اس کے موڈ کے بارے میں کبھی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ جس روز اس نے سرسری انداز میں اسے کرن شہزاد کے بارے میں پتہ کرنے کے لیے کہا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنا سنجیدہ تھا کہ دوبارہ واقعی اس سے پوچھ لے گا۔ اس کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آیا تھا کہ اس نے کرن کے بارے میں کیوں پوچھا تھا؟

داؤد سے اس کی بچپن کی دوستی تھی، ان دونوں نے ایف ایس سی اکٹھے کیا تھا، دونوں کا ہی میڈیکل

کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ داؤد کو فنانس میں دلچسپی تھی اور طلحہ کو ماس کمیونی کیشن میں۔ داؤد نے Lums میں داخلہ لے لیا اور طلحہ نے پنجاب یونیورسٹی میں، یوں دونوں کے ادارے مختلف ہو گئے مگر دوستی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ اب بھی ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے۔ داؤد کبھی کبھار یونیورسٹی ٹائمنگز میں اس سے ملنے آتا تھا اور طلحہ کو اس کا آنا بہت اچھا لگتا تھا۔ ایسے ہی ایک دن میں داؤد نے اس سے اس کے اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ کی ایک جونیئر سٹوڈنٹ کے بارے میں پوچھا تھا۔ داؤد جیسے لیے دیئے رہنے والے لڑکے جس کے لیے دوستوں نے خود پسند کا خطاب مختص کر رکھا تھا۔ یہ سوال طلحہ کے لیے اگرچہ اچنبھے کا باعث تھا، مگر اس نے اسے کچھ خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ داؤد نے اس لڑکی کو کہاں دیکھا تھا، صرف ڈیپارٹمنٹ میں یا اس سے باہر بھی اس روز کچھ دیر کے لیے اس نے داؤد کے اس سوال پر کچھ دیر سوچا ضرور تھا، مگر پھر وہ بھول گیا تھا۔ اس کے بعد ان دونوں کی دو تین ملاقاتیں اور بھی ہوئی تھیں، فون پر تو تقریباً روزانہ ہی بات ہوتی تھی مگر اس نے دوبارہ کبھی یہ سوال نہیں پوچھا تھا نہ ہی اسے یاد دلایا تھا کہ اس نے اسے کچھ معلوم کرنے کے لیے کہا تھا، اس لیے وہ بالکل ہی بھول گیا تھا۔ مگر اس وقت یہ سوال یاد دلاتے ہوئے داؤد کے چہرے پر جو سنجیدگی تھی وہ بہت غیر معمولی تھی۔ طلحہ بری طرح چونک گیا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ کوئی بہت ہی خاص بات تھی۔ بہت ہی خاص بات۔



شیریں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ داؤد کے مسئلے پر کس سے بات کریں؟ سلمان سے بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور باقی بچے ابھی اتنے سمجھدار نہیں تھے۔ ان کا بڑا بیٹا سعود اگرچہ بہت ذمہ دار اور سنجیدہ لڑکا تھا مگر داؤد کے مسئلے پر بات کرنے کے لیے ابھی اس کی عمر کم تھی۔ وہ اپنے کسی بھائی سے اس مسئلے پر بات کرنے کا سوچتیں تو انہیں اس میں اپنی اور اپنے بیٹے کی ہتک سی محسوس ہوتی تھی، داؤد کو پل بڑھ کر بڑا ہونا ہی تھا، زندگی میں اپنا مقام بنانا ہی تھا پھر اگر کسی اور کان میں اس کی نفسیاتی بھول بھلیاں پڑ جاتیں تو اس سننے والے کے ذہن میں ہمیشہ اس کی شخصیت کا یہ تاثر باقی رہ جانا لازم تھا۔ سو انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کریں گی۔ مگر خود داؤد نے انہیں اس فیصلے پر زیادہ دیر تک قائم رہنے نہیں دیا تھا۔ وہ ان کے بچوں کے سکول میں سالانہ نتیجے کے اعلان کا دن تھا، جب وہ سعود، فہد اور روشانے کے قابلِ فخر رزلٹ کارڈ اور فائلز ہاتھ میں پکڑے داؤد کی کلاس میں داخل ہوگئی تھیں، انہیں شکایات کے ایک انبار کے ساتھ ایک انتہائی عام سے رزلٹ کارڈ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

''وہ بہت شرارتی ہے اور ایسی ایسی شرارتیں کرتا ہے جن کے بارے میں پہلے سے سوچنا بھی ناممکن ہے۔'' اس کی کلاس ٹیچر نے انہیں بتایا تھا۔ ''وہ ایسی باتوں کے متعلق سوچتا رہتا ہے، جن کے بارے میں کلاس کے سبق کے دوران کسی بچے کا دھیان جانا ناممکن ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس کا دھیان سبق کے علاوہ ہر بات کی

طرف جا سکتا ہے۔ وہ کلاس میں صرف جسمانی طور پر حاضر ہوتا ہے۔'' ایک اور ٹیچر بولی تھی۔

''اکثر ان ہی حرکتوں کے سبب وہ کلاس سے باہر نکال دیا جاتا ہے، جب بھی میں راؤنڈ پر نکلتی ہوں اسے کلاس سے باہر ہی کھڑا پاتی ہوں۔'' ونگ ہیڈ نے اضافہ کیا تھا۔

''اگرچہ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم بچے کی شخصیت کے ہر پہلو پر نظر رکھیں مگر مسز سلمان آئی ایم سوری! کئی دفعہ اپنی ہر کوشش آزما لینے کے بعد داؤد کے بارے میں میرے ذہن میں ایک ہی بات آتی ہے، ہوپ لیس جسٹ ہوپ لیس۔'' کمپیوٹر کے ٹیچر نے سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''خیر! ایسی بات بھی نہیں کہنی چاہیے۔'' وہ میتھس کی ٹیچر تھیں۔ ''وہ غیر معمولی ذہین بچہ ہے، بعض اوقات وہ حساب کے سوالوں کی اتنی جلدی اور اتنی درست پڑتال کر کے بتاتا ہے کہ میں دنگ رہ جاتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ ایسے ذہن بہت کم ہوتے ہیں۔ داؤد میں صرف ایک چیز کا فقدان ہے اور وہ ہے شوق، شوق کے نہ ہونے کے باعث وہ ایک مایوس کن نتیجہ دے رہا ہے۔''

حالات ان کے بس سے باہر ہو رہے تھے، سعود، فہد اور روشانے کے نتائج بالکل پس منظر میں چلے گئے تھے اور صرف ایک سوال شیریں کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا داؤد کا مستقبل؟ داؤد کا مزاج، داؤد کی زندگی۔

اس کی پیدائش سے لے کر اب تک پہلی مرتبہ وہ گھر آ کر داؤد سے انتہائی سخت لہجے میں بولی تھیں اور بری طرح اس کی سرزنش کی تھی۔ وہ اس سے اتنی خفا تھیں کہ انہوں نے سیدھے سیدھے اس کا رپورٹ کارڈ بغیر کسی عذر کے سلمان کے ہاتھ میں جا پکڑایا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اب وہ وقت آ گیا تھا، جب صرف سلمان کی سختی کام آ سکتی تھی۔ مگر وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ سلمان کی سختی داؤد پر کس طور اثر انداز ہوگی۔ شام چھ بجے سے آٹھ بجے تک سلمان، داؤد سے باز پرس کرتے رہے اور اسے دو چار جما بھی دیں، شیریں کو پہلی بار اس بات پر تکلیف نہیں ہوئی، مگر ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے فہد نے انہیں کچن میں آ کر بتایا کہ داؤد گھر پر نہیں تھا، فرائنگ پین ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''ادھر ہی دیکھو! اڑوس پڑوس میں کہیں ہوگا، دوستوں کے ساتھ۔'' ان دنوں سلمان کوئٹہ میں تعینات تھے اور فوجی کالونی میں رہتے تھے ادھر سے باہر وہ کہاں جا سکتا تھا، ان کی آواز اور ٹانگیں پھر بھی کانپنے لگی تھیں، کسی انہونی کے خوف نے انہیں دہلا دیا تھا۔

''میں سب جگہ دیکھ آیا ہوں امی! وہ ادھر کہیں نہیں ہے۔''

فہد نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ انہوں نے دیکھا فہد کا چہرہ بھی پریشانی کی غمازی کر رہا تھا۔

''جاؤ جا کر دوبارہ دیکھو۔'' انہوں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا تھا، ان کے ہاتھ فہد کو باہر کی طرف دھکیل رہے تھے۔ ''تمہارے ابو کو پتہ نہ چلے جلدی جاؤ۔'' وہ اس کے پیچھے گیٹ تک آئی تھیں۔ فہد کو باہر سڑک

پر جاتا دیکھتے رہنے کے بعد وہ مڑیں ان کے پیچھے برآمدے کے ستون سے چپٹے سعود اور روشی کھڑے تھے۔ وہ دونوں سہمے ہوئے تھے۔

''تم، تم بھی جاؤ سعود، فہد اکیلا ہے۔'' انہوں نے ان کے قریب آتے ہوئے کہا۔

''میں بھی چلا گیا تو ابو چونک جائیں گے امی!'' سعود نے مدھم سے لہجے میں جواب دیا۔ اسی دم بیٹ مین اپنے کوارٹر سے نکل کر باہر آیا۔

''کیا ہوا باجی؟'' اس نے ان تینوں کو یوں کھڑے دیکھ کر سوال کیا۔ یہ انتہائی ذاتی معاملہ تھا وہ اردلیوں کو یوں بھی گھر کے اندر کے معاملات میں دخل اندازی کی اجازت کبھی نہیں دیتی تھیں۔ ان کو ایک دم خیال آیا۔ فہد چھوٹا تھا شاید اسے سمجھ میں نہ آئے کیوں نہ وہ رفیق کو پیچھے بھیج دیں۔

''کوئی بات نہیں ہے چاچا! آپ کھانا کھا آئیں۔'' وہ تینوں یونہی دم بخود کھڑے تھے۔ جب انہیں اندر سلمان کی آواز آئی وہ غالباً رات کے کھانے کے منتظر تھے۔ انہوں نے دال کو بگھار نہیں لگایا تھا اور رفیق کو کھانا کھانے بھیج دیا تھا۔ چپاتیاں کون بنائے گا، انہیں یکدم یاد آیا۔ مگر پھر داؤد کے غائب ہو جانے کا خیال ہر سوچ پر حاوی ہو گیا۔ ان کا دل کٹنے لگا اور انہیں ہر وہ خوف ناک بات یاد آنے لگی، جو گھر سے بھاگ جانے والے بچوں کے بارے میں پڑھی اور سنی تھی۔

''کہاں گئے سب؟'' اندر سے سلمان کی بلند آواز سنائی دی۔ انہوں نے سعود کی جانب دیکھا، وہ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اندر چلا گیا۔ وہ باپ کو جانے کیا وضاحت دے رہا تھا، ان کی سمجھ میں نہیں آیا مگر وہ مطمئن ہو گئیں کچھ دیر تک طوفان تھمے رہنے کا امکان ہو سکتا تھا۔ وہ خوف اور امید کے درمیان ڈول رہی تھی، جب انہیں عقب سے گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔

''امی بھائی آ گیا۔'' روشی نے مسرت بھرے انداز میں کہا اور گیٹ کی طرف بھاگی۔

''کون سا بھائی داؤد اور فہد یا پھر صرف فہد'' وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے سے ڈر رہی تھی۔ پھر انہوں نے داؤد کو اپنے قریب سے گزر کر اندر جاتے دیکھا تھا۔ ان کی کانپتی ٹانگوں کی لرزش کم ہو گئی۔

''کہاں تھا؟'' انہوں نے خود کو اپنے قریب رکے فہد سے پوچھتے سنا۔

''مین روڈ پر ایم پی کے پاس بیٹھا تھا۔'' فہد کے لہجے میں اس پریشانی اور خواری کا اثر تھا جو اس نے اس مختصر وقت میں سہی تھی۔

اس رات انہوں نے داؤد کو بغیر کسی لحاظ کے بے بھاؤ کی سنائی تھیں اور اسے باپ کے سامنے پیش کر دینے کی دھمکی بھی دی تھی وہ سر جھکائے چپ چاپ سنتا رہا تھا۔ اس نے ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

☆

چند چہرے ایسے تھے جنہیں دیکھ کر اس کے حلق میں کڑواہٹ گھل جاتی تھی، وہ بہت کوشش کرتی کہ ایسا نہ ہو مگر ایسا ہمیشہ ہوتا تھا۔ کچھ عرصے سے اس نے ہر چیز اور ہر بات کے متعلق مثبت انداز میں سوچنے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ اپنے اس فیصلے پر کاربند بھی تھی مگر ان چند چہروں کے نظر آنے پر اسے اپنا یہ فیصلہ موم کی طرح پگھلتا محسوس ہوتا۔ ان چہروں کو دیکھ کر بہت سے پرانے منظر اس کی نظروں کے سامنے گھوم جاتے تھے۔ اینٹ، پتھر، مٹی، ریت سے بنا وہ سجا سجایا گھر جسے اس کی ماں اپنے فنکارانہ ہاتھوں سے سجا کر جوانی میں چھوڑ کر چل دی تھی، کیسا خالی ہونے لگا تھا جب اس کے باپ نے روڈ ایکسیڈنٹ میں دم توڑا تھا یہ اتنا اچانک اور ذہن شل کر دینے والا واقعہ تھا کہ اپنے تو اپنے غیروں کے آنسو تھم نہیں پا رہے تھے۔ لوگوں کے دل ان تین معصوم بچوں کی حالت دیکھ کر کٹ رہے تھے۔ ہر آنے جانے والا ان تینوں کو گلے لگا کر پیار کرتا اور بے اختیار آنسو بہاتا تھا۔ اپنی ماں کے بعد انہوں نے اس حادثے میں اپنا باپ بھی کھو دیا تھا۔ عزیز، رشتے دار، دوست احباب بہت تھے، مگر وہ دو محبت کرنے والے، دل کو سکون بخشنے والے چہرے غائب تھے۔

''کرن تو ابھی بہت ہی چھوٹی ہے، اس نے تو ابھی نہ ماں کا کچھ دیکھا نہ باپ کا۔''

ہر آنے جانے والا ایک بات ضرور دہراتا تھا اور کرن کے ذہن سے یہ بات چپک رہی تھی کہ جب بھی اس نے اماں اور ابا سے کسی خواہش کا اظہار کیا اس کا نقصان ہو گیا۔ اماں کومے کی حالت سے جب کچھ دیر کے لیے نکلی تھیں اور ان کے چہرے ناک اور منہ کے ساتھ لگی وہ مختلف قسم کی ٹیوبز جنہیں دیکھ کر اس کا سانس بند ہوتا تھا کچھ دیر کے لیے ہٹا لی گئی تھیں اور وہ آنکھیں کھول کر اپنے اردگرد موجود لوگوں کو دیکھ بھی رہی تھیں اور پہچان بھی رہی تھیں تو اس نے ان کے اس اشارے پر اپنے پاس بلانے پر اُن کے قریب جا کر ہولے سے ایک فرمائش کی تھی۔

''مجھے کسٹرڈ کھانا ہے اماں! اگر آپ بنا کر دیں گی۔ مجھے کسی اور کے ہاتھ کا کسٹرڈ نہیں کھانا۔'' انہوں نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''کل جب ٹھیک ہو کر گھر آؤں گی۔'' یہ چند الفاظ انہوں نے بمشکل اور رُک رُک کر کہے تھے۔ مگر ان کی آواز سن کر کرن کا دل کیسا خوش ہو گیا تھا اور جسم میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔

''کل!'' اس نے خود کو مخاطب کر کے کہا تھا ''کل اماں گھر آجائیں گی، پھر ہمیں اس ہسپتال میں نہیں آنا پڑے گا جہاں اماں تک پہنچنے کے لیے جوتوں پر ایک عجیب سی چیز پہننا پڑتی ہے اور جہاں اماں اتنے دنوں سے رہ رہی ہیں۔'' وہ خوش ہو گئی تھی بہت خوش۔ اسے آنے والے کل کا انتظار تھا۔ اس نے گھر آکر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے بہت سارے کام کیے تھے۔ وہ سب چیزیں جو اماں کو پسند تھیں، انہیں بار بار صاف کیا تھا۔ ان کی پسند کے پودوں کو پانی دیا تھا اور خود اپنے لیے سب سے اچھی فراک پہننے کو نکالی تھی، اسے آنے والے کل کا انتظار تھا۔ آنے والا کل آیا اور اپنے ساتھ بہت کچھ بہا کر لے گیا۔ اماں گھر آ گئی تھیں مگر

آنکھوں اور جامد ہونٹوں کے ساتھ۔ ان کے انتہائی خوب صورت چہرے پہ زردی چھائی ہوئی تھی۔

''ارے چھوٹ گئی، اس اذیت سے چھوٹ گئی جو اتنے عرصے سے سہہ رہی تھی۔'' کرن کی نانی روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اف، ایسی خوبصورت جوانی اور اتنی حسین موت، ذرا موت کا حسن دیکھو، جو اس چہرے پر چھایا ہوا ہے۔'' اس کی خالہ جن کا ذہن صدمے سے ماؤف ہو رہا تھا چلا رہی تھیں۔

''سنا تھا کہ موت کا فرشتہ بہت خوش ذوق ہوتا ہے، آج یقین آ گیا'' اس کے پھوپھا کسی سے کہہ رہے تھے۔

''موت......'' کرن کو اس لفظ کا مفہوم پہلی بار سمجھ میں آیا تھا۔ جو جاگتی آنکھوں کو ہمیشہ کے لیے سلا دیتی ہے۔ ہنستے چہروں کو ہمیشہ کے لیے مرجھا دیتی ہے اور بولتے لفظوں کو ساکت کر دیتی ہے۔ موت جو بہت ظالم ہے، موت جس سے چھپنا مشکل ہے کیونکہ یہ ہر وقت تعاقب میں رہتی ہے۔

''ایسی جوانی اور ایسی موت۔'' اس کی رشتے کی پھوپھی کہہ رہی تھیں۔

''کینسر بیماری ہی ایسی ہے بڑے بڑے سخت جانوں کو لے بیٹھتی ہے، زینب تو ایک نازک پھول تھی۔'' اس کی تائی نے کہا تھا۔

''کرن یہ سب باتیں سن رہی تھی اور اس کے ذہن میں نئے خیالات بیٹھ رہے تھے اذیت سے چھٹکارا، موت کا حسن، عزرائیل کی خوش ذوقی، جوانی کی موت، پھول کا مرجھا جانا، زندگی سے اس کا پہلا بھرپور تعارف اس روز ہوا تھا۔ اس سے پہلے اگرچہ اس نے بھی کم ہی اماں کو تندرست دیکھا تھا مگر وہ موجود تھیں اور ان کے ہوتے ہوئے کوئی ڈر کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اب اسے اپنا آپ غیر محفوظ سا لگ رہا تھا۔

پھر انہوں نے دیکھا کہ اماں کے سوئم کے بعد سب لوگ اپنے گھروں کو جانے کے لیے تیار ہو گئے، سب گہما گہمی اور اجتماع جو موت لے کر آئی تھی ختم ہونے لگا۔ شام تک وہ تینوں اور نانی گھر میں اکیلے رہ گئے یا پھر ابا جو باہر تعزیت کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ وہ شام شام غریباں کی طرح تھی وہ اپنے اجڑے خیمے میں بیٹھے تھے اور لگتا تھا باہر ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ اس شام کے بعد سارہ ایک دم بڑی ہو گئی اس کے اندر کی پیدائشی ممتا باہر نکل کر اس کے وجود پر چھا سی گئی اور عمر کی شوخی اور شرارتیں غائب ہونے لگی، کرن کا بچپن ایک دم سے ختم ہو گیا، اماں کی موت کے کئی دن بعد جب وہ سکول گئی تو اس کی ساتھیوں نے ایک نئی کرن کو روبرو پایا، ہنس مکھ، اور خوش باش کرن اپنے اندر ہی کہیں گم ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبائی سی رہتی تھیں اور اسے کسی کا سامنا کرنے میں دقت محسوس ہونے لگی تھی۔

''کیا کہیں گی یہ سب اس کی تو اماں مر گئیں یہ تو بہت غریب ہے، کیونکہ اس کی اماں ہی نہیں ہیں۔'' اسے رہ رہ کر خیال آتا۔ اس کی دلچسپی ہر چیز میں ختم ہونے لگی تھی، کلاس میں وہ خالی ذہن کے ساتھ

بیٹھی رہتی اور کھیل کے گھنٹے میں میدان کے کنارے بیٹھی خلاؤں میں گھورتی رہتی، اس کی رپورٹس خراب ہونے لگیں اور ریکارڈ برا۔

''یہ زندگی ہے کرن شہزاد! اس کی ہر مشکل سے مانوس ہونا پڑتا ہے، پھر اس نے سسٹر این کو کہتے سنا تھا جو کھیل کے گھنٹے میں اسے گراؤنڈ سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ اس نے حیرت سے سسٹر این کو دیکھا جنہیں اس نے کبھی مسکراتے یا روتے نہیں دیکھا تھا، اس کا خیال تھا کہ ان کے سینے میں دل ہے ہی نہیں۔

وہ سکول کی سب سے سخت گیر اور روح کھینچ استاد کے طور پر مشہور تھیں۔

''یہ حادثہ صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں ہوا'' وہ کہہ رہی تھیں۔ ''دنیا کے بہت سے بچے ایسے ہیں جن کی مائیں یوں ہی ان کا ساتھ چھوڑ کر جنت میں چلی جاتی ہیں وہاں خداوند ان کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہے اور وہ وہاں سے اپنے بچوں کے لیے دعاؤں کے تحفے بھیجتی ہیں۔''

''یہ باتیں کہنا آسان اس لیے ہے کہ آپ کرن شہزاد نہیں ہیں۔'' اس نے جواب میں جن نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ ان میں یقیناً یہی جواب تھا جسے انہوں نے پڑھ بھی لیا تھا۔

''میں شاید تم سے بھی چھوٹی تھی جب میری ماں یونہی مجھے چھوڑ کر جنت میں رہنے کے لیے چلی گئیں۔'' انہوں نے جواب میں کہا اب ان کی آنکھوں میں واضح طور پر آنسو تیرنے لگے تھے۔

''ارے یہ بے رحم مکینکل شخصیت رو بھی سکتی ہے؟'' اس نے حیرت سے سوچا تھا۔

''میں بھی اس طرح مضطرب رہتی تھی۔ پھر میں نے پتہ ہے کیا کیا؟'' انہوں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' کرن نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''میں نے اپنی ایک دنیا بسا لی، عجائب کی دنیا Wonderland''۔

''ارے۔'' کرن سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ''وہ کیسے سسٹر؟''

''وہ ایسے کہ میں نے وہ دنیا بسا لی جس میں میری پسند کے لوگ رہتے تھے۔ میری پسند کے جانور تھے، وہ دنیا جہاں چاکلیٹس کی نہریں بہتی تھیں اور آئس کریم کے پہاڑ تھے، جہاں جوس کی آبشاریں تھیں اور اسٹرابریز سے بنے گھر۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔

''اوہو'' یہ تصور کرن کے لیے نیا اور بہت ہی خوش کن تھا اور جہاں کوئی پڑھائی نہیں کرنا پڑتی تھی اور ہاں کوئی سسٹرز اور مدر اور کوئی رشتہ دار اور کوئی کزن نہیں تھے۔'' انہوں نے مزید بتایا۔

''اور جہاں زبردستی دودھ بھی نہیں پینا پڑتا تھا اور جہاں آپ کو ہر دم کوئی یہ احساس بھی نہیں دلاتا تھا کہ آپ کی اماں مر گئیں۔'' اس کے دل کی بات زبان پر آنے لگی۔

''بالکل۔'' سسٹر نے اس کے بال ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

''ونڈرفل۔'' وہ تالی بجاتے ہوئے بولی۔ وہ بالکل بھول گئی کہ وہ کس کے روبرو بیٹھی تھی۔

''ہاں ونڈرفل۔'' سسٹر نے مسکرا کر کہا۔ ''کرن! میں چاہتی ہوں کہ تم بھی ایسی دنیا بسالو، دوپہر سے لے کر رات تک اس میں رہو، مزے کرو، مگر صبح سکول آنے کے لیے اس کا دروازہ بند کر کے تالا لگا کر چابی اپنے سرہانے کے نیچے رکھ آیا کرو تاکہ سکول کے اوقات میں تم یہاں ہی رہو مکمل طور پر نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ ذہنی طور پر بھی۔''

اس نے سسٹر این کی اس نصیحت کو پلے سے باندھ لیا اور اپنے اردگرد عجائبات کی ایک انوکھی دنیا تخلیق کر لی۔ سکول سے آنے کے بعد وہ اس دنیا میں مگن رہتی۔ سکول میں اس کا گریڈ پھر سے بہتر ہونے لگا، مگر وہ اماں کو ابھی بھی بھلا نہ پائی تھی۔ ان کے کپڑوں، ان کے کمرے اور ان کے زیر استعمال رہنے والی دوسری چیزوں سے اسے عشق تھا، مگر نانی کے واپس چلے جانے اور عمر کے دوبارہ بورڈنگ میں چلے جانے کے بعد وہ چہرے جن کو دیکھ کر اب بھی اسے شدید اذیت ہوتی تھی، آہستہ آہستہ اس گھر پر مسلط ہونے لگے جو اماں کا گھر تھا اور جسے انہوں نے بہت شوق سے سجایا تھا۔ ان چہروں کو کسی بات میں دلچسپی نہ تھی سوائے دنیا سے جانے والی کی، دنیا میں رہ جانے والی چیزوں کے۔ ایک ایک کر کے اماں کی چیزیں گھر سے غائب ہونے لگیں۔ کپڑے، جیولری، پرفیومز، جوتے۔

''وہ یہ سب کیوں لے جاتی ہیں جب بھی آتی ہیں؟'' اس نے ایک روز روتے ہوئے سارہ سے پوچھا تھا۔

''شی۔'' سارہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش کروایا تھا۔ ''تمہیں پتہ تو ہے وہ کون ہیں وہ لے سکتی ہیں۔''

مگر کرن کے دل نے اس زبردستی کے حق کو کبھی نہیں مانا تھا۔ جس کا ذکر سارہ کرتی تھی۔ وہ یہ کہنا بھی چاہتی تھی مگر اس کی عمر کم تھی اور اعتماد بہت تھوڑا۔ وہ یہ سب باتیں ونڈرلینڈ کے کرداروں سے تو کر سکتی تھی مگر حقیقی دنیا کے لوگوں سے نہیں۔ اسی لیے ان چہروں کے نظر آنے پر اس کے اندر اذیت کا احساس بڑھ جاتا تھا۔ اسی لیے آج بھی وہ چاہتی تھی کہ وہ چہرے اسے کبھی نظر نہ آئیں۔



اس روز وہ یونہی لانگ ڈرائیو پر نکلا تھا۔ وہ کچھ دیر اپنے ساتھ رہنا چاہتا تھا اور ایسے وقت میں اسے لانگ ڈرائیو کرنا بہت پسند تھا۔ شہر کے سارے منظر سارے راستے دیکھے بھالے تھے۔ وہ لوئر مال سے اپر مال طرف جا رہا تھا جب بالکل اچانک اسے وہ چہرہ نظر آ گیا جسے وہ کئی دن سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے بے اختیا گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ وہ کرواٹیرز آرٹ گیلری سے باہر نکلی تھی اور اب اس مصروف ترین سڑک کی دوسر طرف جانے کے لیے ٹریفک سگنل سرخ ہونے کے انتظار میں کھڑی تھی، داؤد نے گاڑی سڑک کی بائیں جانب

پارک کرنے کی کوشش شروع کی۔اسے بمشکل گاڑی پارک کرنے کی جگہ ملی اس اثناء وہ غائب نہ ہو چکی ہو،اس کے دل میں وہم آیا۔مگر باہر نظر ڈالتے ہی وہ اسے دوبارہ نظر آ گئی۔وہ سڑک کے اس جانب آ چکی تھی اور فیروز سنز کے قریب ایک چھوٹے سے کولڈ سپاٹ کے قریب کھڑی متلاشی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔وہ کس کو تلاش کر رہی تھی۔داؤد کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا،وہ محویت سے صرف اس کو دیکھ رہا تھا۔

''یا تو بہت روشنی یا بہت اندھیرا تقدیر کی آخری حد'' اس کی آواز داؤد کے کانوں میں گونج رہی تھی۔اس کی اس بات کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد سے ہی تو اس کی دلچسپی اس لڑکی میں بڑھ گئی تھی۔کیسے اور کیوں، یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔وہ محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔اسے غالباً اپنا مطلوبہ شخص مل گیا تھا،جب ہی وہ کولڈ سپاٹ کے باہر دھری کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی تھی اور کسی سے محو گفتگو تھی۔داؤ کو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا جب اس نے اس شخص کو غور سے دیکھا،جس سے وہ محو گفتگو تھی۔۔وہ چیتھڑوں میں ملبوس سر پر فلیٹ ہیٹ پہنے مخبوط الحواس نظر آنے والا ایک شخص تھا۔غالباً ایک بار پہلے بھی داؤد نے اس شخص کو یہیں گھومتے دیکھا تھا اسے یاد آیا وہ شدید سردی کی ایک شام کو انہی چیتھڑوں میں ملبوس اسی سڑک پر گھوم رہا تھا۔ایک ایسا شخص جسے دیکھ کر ارد گرد گزرنے والے کبھی درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوں گے۔اسے دیکھتے ہی بہت سوں کے ذہن میں پہلی سوچ ہی یہ آئی ہو گی کہ وہ ایک نیم یا پھر شاید مکمل پاگل شخص تھا اس کو توجہ کے قابل سمجھا جاتا ہو گا تو صرف اتنا کہ اس کی جانب ایک سکہ اچھال دیا جاتا اور کسی شرارتی مہم جو کی جانب سے ایک پتھر، یہ یہاں کی روایت تھی مگر جس محویت اور دلچسپی سے وہ لڑکی اس شخص سے محو گفتگو تھی،وہ اچھے اچھوں کو حیران کر دینے کے لیے کافی تھی۔وہ مسکرا رہی تھی،قہقہے لگا رہی تھی اس کے چہروں پر مسرت اور اطمینان تھا۔وہ اس بوڑھے سے کیا باتیں کر رہی ہو گی،داؤد نے اندازہ لگانے کی کوشش کی مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔اس نے دیکھا بظاہر مخبوط الحواس نظر آنے والا وہ خستہ حال بوڑھا بھی بڑے مدبر سے انداز میں بیٹھا گفتگو کر رہا تھا، بلکہ زیادہ تر بول بھی وہی رہا تھا۔پھر وہ لڑکی اٹھ کر کولڈ سپاٹ کے کاؤنٹر پر گئی۔

''سگریٹ کا صرف ایک پیکٹ مسٹر جوزف؟'' اس نے گردن موڑ کر بوڑھے سے پوچھا تھا اور اس بار اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ اتنے شور اور رش میں بھی داؤد کے کان تک پہنچ گئی۔بوڑھا دو انگلیاں اٹھا کر اشارے سے اسے بتا رہا تھا۔پھر اس نے سگریٹ کے دو پیکٹ خریدے اور بوڑھے کو لا کر پکڑائے اور جھک کر غالباً اسے خدا حافظ کہا۔اس سے رخصت ہو کر وہ ریگل کی طرف چل دی۔بوڑھا مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا اور ہاتھ ہلا رہا تھا۔

داؤد اس دلچسپ منظر کو دیکھ رہا تھا،اس کی محویت لڑکی کے مطلوبہ روٹ کی بس آنے اور اس کے سوار ہو کر نظروں سے اوجھل ہو جانے پر ٹوٹی۔اس نے دوبارہ کولڈ سپاٹ کی کرسی پر بیٹھے بوڑھے پر نظر ڈالی وہ فرصت اور مسرت کے سے انداز میں سگریٹ پی رہا تھا اور دھوئیں کے مرغولے اڑا رہا تھا،غالباً بہت دن بعد

اسے اپنی پسند کے سگریٹ کا پیکٹ ملا تھا۔



وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شیریں کو اندازہ ہو رہا تھا کہ داؤد جیسے بچوں کے ساتھ سختی کا رویہ رکھنا انہیں ہمیشہ کے لیے کھو دینے کا باعث ہو سکتا تھا، وہ محسوس کرتی تھیں کہ سلمان کا داؤد کے ساتھ رویہ دن بدن نامناسب اور سخت ہوتا جا رہا تھا اور جتنی شدت ان کے رویے میں آ رہی تھی اتنی ہی بغاوت داؤد کے مزاج میں سما رہی تھی۔ مار پیٹ اور دھمکیاں اس پر اثر کرنا چھوڑ رہی تھیں، وہ اب پہلے کی نسبت کھل کر من مانی کرنے لگا تھا۔ اس کے سکول سے ہوم ورک نہ کر کے لانے، ٹیسٹ کی تیاری نہ کرنے اور کلاس میں ذہنی غیر حاضر ہونے کی شکایات آنے کا سلسلہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ شیریں اپنے طور پر محبت اور نصیحت جیسے دونوں اصول اُس پر آزمانے کی کوشش کرتیں مگر اس پر کم ہی اثر ہوتا ہاں وہ ان کی بات کے جواب میں اکثر خاموش رہا کرتا تھا، البتہ اس کی من مانیاں بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ گھر میں بچوں کے لیے آئی چیزوں میں سے وہ بہترین کے لیے ضد کرتا اور انہیں ہتھیا بھی لیتا تھا، بہن بھائیوں کے ساتھ اس کا انہی باتوں پر اکثر جھگڑا چلتا۔ اس کے اس رویے پر سب سے زیادہ برافروختہ سعود ہوا کرتا تھا اور اسی سے چڑ کر وہ اکثر اس کی شکایت باپ سے جڑ دیا کرتا، باپ کی سختی سہنے کے بعد داؤد، سعود کو بدلے کی دھمکی دیتا اور اکثر یہ بدلہ لے بھی لیا کرتا۔ شیریں کو اپنی تربیت، محنت اور محبت سب اکارت جاتی نظر آ رہی تھی۔ آٹھویں کے امتحان میں داؤد کے کم نمبر آنے پر سلمان نے اسے بورڈنگ سکول میں داخل کروانے کا فیصلہ سنا دیا۔

''میں ایسا اس کے بھلے کے لیے کر رہا ہوں۔ گھر میں من مانی کرنے اور کسی دوسرے کی نہ ماننے کی اسے گنجائش مل جاتی ہے۔ بورڈنگ میں ایسا نہیں ہوگا، وہاں کی سخت تربیت اس کے مزاج کو بدل کر رکھ دی گی۔ یہ رویے جو اس کے ہیں یونہی نشوونما پاتے گئے تو نتائج اس کے لیے بھی خطرناک ہوں گے اور ہمارے لیے بھی۔'' سلمان نے ان کا تذبذب اور بے چینی دیکھ کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

شیریں اس دلیل سے مطلق متاثر نہ ہو سکی تھی۔

یہ خبر جب سعود کے ذریعے داؤد تک پہنچی تو اس کا ردعمل ہر بار سے زیادہ شدید تھا۔

''مجھ پر ایسا کوئی فیصلہ مسلط نہیں کیا جا سکتا۔'' شیریں کے نرمی سے سمجھانے کے جواب میں پہلی بار وہ بولا تھا۔ ''مجھے ہرگز بورڈنگ میں نہیں جانا۔''

''دیکھو تمہارے ساتھ کے اور بچے بھی تو جاتے رہے ہیں بورڈنگ میں، ان کی گرومنگ بہت بہتر انداز میں ہوئی ہے، تم سوچو تمہارا مستقبل سنور جائے گا۔'' شیریں نے ایک ایسی دلیل دی جو خود انہیں بھی بہت بودی لگ رہی تھی۔

''پھر دنیا کے سارے بچے بورڈنگ سکول میں کیوں نہیں پڑھائے جاتے۔'' وہ تپ کر بولا تھا۔ ''یہ

دونوں سعود بھائی اور فہد بھائی کیوں بورڈنگ میں نہیں بھیجے گئے، ان کی گرومنگ اور مستقبل کا کسی کو خیال کیوں نہیں آیا؟ بات صرف اتنی سی ہے کہ مجھ سے کسی کو محبت ہی نہیں ہے، ابو کو تو بالکل ہی نہیں ہے۔ آپ کو بھی نہیں ہے۔ آپ نے میرے اور ابو کے معاملے میں ہمیشہ ابو کا ساتھ دیا ہے، آئی ہیٹ آل دس۔''

وہ سخت لہجے میں بولا تھا۔

''تمہارا اور ابو کا معاملہ؟'' شیریں حیرت سے بولیں۔ ''تم باپ سے مقابلہ کر رہے ہو؟''

''کیوں نہ کروں؟'' وہ سخت لہجے میں بولا۔ ''انہوں نے ہمیشہ مجھ سے مقابلہ کیا ہے۔ ہمیشہ وہ کرنے کی کوشش کی جو مجھے پسند نہیں، انہوں نے مجھے اپنا بیٹا کبھی سمجھا ہی نہیں۔ انہوں نے ہمیشہ مجھے اذیت دینے کی کوشش کی ہے۔ میں ان سے بھی نفرت کرتا ہوں۔'' شیریں ششدر رہ گئیں۔ باپ اور بیٹے میں ذہنی فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ اب بیٹے نے خود کو باپ کے مدمقابل کھڑا کر لیا تھا۔ ''ان سے کہہ دیں جا کر اگر مجھے بورڈنگ میں داخل کروانے کی کوشش کی گئی تو میں گھر سے بھاگ جاؤں گا۔'' اس نے دھمکی دی۔

شیریں کا خیال تھا کہ وہ اب بڑا ہو چکا تھا اور ایسی دھمکیاں صرف دھمکی کے طور پر دے رہا تھا، گھر سے بھاگنا اتنا آسان نہ تھا۔ انہوں نے اس کی اس بات کا زیادہ کیا بالکل بھی اثر نہیں لیا۔ وہ خود کسی طرح بھی داؤد کو بورڈنگ ہاؤس بھیجنے کی قائل نہیں تھیں لیکن سلمان کے مزاج کی نرمی گرمی گھر کے ماحول کا توازن برقرار رکھنے میں سب سے اہم کردار ادا کرتی تھی۔ یہ وہ دن تھے، جب سعود ایف ایس سی فائنل ائیر کا امتحان دے رہا تھا اور اس کو اپنے باپ کے تجویز کردہ مستقبل پر کوئی اعتراض نہ تھا، وہ ایف ایس سی کے بعد فوج میں کمیشن لینے کا مکمل ارادہ رکھتا تھا۔ فہد دہم کا طالب علم تھا اور غالباً اسے بھی فوج ہی میں کمیشن لینا تھا۔

سلمان اپنے دونوں بڑے بیٹوں سے بہت خوش تھے، یہ داؤد تھا جس نے انہیں زچ کر کے رکھا ہوا تھا اور بورڈنگ ہاؤس میں بھیجنا غالباً ان کی تجویز کردہ سزا تھی۔ شیریں نے دل پر پتھر رکھ کر داؤد کو قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر داؤد کسی طرح بھی یہ بات نہیں مان رہا تھا۔

''منتیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، فیصلہ ہو چکا، یہ حسن ابدال جا رہا ہے۔'' اس شام لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے ہوئے سلمان نے باآواز بلند فیصلہ سنایا۔ کسی سپورٹس چینل پر غالباً کرکٹ میچ دکھایا جا رہا تھا، جسے داؤد انہماک سے دیکھ رہا تھا، لیکن یہ آواز اس کے کان تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے شیریں کی جانب دیکھا، یقیناً شیریں کے چہرے پر بے بسی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ روشی کو پکڑایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

''کوئی ضرورت نہیں پیچھے جانے کی۔'' شیریں کو اٹھتے دیکھ کر سلمان نے حکم سنایا ''اسی قسم کے چونچلوں نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔'' ایک سعادت مند بیوی کی طرح شیریں اپنی جگہ دوبارہ بیٹھ گئیں۔ انہیں لگا سعود اس صورت حال سے لطف اندوز ہو رہا تھا مگر فہد کن انکھیوں سے باپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فہد سے نظریں ملنے پر شیریں نے اسے باہر جا کر دیکھو کا اشارہ دیا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر باپ

کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہ گیا، وہ سب پر نظر رکھے ہوئے تھے، فہد کو تقریباً آدھے گھنٹے بعد کمرے سے باہر نکلنے کا موقع ملا تھا اور اس کی وجہ سے شیریں کے دل اور گھر میں ایک مرتبہ پھر شام غریباں آئی تھی۔ داؤد کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں تھا۔ ''میں گھر سے بھاگ جاؤں گا۔'' شیریں کو فہد نے جب داؤد کے گھر میں موجود نہ ہونے کے متعلق بتایا تو فوری طور پر انہیں اس کے یہ الفاظ یاد آ گئے۔ ''کیا انہوں نے داؤد کو کھو دیا تھا؟''

انہوں نے سوچا اور فہد کو کئی سالوں کے بعد ایک مرتبہ پھر باہر کی طرف دھکیلا۔

''جاؤ دیکھو اُسے۔''

وہ شام فہد کی زندگی کی بھی غالباً سب سے مشکل شام تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح چکلالہ کی سڑکوں پر داؤد کو ڈھونڈھتا پھر رہا تھا اور اس شام یہ انکشاف بھی پہلی مرتبہ اس پر ہوا تھا کہ اسے اپنے اس بھائی سے کس قدر پیار تھا، جس سے اس کا اکثر جھگڑا ہی رہا کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں اور ادھر اُدھر اسے ڈھونڈتے ہوئے کئی بار اسے ٹھوکر بھی لگی تھی مگر ان جلتی بجھتی روشنیوں اور طویل سڑکوں پر اسے کہیں بھی وہ مانوس شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔

''داؤد، داؤد'' اب کچھ سمجھ نہ آنے پر، وہ بے اختیار اسے آوازیں دے رہا تھا۔

''وہ چلا گیا ہے، وہ گھر سے چلا گیا ہے۔'' بہت دیر تک فہد کا انتظار کرتے رہنے کے بعد شیریں سے مزید برداشت نہیں ہوا اور انہیں ساری مصلحت بھول گئی۔ ''تم یہاں بیٹھے کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟'' پھر وہ سعود پر برس پڑیں ''جاؤ دیکھو فہد کدھر گیا؟'' اب تک سعود کو بھی صورتحال کی سنگینی کا احساس ہونے لگا تھا، وہ بغیر کسی پس و پیش کے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

''گھومنے دو اسے پھر لینے دو، جانا کہاں ہے اسے خود ہی آ جائے گا۔'' سلمان صاحب نے اگرچہ سعود کو روکا نہیں مگر ان کے لہجے میں ابھی بھی بے نیازی تھی۔

''تم کیسے باپ ہو، تمہیں خدا نے اولاد کیوں دے دی؟''

پہلی مرتبہ شیریں کے دل میں شکوہ اٹھا اور انہوں نے ڈری سہمی روشی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ نجانے کیا ہونے والا تھا۔ وقت گزرتا چلا جا رہا تھا۔

''اس نے تو خوار ہونا ہی تھا تم نے ان دونوں کو بھی بھیج دیا۔'' رات دس بجے سلمان صاحب نے بیٹ مین کو کھانا لگانے کا کہنے کے بعد انہیں مخاطب کیا۔

''انہیں کھانے کی سوجھ رہی ہے۔'' شیریں کا دل پھٹنے لگا، ان کے ہونٹوں پر اللہ کا کلام تھا، جسے وہ اس وقت سے مسلسل پڑھ رہی تھیں۔ اس لیے انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی دم سعود اور فہد کمرے میں داخل ہوئے دونوں کے سر جھکے ہوئے تھے اور چہروں پر اضطراب۔

''ابو! وہ کہیں نہیں ملا ابو! پلیز کچھ کریں۔'' فہد گھٹنوں کے بل سلمان کے آگے بیٹھ گیا۔ وہ رو رہا تھا۔

''یہ تمہاری شہ کا نتیجہ ہے۔'' سلمان نے شیریں پر چڑھائی کر دی، مگر ساتھ ہی وہ فون پر کسی کا نمبر ملا رہے تھے۔ چند منٹوں میں کئی لوگ حرکت میں آ چکے تھے اور ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے آنے والے فون پر انہیں بتایا گیا کہ داؤد مل گیا تھا کوئی سلمان کو آ کر اسے لے جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔

''میں نہیں جاؤں گا، تم دونوں جاؤ۔'' انہوں نے سعود اور فہد کو بھیج دیا۔

''اب یہ نجانے اس کے ساتھ کیا سلوک کریں۔'' شیریں کو ایک طرف سے سکون ہوا تو دوسری طرف سے بے چینی شروع ہو گئی۔

''کسی بیماری کے علاج کے لیے کبھی کبھار کڑوی دوائی استعمال کرنی پڑ جائے تو گھبرانا نہیں چاہیے، بیماری کا علاج ہو جائے اور تندرستی حاصل ہو جائے تو کڑوی دوائی کا ذائقہ بھول جاتا ہے۔'' کچھ دیر بعد ان کے کانوں نے سلمان کو کہتے سنا، وہ بے یقینی کی کیفیت میں انہیں دیکھ رہی تھیں، ان کا لہجہ نرم اور انداز سمجھانے کا سا تھا۔

''تم نے داؤد کو بے جا Pamper کیا ہے اب تک اس کا ذہن اپنے ٹھکانے پر نہیں رہا، اب اگر جو اسے خود سے کچھ عرصہ کے لیے دور کرو گی تو تم خود دیکھو گی کہ وہ کتنا بدل جائے گا۔ اس کی زندگی میں ایک ہی چیز کا فقدان ہے اور وہ ہے ڈسپلن، ڈسپلن کی عادت ہو جائے گی تو اس کا مزاج بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ارے میں یونہی ان سے بدگمان ہو رہی تھی۔'' ماں کا دل فوراً پسیج گیا۔

سعود اور فہد، داؤد کو لے کر واپس آئے اور خلافِ توقع سلمان نے اس سے کچھ بھی نہیں کہا۔ سعود نے البتہ اپنے کمرے میں جا کر دل کی بھڑاس خوب نکالی۔ وہ ایک ایک کر کے داؤد کے سارے روپے یاد دلاتا رہا اور پھر اس نے فیصلہ دے دیا کہ وہ ناقابلِ علاج ہے۔ شیریں نے دیکھا اتنا کچھ سننے کے بعد بھی داؤد خاموش رہا تھا۔ اس کی آنکھیں انہیں چمکتی ہوئی محسوس ہوئیں مگر تھوڑی دیر بعد انہیں اندازہ ہوا کہ وہ آنسو تھے، جو اس کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔

''تم آسمان کے سب سے خوب صورت ستارے ہو۔'' اس رات وہ عرصے کے بعد داؤد کے ساتھ لیٹی تھیں۔

''تم نے کبھی شمال کا ستارہ دیکھا ہے۔'' انہوں نے اس کی پیشانی سے بال سمیٹ کر پیچھے کرتے ہوئے کہا، ''شمال کا ستارہ North star'' انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے حس و حرکت لیٹا تھا اور اس کی نظریں چھت پر جمی تھیں۔

''شمال کا ستارہ سب سے روشن ستارہ ہوتا ہے اور لوگوں کو راستہ دکھاتا ہے۔ اور تم میرے نارتھ اسٹار ہو مجھے یقین ہے تمہاری ذات سے ہمیشہ دوسروں کو فائدہ ہی پہنچے گا۔'' وہ چپ چاپ سنتا رہا۔

''تم اپنے بھائیوں کو پیچھے چھوڑ دو گے، تمہاری منزل بلند اور قابل رشک ہو گی، مجھے اس بات کا بھی یقین ہے۔''

وہ نرم لہجے میں ساری اچھی باتیں اس سے کہتی رہیں۔

''ایک بات آپ یاد رکھیے گا'' ان کی ساری باتوں کے جواب میں اس نے کھردرے لہجے میں کہا ''میں فوج میں نہیں جاؤں گا، مجھے اس بات پر کوئی مجبور نہیں کرے گا، اگر کسی نے کیا تو میں اپنی جان لے لوں گا یا ایسا بھاگوں گا کہ پھر ہاتھ نہیں آؤں گا۔''

''تمہیں فوج میں جانے کے لیے کوئی نہیں کہے گا، یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' شیریں اس کے ذہن سے کچھ بوجھ ہٹا دینا چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے وہ عہد اس سے کر لیا، جس کے بارے میں خود انہیں ہرگز یقین نہیں تھا کہ اس پر وہ پورا اتر سکیں گی۔

☆

''لڑکیوں کو اونچی آواز میں نہیں ہنسنا چاہیے۔''

''لڑکیوں کی چال بے آوازی ہونی چاہیے۔''

''لڑکیوں کو گھریلو امور سے متعلق ہر چیز کی ماہر ہونا چاہیے۔''

''ادب، آداب، اخلاقیات، روایات، ہر چیز کے بارے میں مکمل علم ہونا ہر لڑکی کے لیے بہت ضروری ہے۔''

''دوستیاں صرف سکول تک محدود ہونی چاہیے، گھر میں کسی دوست کے آنے یا کسی دوست کے گھر جانے کی تو کوئی تک ہی نہیں بنتی۔''

''تعلقات صرف اپنے برابر کے لوگوں کے ساتھ بنانے چاہیے۔ ہر کسی کو تعلق بنانے کے قابل سمجھ لینا سخت حماقت ہوتی ہے۔''

اصول، اصول، اصول...... اماں کے مرنے کے بعد کرن شہزاد کو زندگی کے تمام اصول نئے سرے سے سیکھنے پڑے، یہ بالکل مختلف اور نئے اصول تھے اور اب کے زندگی گزارنے کے اصول سکھانے والی اس کی سخت گیر دادی تھیں، جو ایک معروف گرامر سکول میں کیمسٹری کی استاد تھیں او جو گھریلو امور کی ماہر اور سلیقہ شعار خاتون جانی جاتی تھیں۔ اماں کے بعد انہوں نے کرن کے گھر میں اپنی آمد و رفت بڑھا دی تھی، انہیں اپنی پوتیوں کے مستقبل اور ان کی تربیت کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ وہ اپنی اولاد کی تربیت کے معاملے میں بھی سخت گیر تھیں یہ اور بات کے ان کے بچوں نے کچھ معاملات میں انہیں اکثر مایوس کیا۔ مگر سارہ اور کرن کے مسئلے پر آ کر انہوں نے اولاد کی طرف سے ملنے والی مایوسی بھلا کر نئے سرے سے بچیوں کی تربیت کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ ان کے بتائے ہر اصول پر سارہ چوں چرا عمل کرتی تھی مگر کرن کو ان کی بہت سی باتیں

ہضم کرنا مشکل لگتا تھا۔

''مجھے سکول کی لڑکیوں جیسے ان قہقہوں سے نفرت ہے۔'' ایک روز انہوں نے کرن کو کسی لطیفے پر ہنستے دیکھ کر برملا کہا تھا۔ کرن کو اس روز محسوس ہوا کہ اس کے بعد وہ زندگی بھر کبھی کھل کر نہیں ہنس پائے گی اور اس کا یہ احساس سچ ثابت ہوا۔ وہ اکثر ہلکا سا مسکراتے ہوئے بھی ایک عجیب سے خوف میں مبتلا رہتی تھی۔

''میں چاہوں گی کہ تم لوگ سکول سے آ کر مجھے وہاں ہونے والی ہر بات بتایا کرو۔'' انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

سارہ نے انتہائی سعادت مندی سے ان کی یہ بات بھی مان لی اور چھوٹی سے چھوٹی بات بھی بہت تفصیل سے انہیں سنانے لگی۔ ان کی اس خواہش کو پورا کرنے میں کرن کا مقصد صرف اور صرف سارہ سے بازی لے جانا ہوتا تھا اور اس بازی لے جانے کے چکر میں انہیں ہر بات بتانے لگی تھی۔

''ادھر آؤ کرن!'' ایک روز دادی نے نسبتاً پیار بھرے لہجے میں اسے اپنے پاس بلایا۔

''مجھ سے وعدہ کرو کہ تم ہمیشہ صاف ستھری اور باوضو رہو گی۔'' اس کے قریب جانے پر انہوں نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''وہ کیسے؟'' اس نے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھا۔

''جب بھی تم واش روم جاؤ، وضو کر کے نکلا کرو، وضو کر لینے سے انسان پاک اور صاف ستھرا رہتا ہے، اس کے چہرے پر نور برستا ہے اور وہ دوسروں کی نظروں کو بھلا لگتا ہے۔'' انہوں نے کئی فائدے گنوا دیئے۔ ''وضو کرنا آتا ہے؟'' پھر انہوں نے پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پھر میرا بچہ مجھ سے وعدہ کرو تم ہمیشہ وضو کر کے آیا کرو گی۔'' انہوں نے پیار سے کہا اور اتنے پیار بھرے لہجے کے لیے تو وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس نے پورے دل سے ان کی اس بات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ تین چار ماہ کے اندر اسے باوضو رہنے کی پختہ عادت ہو چکی تھی۔ جب ہی ایک دوپہر جب دادی سکول سے واپسی پر سیدھی ان کے ہاں آ گئی تھیں نے اس سے پوچھا تھا، وضو کیا ہوا ہے؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''چلو پھر دونوں نماز پڑھتے ہیں۔ وضو تو ہے ہی نماز پڑھ لیں گے تو اللہ میاں بھی خوش ہو جائیں گے، ایک کام سے دو دو نیکیاں'' وہ خوشی خوشی ان کے ساتھ نماز پڑھنے لگی۔ اس دوران اس نے ان کے ساتھ عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں۔

''تم نے دیکھا نماز پڑھنے سے دل کو کتنا سکون ملتا ہے اور دیکھو تو تمہارے چہرے پر کتنا نور آیا ہے۔'' رات اپنے گھر جانے سے پہلے انہوں نے اسے آئینے کے سامنے کھڑے کرتے ہوئے کہا۔ اسے اپنا چہرہ خوامخواہ ہی بہت پیارا لگنے لگا۔

''وضو تو تمہارا ہوتا ہے اس لیے جب موقع ملے اور نماز کا وقت ہو ضرور نماز پڑھ لیا کرو۔'' انہوں نے اسے تلقین کی یہ واحد کام تھا جو کرن نے دادی کے بجائے صرف اللہ کو خوش کرنے کے لیے شروع کیا تھا اور وقت کے ساتھ اس کو اس کی پختہ عادت پڑ چکی تھی۔ یہ واحد کام تھا جس کی عادت سارہ کو نہیں پڑ سکی تھی، وہ اس معاملے میں اکثر ڈنڈی مار جاتی تھی۔

اس نئی تربیت گاہ میں داخل ہونے کے بعد اس کی شخصیت کا ہر پہلو تبدیل ہو گیا۔ گھر میں وہ اور سارہ رہتی تھیں، عمر کو بورڈنگ سکول میں داخل کروا دیا گیا تھا اور ابا ایک انتہائی مصروف شخص تھے، ان کے دن رات اپنے کام میں مگن گزرتے تھے، وہ کم گو اور سنجیدہ مزاج شخص تھے، اماں کی موت پر اگرچہ انہوں نے بہت کھل کر اپنے غم کا اظہار نہیں کیا تھا مگر انہوں نے اس دکھ کو دل پر لے لیا تھا۔ اپنے بچوں میں ان کی دلچسپی صرف ان کی ضروریات پوری کرنے کی حد تک تھی۔ ان کا رویہ اور مزاج اتنا خشک تھا کہ کسی بچے نے ان کے قریب آنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ ایسے میں دادی کا وجود غنیمت تھا جو سارہ اور کرن کے سر پر سائے کی طرح رہتی تھیں اور ان کے ہر کام کی نگرانی بھی کر لیا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی کرن کو یوں محسوس ہوتا جیسے یہ سب دادی کی ہی ہمت کی وجہ سے ہوتا تھا ورنہ ابا کا رویہ دادی کے ساتھ بھی اتنا ہی لیے دیئے رہنے والا ہوتا تھا، اسے ان دونوں میں ماں بیٹے والی بے تکلفی کبھی نظر نہیں آئی تھی، بلکہ کئی مرتبہ تو ابا دادی سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ مگر دادی نے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ دادا شاذ و نادر ہی کبھی ان کی طرف آئے تھے ابا کا رویہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ کرن کی یادداشت میں کوئی ایسا لمحہ محفوظ نہیں تھا، جب اس نے ابا کو مسکراتے دیکھا تھا۔ ابا کے ذکر سے جو چند باتیں اس کے ذہن میں آتی تھیں وہ ان تھک محنت اپنے پیشے سے جنون کی حد تک لگاؤ، برف کی طرح ٹھنڈا مزاج اور دل توڑ دینے کی حد تک سرد مہری تھی، پھر بھی اسے اپنے باپ کے وجود سے کتنی انسیت اور محبت تھی، یہ اسے اس وقت پتہ چلا جب ابا ٹھیک ٹھاک آپریشن ڈے پر اوکاڑہ والے کلینک گئے اور واپس ایمبولینس پر آئے۔ اوکاڑہ سے لاہور واپس آتے ہوئے ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور جائے حادثہ پر ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

وہ سنجیدہ، خاموش، سرد مزاج اور لیے دیئے رہنے والا شخص چند منٹوں میں یوں ختم ہو جائے گا، یہ شاید کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کرن اس وقت سیکنڈ ائیر کی طالب علم تھی اماں اور ابا کی موت کے درمیان چھ سال کا وقفہ تھا، ان چھ سالوں نے ان تینوں کو ان کی عمر سے زیادہ شعور اور سوچ کی پختگی عطا کر دی تھی، بہت سی غیر معمولی باتیں ان کے لیے معمول کی بات بن چکی تھیں۔ وہ انہونیوں کے عادی ہو چکے تھے مگر یہ اچانک حادثہ ان سب باتوں سے الگ تھا۔ وہ ایک دم بے سایہ ہو گئے تھے۔ ان تینوں کو اپنے اردگرد چلتے پھرتے لوگ اجنبی سے لگنے لگے تھے، خوف، مایوسی اور بے بسی نے ان کے گرد اپنا حصار کر لیا تھا۔ اس روز اچانک ان پر انکشاف ہوا تھا کہ وہ سنجیدہ خاموش اور سرد مزاج شخص کیسا شجر سایہ دار تھا، اس کی ذات کے ہونے نے انہیں

کیسے کیسے سرد و گرم سے بچا رکھا تھا۔ انہیں ہر چہرہ نفرت کی لو دیتا اور ہر آنکھ آگ برساتی نظر آنے لگی تھی۔ وہ شام زندگی کی سب سے بے رحم شام تھی اور وہ رات سب سے خوفناک رات۔

''جب کوئی موجود ہوتا ہے ہمارا دل اس کی قدر سے انکاری رہتا ہے، جب وہ چلا جاتا ہے تو قدر کے دریا دل میں موجیں مارنے لگتے ہیں۔'' دادی نے کرن کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے گھٹی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ چھ سال پہلے کا منظر پھر سے دُہرایا جا رہا تھا۔

''بے سروسامانی۔'' اس روز کرن کو سکول کی کسی جماعت میں پڑھتے ہوئے لفظ کا اصل مفہوم سمجھ میں آیا تھا۔

''کچھ الفاظ محض الفاظ نہیں ہوتے وہ کیفیات ہوتی ہیں جب ہی سمجھ میں آتی ہیں جب خود آپ پر سے گزرتی ہیں۔'' اسے پہلی بار یقین آیا تھا۔

پھر ان کے ننھیال اور ددھیال کی میٹنگ بلائی گئی، بچوں کی ذمہ داریاں کس کو اٹھانا تھیں، چچاؤں، پھوپھیوں، خالاؤں اور ماموؤں کے درمیان ذمہ داریاں تقسیم کرنے کا معاملہ طے کیا جانے لگا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہمارے بچوں کے بٹوارے کرنے کی اس وقت۔'' اب تک خاموش رہنے والے دادا پہلی بار بھاری آواز میں بولے تھے۔ ''تم لوگوں میں سے کوئی ایک بھی اس قابل نہیں کہ ان تینوں کی ذمہ داری اٹھا سکے تو سن لو کہ ہم دونوں بوڑھے بڑھیا میں اتنا دم خم ہے کہ ہم ان تینوں کی ذمہ داری اٹھا سکتے ہیں۔''

''میں نوکری چھوڑ رہی ہوں، تمہارے ابا کی ریٹائرمنٹ پر ہمیں جو پیسہ ملا تھا وہ ہم نے اپنا گھر بنانے پر لگا دیا، مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے ہم پر۔ اب اس سلسلے میں کوئی بات نہ ہوگی۔ سارہ، عمر اور کرن ہمارے ساتھ جائیں گے، یہ گھر کرائے پر اٹھا دیا جائے گا اور اس کی آمدنی ان تینوں کے اخراجات پوری کرنے کے لیے کافی ہوگی۔'' دادی نے بات مکمل کی۔

ان چہروں سے نجات مل جانے کی خوشی میں کرن کو چند دن پہلے کا لگا زخم بھولنے لگا تھا مگر جب وہ دادا کے ساتھ اس گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا رہی تھی...... اس گھر میں گزارا ایک ایک لمحہ یاد آنے لگا اور شدت سے ابا کی یاد آئی، وہ باپ جس سے زندگی میں اس نے صرف ایک مرتبہ بے تکلفی سے بات کرنے کی جرأت کی تھی۔ اسے اس بات کا ایک ایک حرف یاد آنے لگا۔

''تم آج کل فارغ ہو، کچھ ہنر سیکھ لو۔'' فرسٹ ایئر کے پیپرز کے بعد انہوں نے ایک روز اچانک اس سے کہا تھا۔

''مجھے پیانو سیکھنے کا بہت شوق ہے۔'' بے ساختہ اور غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے وہ بات نکلی، جسے باپ سے کرنے کی جرأت وہ کبھی اور شاید نہ کر پاتی۔

''ہوں۔'' انہوں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''کون سکھاتا ہے پیانو بجانا۔''

''یہ ہماری ہی لین میں ماسٹر ٹونی جلیل رہتے ہیں، بہت اچھا پیانو بجاتے ہیں۔'' سارہ کے گھورنے اور چھٹی پر آئے عمر کے ٹھوکے بھی اسے یہ بات کرنے سے نہ روک سکے تھے۔

''کیا ہو گا زیادہ سے زیادہ ڈانٹ لیں گے نا؟'' اس نے سوچا تھا یہ حسرت تو نہ رہے گی کہ کبھی دل کی بات ان سے کی نہیں۔

جواب میں وہ خاموش رہے۔

''بڑا تیر مار لیا، اپنی بات کر کے، بڑی پوری ہو گئی تمہاری بات جیسے۔'' عمر نے اسے بعد میں چڑایا تھا۔ مگر اس بات کے تیسرے دن ہی پرانی پتلون اور گھسی ہوئی شرٹ پہنے مرنجان مرنج ماسٹر ٹونی جلیل گھر کے اندرونی دروازے پر دستک دے رہے تھے۔

''مجھے ڈاکٹر صاحب نے بولا تھا کرن بی بی کو پیانو بجانا سکھانا ہے۔'' خانساماں کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا تھا۔

''وقت تو کم ہے مگر تم ذہین ہو جلد سیکھ لو گی۔'' اگلی صبح ناشتے کی ٹیبل پر ابا نے واحد بات کی تھی۔

اسے پیانو سیکھتے ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ وقت ختم ہو گیا اور ابا نے دنیا چھوڑ دی۔

''تم ذہین ہو، جلد سیکھ لو گی۔'' گھر سے نکلنے سے پہلے کرن کو لگا گھر کی ہر دیوار، ہر درخت، ہر پتہ بلند آواز میں یہی بات کہہ رہا تھا۔ وہ ذہین تھی جلد سیکھ سکتی تھی، مگر وقت ختم ہو چکا تھا۔



''اس کا نام کرن شہزاد ہے یار!'' طلحہ نے اپنے بیڈ پر آڑے ترچھے لیٹے داؤد کو بتایا۔

''کوئی نئی بات یاد کر یار کچھ نیا بتاؤ۔'' داؤد نے بے زاری سے کہا۔

''اس کے والد ایک معروف ماہر چشم تھے۔'' طلحہ نے اپنے معلومات کے تھیلے سے دوسری بات نکالی۔

''اس کی والدہ ایک گھریلو خاتون تھیں۔''

''تھے، تھیں۔'' داؤد اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''افسوس کی بات ہے مگر حقیقت یہ ہے۔'' طلحہ نے اس کے چہرے کے تاثرات کو جانچنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اور......'' داؤد نے اس کی طرف دیکھا۔

''اور وہ اپنے دادا دادی کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کی ایک بڑی بہن اور ایک بڑا بھائی ہے وہ بہت کم آمیز ہے۔ اس کی سرگرمیاں عجیب ہی ہیں وہ ایسے لوگوں سے ملتی ہے اور مل کر خوش ہوتی ہے جن سے ملنے سے اکثر لوگ اجتناب کرتے ہیں۔''

''وہ بہت ذہین ہے اور بے حد پر اعتماد ہے۔''

''اس کے دوستوں کا حلقہ بہت محدود ہے۔ اسی لیے اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا مشکل ہے۔'' طلحہ نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔

''ہوں۔'' ساری باتیں سننے کے بعد داؤد چند لمحوں بعد کسی اور موضوع پر بات کرنے لگا۔ طلحہ کو حیرت تھی کہ اس کی ان معلومات پر کوئی تبصرہ کیوں نہیں کیا تھا۔ اس نے مزید کوئی سوال کیوں نہیں کیا تھا۔ پھر اس نے اپنے ذہن سے اس سوال کو جھٹک دیا۔ داؤد ایسا ہی تھا۔ وہ شدت پسند تھا۔ کبھی جس بات کا شدت سے ذکر کرتا اسی بات کو آئندہ چند گھنٹوں میں بھول بھی چکا ہوتا یقیناً یہ بھی ایسی ہی کوئی بات تھی۔

مگر طلحہ کو اندازہ نہیں ہوا کہ اس روز داؤد نے دانستہ طور پر موضوع گفتگو بدل دیا تھا۔ اسے اس سے بس اتنی ہی معلومات چاہیے تھیں، اس سے آگے اس کو خود جاننا تھا۔ وہ ایک ایسی لڑکی میں دلچسپی لینے لگا تھا جو اسے بہت سے لوگوں سے مختلف اور منفرد لگی تھی۔ اس لڑکی میں کچھ ایسا تھا جس نے اس جیسے لاپروا اور انا پسند شخص کو اپنی جانب بری طرح متوجہ کرلیا تھا۔



''ارے کتنے سارے شوق ایسے ہوتے ہیں جنہیں پورا کرنے کو بہت دل چاہتا ہے، مگر ہم پورا کر نہیں پاتے۔'' کرن نے اخبار کا کلچرل صفحہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہزاروں خواہشیں ایسی......'' تحریم نے کمپیوٹر سکرین پر سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

''ویسے یہ کونسی خواہش ہے۔ جو اچانک پیدا ہوگئی۔'' پھر اس نے کرن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ دیکھو چتر کار والے ڈانس کلاسز شروع کر رہے ہیں۔'' اس نے اخبار تحریم کی نظروں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''تو؟'' تحریم نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''تو یہ کہ ڈانس سیکھنے کو جس کا دل چاہے وہ کیا کرے؟'' اس نے دوبارہ سے اخبار پر نظر جمالی۔

''تمہیں ڈانس سیکھنے کا شوق ہے؟'' تحریم جی بھر کے حیران ہوئی۔

''وہ رقص نہیں جو ہماری فلمی یا سٹیج کی اداکارائیں کرتی ہیں۔'' کرن نے منہ بنایا۔ ''میں کلاسیکل رقص کی بات کر رہی ہوں۔''

''واہ کیا بات ہے اس رقص میں، انسان ہواؤں میں اڑتا ہے، جنگلوں میں گھومتا ہے، پانیوں پر چلتا ہے، رنگوں سے کھیلتا ہے، موسیقی کی لہروں پر حرکت کرتا ہے، سب کچھ اعضاء کی حرکت اور آنکھوں کی جنبش کے ذریعے اف یار! اس کائنات میں سر ہے اور ردھم ہے، ردھم ہی ردھم ہے۔'' کرن کسی اور ہی دنیا میں کھوگئی۔

''دادا جان اور دادی حضور کے سامنے اپنی اس خواہش کو درخواست بنا کر پیش کرو خاتون پچاس ہزار

روپے بھر و فیس کے نام پر اور پھر یک دن رقص ایک دن آئے گا جب تم بھی پانیوں پر چلو گی، رنگوں سے کھیلو گی اور پانی کی لہروں پر حرکت کرنے لگو گی۔'' تحریم نے چبا چبا کر کہا۔

''اف۔'' کرن کو جھرجھری آ گئی۔ ''دادا اور دادی سے درخواست، پچاس ہزار روپے تم نے مجھے گھر سے نکلوانا ہے کیا؟''

''تو پھر ٹھنڈے ٹھنڈے اخبار لپیٹ کر واپس ریک پر رکھ دو، اور خواہشات کی دنیا سے واپس آ جاؤ عملی دنیا میں بہت کام کرنا ہے ابھی اگلی اسائنمنٹ کے لیے اور تمہاری تو پریزینٹیشن بھی سر پر ہے، کام کی بات کرو کام کی۔'' تحریم نے اس کے خوابوں کی دنیا کو درہم برہم کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھو ایک دن ہی سہی مگر چلیں گے ضرور، یہ کلاس دیکھنے'' کرن نے ایک سعی اور کی۔ ''تمہاری کزن وہیں ہوتی ہے ناچتر کار میں، اس سے بولو ایک بار کلاس دیکھ لینے کی اجازت لے دے۔''

''ناہید صدیقی کا کنسرٹ کیوں نہیں دیکھ لیتیں تم، میرا خیال ہے اسی ماہ کے آخر میں ہے کلچرل کمپلیکس میں۔'' تحریم نے کمپیوٹر بند کرتے ہوئے کہا۔

''ارے یہ اور بھی اچھا ہے ضرور چلیں گے۔'' وہ خوش ہو گئی۔

''یار کرن! تمہاری دلچسپیوں کے دائرے بڑے حیران کن سے ہیں۔'' تحریم نے اس کے چہرے پر پھیلی بچوں کی سی خوشی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مثلاً'' کرن نے اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''تم مشاعروں، محافل موسیقی یعنی غزل کی محفل اور رقص کے پروگراموں میں ایسے دلچسپی رکھتی ہو، جیسے ساٹھ یا ستر کی دہائی کے لوگ ان چیزوں میں رکھتے تھے، دیکھو زمانہ کتنی تیزی سے آگے بڑھا ہے، محافل موسیقی کی جگہ موزیکل کنسرٹس نے لے لی ہے، مشاعرے تقریباً متروک ہو گئے، ادب کی تمام اصناف اور اظہار بدل گئے، پرانی غزلوں، نغموں کے ری مکس بننے لگے، تمہیں کیا خاک ملتا ہو گا ایسی جگہوں کی خواری میں۔''

''میں ماضی پرست ہوں بہت زیادہ۔ اتنا تو تمہیں اندازہ ہے نا تحریم!'' کرن نے بغیر برا مانے کہا۔ ''جہاں بھی جیسے بھی مجھے کوئی ایسی چیز یا شخص نظر آتا ہے جو مجھے پرانی روایتوں کا ذرا سا بھی عکس لیے ہوئے محسوس ہو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ مجھے نئی نئی قدریں، روایتیں اور اس انتہا کی جدت پسندی سے الجھن محسوس ہوتی ہے، میں کیا کروں میں اس سلسلے میں بے بس ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''چتر کار، ناہید صدیقی، کلاسیکل رقص۔'' لائبریری کے دوسرے کونے میں بیٹھا طلحہ اس درجہ خاموشی میں سرگرشیوں میں کی گئی اس گفتگو کو کان لگا کر سن رہا تھا، اور ان مشکل نکات کو ذہن نشین کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا جن کے بارے میں اسے سو فیصد یقین تھا کہ وہ اسے بھول جائیں گی۔

☆

داؤد توقع کے خلاف خاموشی سے بورڈنگ کالج میں چلا گیا تھا۔ کالج کا داخلہ ٹیسٹ اس نے نمایاں نمبروں سے پاس کرلیا تھا۔ شیریں کو اس کی شرافت اور خاموشی پر جہاں اطمینان بھی تھا، وہاں گھر میں اس کے نہ ہونے پر انتہائی بے چینی بھی ہوتی تھی۔ وہ ہردم اس کے تصور میں کھوئی رہتیں۔

ان کے باقی بچے گھر اور ماما کی ساری ساری لطافتوں سے فیض حاصل کر رہے تھے اور وہ میلوں دور تنہا ایک ایسی جگہ رہ رہا ہے۔ جہاں کی فضاؤں سے مانوس ہوتے ہوتے بھی لمبا عرصہ لگ جاتا تھا۔ شروع کے عرصے میں انہیں اس سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ پھر کبھی کبھار وہ اس سے ملنے چلے جاتے۔ کبھی ہفتہ واری تعطیل اور کبھی کبھار اس سے زیادہ چھٹیوں پر بچوں کو گھر آنے کی اجازت ملتی، شیریں نے محسوس کیا کہ داؤد ایسی مختصر تعطیلات پر گھر آنے سے گریز کرنے لگا تھا۔ ان کی خواہش ہوتی کہ وہ گھر آئے اور ان سے اپنے ناز اٹھوائے مگر ایک دو بار کے بعد داؤد نے مختصر تعطیل پر گھر آنے سے ہمیشہ انکار کر دیا تھا اگر اس کا بس چلتا تو شاید وہ لمبی تعطیلات پر بھی گھر نہ آتا، مگر ایسی تعطیلات میں ہوسٹل اور میس دونوں بند ہو جاتے تھے اور وہ ایسا کر نہیں پاتا تھا۔ گھر سے گریز اور دوری داؤد کے اندر ابھرنے والی دو نئی کیفیات تھیں، شیریں کو اس صورتحال نے ایک مستقل پچھتاوے میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان کا وہ بیٹا جس کے مزاج کو بہت آغاز میں سمجھ لینے کے بعد اس کی پرورش ایک الگ ڈھنگ سے کرنے کا عہد کیا تھا ان کی کمزوری کی وجہ سے ان سے اور اپنے بہن بھائیوں سے ذہنی طور پر ہمیشہ کے لیے دور ہو گیا تھا۔



''ہم انسانوں کی تلاش میں رہتے ہیں یا چہروں کی؟'' داؤد نے اپنے سامنے کے منظر کو دیکھتے ہوئے خود سے پوچھا۔

''شاید دونوں کی۔'' پھر اُس نے خود ہی جواب دیا۔ یہ دوسرا موقع تھا جب کرن شہزاد اسے اچانک نظر آئی تھی اور اس بار بھی وہ جہاں نظر آئی تھی، وہ جگہ ایسی تھی جہاں اس کا نظر آنا حیرت کا باعث تھا۔ وہ پرانی انارکلی کے ایک ایسے فٹ پاتھ پر بیٹھی تھی، جہاں سیکنڈ ہینڈ کتابیں سجی تھیں۔ جس شخص کی کتابوں کے قریب وہ بیٹھی تھی وہ ایک معمر شخص تھا، وہ مسلسل اس کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھی، اس کے قریب سفید کاغذ، سفید گوند اور کالے رنگ کا موٹا مارکر رکھا تھا، اس کے ہاتھ میں قینچی تھی اور وہ گفتگو کے دوران چند ایسی کتابوں پر کاغذ چڑھا رہی تھی، جس کے سرورق غائب تھے۔ داؤد نے دوسرے فٹ پاتھ پر بیٹھے یہ دلچسپ منظر غور سے دیکھا۔ ایسی پھٹی پرانی کتابوں پر کور چڑھانے کے بعد وہ مارکر سے ان پر کچھ لکھتی غالباً کتاب کا نام یا مصنف کا نام اور کتب فروش کے آگے رکھ دیتی۔ تقریباً سولہ سترہ ایسی کتابوں پر کور چھڑانے کے بعد اس نے کور چڑھانے کا سامان اٹھا کر اپنے بیگ میں رکھا اور کھڑی ہوگئی وہ کتب فروش سے کچھ کہہ رہی تھی، جواب میں بوڑھے کتب فروش نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر غالباً اسے کوئی دعا دی۔ وہ مسکرائی اور آگے چلتی ہوئی بھیڑ کا حصہ بن گئی۔

داؤد نے اس روز وہ سولہ سترہ کتابیں بغیر نام پڑھے کتب فروش سے خرید لی تھیں اور کتب بینی کی زبوں حالی پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بوڑھے کتب فروش سے بہت سی معلومات بھی حاصل کر لی تھیں۔

''یہ بی بی کوئی نیک فرشتہ ہے، جو انسان کے روپ میں اس دنیا میں آ گئی۔'' بوڑھے کتب فروش نے کہا تھا۔

''میرا نام سراج دین ولد عبدالحق ہے۔ میں نے پچیس سال پاک ٹی ہاؤس میں بطور ویٹر نوکری کی اور اس نوکری نے کتاب اور کتاب لکھنے والے کی محبت میرے دل میں ڈال دی۔ میرے پاس ایسی نایاب کتب موجود ہیں جن پر اپنے زمانے کے بڑے نامور ادیبوں اور شاعروں کے دستخط موجود ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو ان لوگوں نے پاک ٹی ہاؤس کی نوکری کے دوران میری کتاب سے محبت کو دیکھتے ہوئے مجھے تحفتاً عطا کیں۔ اب میں کسی نوکری کے قابل نہیں رہا، میرا مختصر اثاثہ میری کتابیں ہیں پرانی کتابوں کی لاٹ خرید کر اس فٹ پاتھ پر بیٹھ جاتا ہوں اور خریداروں کا انتظار کرتا ہوں۔ کتاب پڑھنے خصوصاً پرانی کتاب پڑھنے والوں کی تعداد میں دن بہ دن کمی ہو رہی ہے۔ کسی زمانے میں طالب علم اپنی پڑھائی کے سلسلے میں نہ ملنے والا مواد ڈھونڈنے ہم جیسوں کے فٹ پاتھوں کا رخ کرتے تھے مگر اب کمپیوٹر نے ان کی ساری پریشانیاں دور کر دیں۔ ہم یہاں بیٹھ کر انتظار کرنے اور مکھیاں اُڑانے میں مشغول ہوئے۔ یہ واحد بی بی ہے جو مستقل آتی ہے، کتابیں اٹھاتی ہے محبت سے خریدتی ہے۔ مجھ غریب کی مدد کرتی ہے۔ میری پھٹی پرانی کتابوں پر کور چڑھاتی ہے، ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کے نام جانتی ہے اور سرورق سجا دیتی ہے۔ میں خون کے کینسر کا مریض ہوں، میرے ایک بچے کی پڑھائی کا خرچ اس نے اٹھا رکھا ہے وہ کم ہے یا زیادہ ہمارے لیے بڑی دولت سے کم نہیں، یہ خرچ پورا کرنے کے لیے خود اپنے اخراجات میں کہاں کہاں کٹوتی کرتی ہے معلوم نہیں۔ شوکت خانم والے علاج کے لیے زکوٰۃ کارڈ مانگتے ہیں وہ بھی اسی نے مجھے بنوا کر دیا وہاں کھڑی ہو کر انتظامیہ سے میرے لیے بحث بھی کرتی ہے اور مجھے سہولت دلوانے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ اس مگن دنیا میں یہ نیک فرشتہ نجانے کیسے انسان کے روپ میں یہاں آ گیا۔ میں قدرت کے کرشموں پر حیران ہوتا ہوں اور قائل بھی۔''

''ہم چہروں یا انسانوں کی تلاش میں نہیں رہتے۔'' واپسی کے دوران گاڑی چلاتے ہوئے داؤد نے اپنے جواب کی تصحیح کی۔ ''چہرے اور انسان تو ہمہ دم ہمارے اردگرد رہتے ہیں، ہم دراصل کسی خاص چہرے اور کسی خاص انسان کی تلاش میں رہتے ہیں، وہ انسان، اور وہ چہرہ جو ہماری مختصر زندگی کا مقصد بن جاتا ہے اور آج میری سمجھ میں آیا ہے کہ میں تمہارے چہرے اور تمہاری شخصیت کی تلاش میں کیوں رہتا ہوں۔'' اس نے کرن شہزاد کا تصور کرتے ہوئے سوچا۔

تم میں ایسی بہت سی خصوصیات موجود ہیں، جن کی وجہ سے تمہیں کوئی اپنا مقصد حیات مان لے اور میرا خیال ہے کہ میں تمہارے لیے ایسا ہی سوچتا ہوں۔'' اس نے فیصلہ دیا۔ داؤد سلیمان کو اپنے تنہائی پسند مزاج

سے خود بھی ایسی توقع نہیں تھی کہ وہ کسی کو یوں خود بھی نقب لگانے کی اجازت دے گا۔



دادا دادی نے اپنی عمر اور ہمت سے بڑھ کر حوصلے کا ثبوت دیا تھا۔ دادی ایک تربیت گاہ تو پہلے سے ہی بن چکی تھیں، اب بچیوں کی مکمل ذمہ داری ان کے سر پر تھی۔

''ہم اب بہت چھوٹے تو ہیں نہیں۔'' سارہ، کرن کو اکثر سمجھاتی۔

''یہ دادا دادی کی مہربانی ہے کہ انہوں نے ہمیں اس گھر کی چھت تلے اکٹھے بٹھا دیا، ورنہ ہم الگ الگ ہو چکے ہوتے اور شاید کبھی سگے بہن بھائیوں کی طرح نہ رہ پاتے اب ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی ضرورتوں کو محدود کرلیں اور پڑھائی پہ توجہ دیں۔ ہمیں اس لیے نہیں پڑھنا کہ سب لوگ پڑھتے ہیں۔ ہمیں اس لیے پڑھنا ہے کہ ہم نے پڑھ کر اپنے جینے کا سامان کرنا ہے، دادا دادی زیادہ دیر ہماری مالی ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتے۔''

سارہ جو بہت پہلے اپنی عمر سے بہت بڑی ہو چکی تھی۔ اب تک زندگی کے بہت سے نشیب و فراز کو سمجھ چکی تھی۔

کرن کا حال البتہ مختلف تھا، وہ ان دونوں سے چھوٹی تھی اور سب سے چھوٹے جتنے بھی بڑے ہو جائیں، چھوٹے ہی رہتے ہیں۔ زندگی کے معاملات میں اس کا مشاہدہ اگرچہ سارہ سے بہتر تھا اور گزرتے حالات کو اس نے شاید سارہ سے بھی زیادہ محسوس کیا تھا مگر وہ اپنی ان فنٹیاسی سے چھٹکارا نہ پا سکی تھی جو بچپن سے اس کے ساتھ تھیں۔ اسے حقیقت کی دنیا سے زیادہ تصوراتی دنیا میں رہنے میں مزا آتا تھا اور اس نے اس تصوراتی دنیا سے باہر نکلنے کی کبھی کوشش نہ کی تھی۔

دادی نے بہت دنیا دیکھ رکھی تھی، وہ سکول میں بچیوں کو پڑھاتی تھیں، انہیں بچیوں پر سے گزرنے والی ہر عمر کے مشاہدے کا تجربہ تھا۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ کرن کی شخصیت کا ایک رنگ ایسا تھا جو اس کی عمر کی دوسری لڑکیوں سے بالکل مختلف تھا، ان دونوں کی تربیت کے بارے میں ان کے اصول اب بھی نہ بدلے تھے۔ ان ہی اصولوں کی بدولت ان دونوں کی دوستیاں مختصر اور محدود تھیں۔ وہ گھریلو امور سے واقف تھیں، گھرداری کے ہر پہلو پر دونوں نے عبور حاصل کر رکھا تھا۔ ان کی ہر طویل تعطیلات کوئی نہ کوئی ہنر سیکھنے میں گزر جاتیں۔ سلائی، کشیدہ کاری، خانہ داری...... دادی ہر تعطیلات میں انہیں کسی کورس میں داخلہ دلوا دیتیں۔

''میں نے تمہارے بچوں کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا، لہٰذا تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔'' دادی مختصر جواب دیتیں۔

یوں وہ دونوں سلیقہ مند بچیاں بنتی گئیں۔ ''ہاں وقت کا کوئی نہ کوئی مصرف ضرور ہونا چاہیے۔ فرصت سو مصیبتوں کی جڑ ہے۔'' یہ دادی کا نقطۂ نظر تھا۔



سارہ نے بی اے کرلیا اور دادی کو جوڑوں کے موذی مرض نے آلیا۔ وہ تعلیم کو خیر باد کہہ کر

دادی اور گھر کو سنبھالنے میں مشغول ہوتی۔ کرن پڑھائی میں مصروف اور عمر کو ایف ایس سی کے بعد فوج میں کمیشن مل گیا۔

''تم پیسوں کا کرتی کیا ہو؟ تمہارے پاس پیسے اتنے جلدی کیوں ختم ہو جاتے ہیں۔'' کرن کے کالج کے دوران میں سارہ نے اس کے اندر یہ نئی تبدیلی محسوس کر کے زچ ہوتے ہوئے کئی بار پوچھا۔

''پیسے خرچ ہو جانے کے لیے ہوتے ہیں خرچ ہو جاتے ہیں۔'' وہ لاپروائی سے جواب دیتی۔ختم ہو جائیں تو دوبارہ کبھی مانگے ہیں میں نے۔''

''اور وہ جو باقی مہینہ ترس ترس کر گزارتی ہو۔'' سارہ یاد دلاتی۔

''تو کیا ہوا گزر ہی جاتا ہے نا۔ترس ترس کر گزارنے کا رونا رویا کبھی میں نے۔'' اس کے لہجے میں کمال بے نیازی ہوتی۔

''اور تم کالج سے لیٹ کیوں واپس آتی ہو؟'' سارہ تفتیشی موڈ میں آجاتی۔

''میں کتابیں ڈھونڈنے چلی جاتی ہوں، کبھی لارنس گارڈن میں بیٹھی رہتی ہوں اور کبھی برنی گارڈنز۔'' وہ صاف گوئی سے جواب دیتی۔

''یہ کیا طریقہ ہوا۔دادا کو معلوم ہو گیا تو پتہ چلے گا۔'' سارہ جانتے ہوئے بھی ناراض ہوتی۔

''دادا کو علم ہے، میں انہیں ہر بات بتاتی ہوں، میں ان سے کچھ نہیں چھپاتی۔'' اس کے لہجے میں بے نیازی ہوتی۔

''دادا نے تمہیں خوب کھلی چھٹی دے رکھی ہے، یہ غلط بات ہے۔'' سارہ کو اس کی بے نیازی از حد کھلتی تھی۔

''انہیں مجھ پر اعتماد ہے اس لیے۔'' وہ اسی اطمینان کے ساتھ جواب دیتی۔

''یہ بھی درویش صفت ہے۔'' دادا کبھی کبھار اس کے بارے میں رائے دیتے۔''بے نیاز، مگن اور مطمئن۔ اسے دنیا کے سیاہ و سفید سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔سو میں سے دس لوگ ایسے ہوتے ہیں اس دنیا میں، بلکہ دس بھی شاید زیادہ بتا دیئے میں نے، بے ریا، صاف گو، لالچ سے ماورا، نیک نیت اور کھرے۔''

''سب ٹھیک ہے مگر بیٹی ہے، بیٹیوں میں یہ صفات ان کے لیے مشکلات کو جنم دیتی ہیں۔'' دادی خوب جانتے ہوئے بھی خدشے کا اظہار کرتیں۔

''ارے کچھ نہیں ہوتا۔اسے گزارنے دو اپنے ڈھنگ سے زندگی۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا مستقبل بہت خوبصورت ہوگا۔''

''آج کل تصنع اور ریا کا دور ہے اور اس میں یہ دونوں چیزیں ہی نہیں ہیں۔آج کل کے لڑکے جو کچھ چاہتے ہیں بیویوں میں، یہ ان سے عاری ہے، بہت مشکل ہو جائے گی۔میرا خیال تھا کہ میں بہزاد سے

بات کروں گی اسفند کے لیے، مگر میں نے دیکھا ہے اسفند کا معیار بالکل مختلف ہے، وہ اس کا تمسخر اڑاتا ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے کسی سے بات کرنے کی۔'' دادا نے سختی سے جواب دیا۔ ''کرن کے لیے کسی کی منتیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تم سارہ کی فکر کرو۔ فرقان کا رزلٹ آنے والا ہے میں نے شہزاد کو رضامندی دے دی ہے۔ فرقان کے رزلٹ کے بعد بات پکی کر دیں گے کرن ابھی بہت کم عمر ہے اس کے لیے سوچنے کو بہت وقت پڑا ہے۔''

کرن اپنی اسی دنیا میں مگن تھی جس میں بہت سال پہلے سسٹر این نے اسے ڈالا تھا۔

''چلو آسمان پر بکھرے ستاروں میں اپنا اپنا ستارہ ڈھونڈتے ہیں۔'' کبھی کبھی رات کو کمرے کی لائٹ بند کر دینے کے بعد وہ بیڈ کے سامنے والی کھڑکی سے باہر دور تک پھیلے نظر آتے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے سارہ سے کہتی۔

''وہ میرا ستارہ۔'' سارہ بہت سے روشن اور سب سے واضح ستارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی۔

''اور میرا ستارہ وہ۔'' وہ کسی ایک ستارے کی طرف اشارہ کرتی۔

''ارے کرن! تمہارا ستارہ یا تو گم ہو گیا یا پھر شاید ٹوٹ گیا۔'' کچھ دیر بعد جب وہ اپنے ستارے کی جگہ کے بارے میں بھول چکی ہوتی، سارہ اسے متوجہ کر کے یاد دلاتی۔ وہ چونک کر آسمان کی طرف دیکھتی۔

''ارے میرا ستارہ کہاں گیا؟'' تاحدِ نگاہ بکھرے ستاروں میں اسے کبھی یاد نہ آتا کہ اس نے کس کو اپنا کہا تھا۔ ''وہ گم ہو گیا یا ٹوٹ گیا۔'' اس کے لہجے میں مایوسی جھلکنے لگتی۔

''اور تمہارا ستارہ؟'' پھر وہ سارہ سے پوچھتی۔

''میرا ستارہ وہ۔'' سب سے روشن اور واضح ستارہ سامنے چمک رہا ہوتا۔

''تم ہمیشہ ایسے کرتی ہو۔'' وہ جھنجلا کر کہتی۔ ''پہلے سے ایسے ستارے پر قبضہ کر لیتی ہو جو سب سے الگ ہوتا ہے۔''

''ہاں تو میرا ستارہ تو ہے ہی سب سے الگ۔'' سارہ کے لہجے میں شرارت ہوتی۔ ''فرقان کو دیکھا ہے ناتم نے کتنا الگ، کتنا منفرد ہے وہ۔''

''ارے اتنے تو کالے ہیں۔'' وہ فرقان کی گندمی رنگت پر تبصرہ کرتی۔ ''وہ ستارے جیسے روشن کیسے ہو گئے۔''

''وہ بہت منفرد اور اچھا ہے جناب!'' سارہ چڑ کر کہتی۔ ''دیکھوں گی جب تمہیں کوئی پرنس چارمنگ مل جائے گا۔ اسفند تو مانے گا نہیں، اسے تو چہکتی، مسکراتی کھلکھلاتی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں، اور تم ٹھہریں خلیل جبران کی بھانجی وہ تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔''

''ارے تو اس سے کر کون رہا ہے شادی۔'' وہ لاپروائی سے جواب دیتی ''میرا ستارہ بھی اس آسمان پر

کہیں نہ کہیں ضرور ہو گا اور ایک روز خود سے میری نظروں کے سامنے آ کر کہے گا نہ تو میں گم ہو گیا تھا نہ ہی ٹوٹا تھا۔ میں تو بس اپنے وقت کا انتظار کر رہا تھا۔''

''افوہ، خوش فہمی۔'' سارہ اسے چڑاتی۔

''خوش فہمی ہی سہی۔'' وہ مسکراتی۔ ''خوش فہمیوں میں مبتلا رہ کر وقت اچھا گزر جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔''

''اچھا اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو جائے۔'' سارہ پر ازلی ممتاز غالب آ جاتی اور وہ دل ہی دل میں دعا کرتی۔



''میں آپ سے کہہ چکا ہوں مجھے فوج میں نہیں جانا۔'' داؤد نے ایف ایس سی کا رزلٹ آنے کے بعد شیریں کو ایک بار پھر یاد دلایا۔ ''اب مجھے ایسا کوئی کام نہیں کرنا جو ابو نے میرے لیے سوچا ہو، اگر اپنی مرضی مجھ پر ایک مرتبہ پھر ٹھونسی گئی تو میں گھر تو کیا دنیا ہی چھوڑ دوں گا۔''

''فوج میں نہیں جانا تو کیا کرنا ہے؟'' ان دونوں کو ہی علم نہیں تھا کہ سلمان ان کے عقب میں کھڑے یہ بات سن رہے تھے۔ شیریں کا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔

کئی برسوں بعد باپ بیٹا پھر آمنے سامنے کھڑے تھے اور شیریں پر وہی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

''کچھ بھی کر لوں گا، فوج کے علاوہ بھی بہت سے کیریئر لائنز ہیں جو باعزت بھی ہیں اور روزی کا وسیلہ بھی۔'' داؤد نے ماں کے دل پر چھائی گھبراہٹ کو بھانپتے ہوئے ان کا ہاتھ ہولے سے دباتے ہوئے جواب دیا۔

''میں آئی ایس ایس بی کے لیے فارمز منگوا چکا ہوں۔'' سلمان کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح حرفِ آخر کا سا انداز تھا۔

''اس فارم کو یا تو پھاڑ کر پھینک دیجیے یا پھر سنبھال کر رکھ لیجیے، سعود یا فہد بھائی کے بچوں کے کام آئے گا۔'' داؤد نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''امی میں فنانس جوائن کروں گا، مجھے بی بی اے کرنا ہے۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''میں تمہیں ہرگز سپورٹ نہیں کروں گا، یہ بہت مہنگا کام ہے، میری ریٹائرمنٹ کے بعد میرے مالی حالات اس قابل نہیں کہ میں تمہاری اس سلسلے میں کوئی مدد کروں۔'' سلمان کو بہت جلد ایک ایسا بہانہ سوجھ گیا جو بغیر لمبی بحث میں پڑے داؤد کو سوچنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ ''میرے ہی سلسلے میں ہمیشہ حالات ایب نارمل رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ فکر نہ کریں میں یہ مہنگی تعلیم خود ہی مینج کر لوں گا۔''

''تم یاد رکھو، کچھ بھی اور کتنی بھی کوشش کر لو اپنے بھائیوں کی ہمسری نہ کر سکو گے وہ کمیشنڈ آفیسرز ہیں، آنے والا وقت ان کے لیے ترقی اور عزت لانے والا ہے، تمہارے لیے مشکل ہو جائے گی۔'' سلمان اسے منع

کرنے کے لیے بالواسطہ کوشش کر رہے تھے۔

''ترقی اور عزت صرف فوجی کا مقدر نہیں ہوتی۔ اگر فوج میں ہونا اس بات کی ضمانت ہوتا تو آج آپ یوں مجھے مالی تنگی کا قصہ سنا کر مہنگی تعلیم حاصل کرنے سے منع نہیں کر رہے ہوتے۔ خیر یہ تو طے ہے کہ میں ایک ان چاہی اولاد تھا اور ہمیشہ میرا یہ ہی مقام رہے گا۔ اس لیے میرے کیریئر اور میرے مستقبل کی فکر بھی کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔'' اس نے ایک بار پھر شیریں کو مخاطب کیا۔ ''میں مینجمنٹ سائنسز کے تمام اداروں کا جائزہ لے رہا ہوں۔ مجھے ان ہی میں سے کسی ایک میں جانا ہے پلیز! آپ میرے لیے دعا کیجیے۔ کیونکہ میرے لیے دعا کرنے کے واسطے صرف آپ کے ہاتھ اٹھتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں گزشتہ حالات کی تلخی تھی، شیریں کا دل تڑپنے لگا۔

سلمان صاحب کے کمرے سے باہر نکل جانے پر شیریں نے سکھ کا سانس لیا۔ پچھلے چار پانچ سالوں سے جس متوقع پریشان کن لمحے کے خیال سے وہ اس قدر بے چین اور خوفزدہ رہی تھیں وہ بغیر کوئی طوفان لائے گزر گیا تھا۔

''آپ خوش رہیں، آپ کے جھکے سر کو میری خاطر زندگی میں ایک بار بھی اٹھنا نہیں پڑا۔ وہ مجھے چیلنج کر گئے ہیں، یہ چیلنج میرے لیے بہت اہم ہے مگر اس سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ ہم پر کوئی ایسا وقت نہیں آیا جس میں آپ کی فرمانبرداری اور مامتا ہمیشہ کی طرح کشمکش میں پڑ جاتی۔

شکست تو ہمیشہ کی طرح مامتا کا ہی مقدر بنتی مگر میں زندگی کے واحد ایسے گوشے سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جاتا، جہاں سے ابھی بھی مجھے امید کی کرنیں پھوٹتی نظر آتی ہیں۔''

شیریں کو اس کی بات سے اطمینان ہو گیا، وہ دل میں ان سے ناراض سہی مگر بدگمان تو نہیں تھا۔

اس نے لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز میں داخلہ لے لیا۔ سلمان صاحب کی ریٹائرمنٹ کے بعد وہ لوگ لاہور ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔ سلمان صاحب نے ریٹائرمنٹ کے بعد ملنے والی رقم سے اپنے دوست کے ساتھ مل کر گلاس فیکٹری لگا لی۔ سعود منگلا اور فہد نوشہرہ میں تعینات تھا، روشی نے فرسٹ ایئر میں داخلہ لے لیا، یوں شیریں کا دل اس بات سے خوش رہنے لگا کہ داؤد کسی اور شہر جا کر پڑھنے کے بجائے گھر میں رہ رہا تھا۔ اگرچہ اس کے اور سلمان صاحب کے درمیان بات چیت بالکل بند تھی۔ وہ اپنی پڑھائی کا خرچ کیسے پورا کرتا تھا۔ شیریں نے اس ڈر سے کبھی نہیں پوچھا تھا کہ اس کے کسی سخت محنت طلب کام میں جتے رہنے کا سن کر ان کا دل شاید اپنی دھڑکن نہ بھول جائے۔ مگر وہ خوب جانتی تھیں کہ اپنی انا اور اپنی ضد کو قائم رکھنے اور پورا کرنے کے لیے وہ سر توڑ محنت کر رہا تھا۔ وہ سعود اور فہد سے توقع کرتی تھیں کہ اپنی حیثیت میں وہ مقدور بھر اس کی مدد کریں گے، مگر سعود، داؤد کے سلسلے میں ہمیشہ سے باپ کا طرف دار تھا، البتہ فہد ہمیشہ سے اس سے بہت قریب تھا۔ داؤد کے ماسٹرز کر لینے تک فہد نے اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ یہ چند مزید سال شیریں پر صدیاں

بن کر گزرے تھے۔ وہ داؤد کا تھکا اور ستا ہوا چہرہ دیکھتیں، ان کا دل کٹ کٹ جاتا، گھر میں رزق کی کمی نہیں تھی مگر وہ ذرا ذرا سی ضرورت کے لیے خود اپنی محنت کا محتاج تھا۔ وہ بغیر کسی پیشہ ورانہ تعلیم کے کمپیوٹر سافٹ ویئر بنانے کا ماہر تھا اور اپنی اس مہارت کو اس نے پیسے کمانے کا ذریعہ بنا لیا تھا، وہ بڑی بڑی کمپنیز کے لیے سافٹ ویئر تیار کرتا تھا اور اچھے پیسے کما لیتا تھا۔ اس نے پڑھائی کے لیے قرض حسنہ کی سہولت بھی لے رکھی تھی۔ اس کے اندر لگن تھی اور کچھ کر دکھانے کا عزم، مگر یہ چند سال شیریں کے دل کو مزید کمزور اور دکھی کر گئے تھے۔ داؤد کے ماسٹرز کر لینے تک سعود اور فہد کی شادیاں ہو گئیں، روشی میڈیکل کے چوتھے سال میں پہنچ گئی اور شیریں اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑی دکھائی دینے لگی تھیں۔



''مجھے بھی اقبال کا فارسی کلام بہت پسند ہے۔'' کرن نے اپنے سامنے بیٹھے لڑکے کو کہتے سنا، جو بہت بے تکلفی سے اس سے مخاطب تھا۔ یہ خانہ فرہنگ ایرانی کا لائبریری سیکشن تھا، جہاں بیٹھی وہ منوچہر علی صاحب سے مخاطب تھی اور اقبال کے فارسی کلام پر تبادلۂ خیال کر رہی تھی جب اچانک اس لڑکے نے اسے براہِ راست مخاطب کر کے یہ بات کہی تھی۔ وہ کس وقت یہاں آ کر بیٹھا تھا۔ منوچہر علی سے گفتگو کے دوران اسے ذرا بھی اندازہ نہ ہو سکا تھا، کیونکہ جب وہ یہاں آئی تھی، اس وقت وہ یہاں موجود نہیں تھا۔

''البتہ غالب کے فارسی کلام سے زیادہ مجھے اس کی اردو شاعری زیادہ اپیل کرتی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟''

''ہوں۔'' کرن نے اس غیر متوقع گفتگو پر کرنے کے بعد کہا ''کچھ پڑھا بھی ہے آپ نے فارسی کلام اقبال کا۔''

''کیوں نہیں، اسرار خودی، رموز بے خودی، جاوید نامہ، ارمغان حجاز کس کس کی تعریف کی جائے۔''

''آپ کی پسندیدہ غزل؟'' کرن نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا، یہ چہرہ اسے کہیں دیکھا ہوا لگ رہا تھا۔

''تو شب آفریدی، چراغ آفریدم، واہ کیا خوبصورت کلام ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ کی تعریف؟'' کرن کو خود بھی علم نہیں تھا کہ اس نے بے اختیار یہ سوال کیوں کیا تھا۔

''مجھے داؤد سلمان کہتے ہیں۔''

''بہت کم لوگ اس قسم کے موضوعات پر بات کرتے ہیں آج کل۔'' کرن نے اپنی حیرت کی وجہ بیان کی۔

''بہت کم لوگ؟'' داؤد نے اس کی بات دُہرائی ''جب ہی تو آپ کی اور ان صاحب کی گفتگو نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے آپ کی عمر کی لڑکیوں کو کبھی اس موضوع پر بات کرتے نہیں سنا۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' کرن نے اس کی بات کی نفی کی۔ ''یقیناً ایسے باذوق لوگ موجود ہیں، بس کم کم نظر آتے ہیں۔''

''آپ کیا کرتے ہیں؟'' منوچہر علی نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں ایک بینک میں ٹریژری مینیجر کام کرتا ہوں۔''

''ارے، فنانس اور ادب۔'' منوچہر علی نے بے اختیار کہا۔ ''دو بالکل مختلف میدان ہیں، کیا خیال ہے کرن؟''

''یقیناً۔'' کرن نے میز کی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ ''جیسے مجھے اعتراف ہے کہ مجھے فنانس کی الف ب کا بھی علم نہیں، یہ بڑی بات ہے اور ایسے لوگ یقیناً چونکا دیتے ہیں جن کو انتہائی متضاد موضوعات اور میدانوں پر عبور ہوتا ہے۔''

''یہ کچھ ایسا مشکل نہیں ہے۔'' داؤد نے کہا۔ ''شوق اور ذوق انسان کے دل کی تسکین کا حصہ ہیں اور کیریئر روزی کمانے کا ذریعہ۔ مجھے بہت بچپن سے کتابیں پڑھنے کا شوق تھا اور میں نے تقریباً ہر موضوع پر کتابیں پڑھ ڈالیں۔ ہاں پچھلے چند سالوں کی مصروفیت کی وجہ سے میں کتاب سے دور ہو گیا۔ جب ہی تو کوشش کے باوجود اقبالؒ کے فارسی کلام کے مزید نمونے گوش گزار کرنے سے قاصر ہو رہا ہوں، ورنہ کسی زمانے میں مجھے پوری پوری غزلیں رٹی ہوئی تھیں۔''

''بہت دلچسپ۔'' منوچہر علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ اور بھی اچھی بات ہے کہ نوجوانوں کو غیر ملکی زبانوں میں انگریزی کے علاوہ بھی کسی زبان میں دلچسپی ہے۔ اب مجھے دیکھ لو میں چند سال پہلے تک اپنی مادری زبان فارسی کے علاوہ کوئی زبان نہیں جانتا تھا، پھر نوکری کے سلسلے میں یہاں پاکستان آیا اور اردو سیکھنی پڑی، اس پر میں نے سوچا کہ یہ کام کچھ اتنا مشکل نہیں ہے۔ میں نے محض خود کو آزمانے کی خاطر جرمن لینگویج کورس میں داخلہ لے لیا اور پھر فرنچ بھی سیکھ لی مگر اب میں سوچتا ہوں کہ میں نے زندگی کے کتنے سال بغیر اس سوچ میں پڑے ضائع کر دیئے کہ میرا دماغ کتنا کام کر سکتا ہے، اس میں کسی چیز کو سمجھنے اور سیکھنے کی کتنی طاقت ہے۔ اب عمر کے اس حصے میں، میں سب زبانیں سیکھ بھی لوں تو ان سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔''

داؤد نے اس شخص کو پہلی بار غور سے دیکھا۔ وہ شکل سے ہی ایرانی النسل لگ رہا تھا اور تقریباً پچاس پچپن کے پیٹے میں تھا۔ غالباً وہ اس ادارے میں کسی اہم عہدے پر کام کر رہا تھا۔

''باہر اندھیرا پھیل رہا ہے سر! اب میں چلوں گی۔'' کرن نے اٹھتے ہوئے کہا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی۔

''میری زندگی کا سب سے خوشگوار تجربہ اس لڑکی سے ملاقات ہے۔'' کرن کے چلے جانے کے بعد

منوچہر علی نے داؤد کو دوبارہ مخاطب کیا۔ ''یہ لڑکی بظاہر بہت سادہ اور عام سی لڑکی ہے مگر اس کی فطرت بہت خاص اور خالص ہے۔'' داؤد بہت دھیان سے ان کی بات سن رہا تھا۔

''یہ یہاں بنیادی کورس کر رہی تھی۔ جب یہ یہاں آئی، میں ایک صحت مند زندگی گزار رہا تھا، اِن ہی دنوں مجھ پر فالج کا حملہ ہو گیا اور یہ میرا دایاں حصہ متاثر ہوا۔'' انہوں نے اپنا دایاں بازو اٹھا کر داؤد کو دکھایا۔ اب تک ان کا یہ ہاتھ میز سے نیچے ان کی گود میں رکھا تھا، اس لیے داؤد اس چیز کا اندازہ نہیں کر سکا۔ ''میں مختلف ماہانہ میگزینز کے لیے موضوعات کے لحاظ سے اسکیچ بناتا تھا، جس سے مجھے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ مگر فالج کے اس حملے کے بعد اگرچہ میں اپنا یہاں کا کام ٹھیک طرح کرنے کے قابل ہو گیا مگر پنسل پر میری انگلیوں کی گرفت نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ کرن کو اس بات کا علم ہوا تو یہ بغیر مجھے کچھ بتائے اس ماہ کا میٹریل مجھ سے لے گئی اور اس وقت سے آج تک یہ میرے لیے ٹھیک پندرہ تاریخ تک سب اسکیچ بنا کر لے آتی ہے اور وہ اسکیچ میرے دستخطوں کے ساتھ مختلف رسالوں میں شائع ہوتے ہیں۔ نہ یہ مجھے اس موضوع پر بات کرنے دیتی ہے نا مجھ میں بات کرنے کی ہمت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی خاموش مالی امداد ہے کہ جس کا تذکرہ کیا بھی جائے تو کسی دوسرے کو شاید یقین نہ آئے، مگر میں جانتا ہوں میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔'' ان کی آواز بھرانے لگی۔

''یہ بہت اچھی آرٹسٹ ہے، اس کی ڈرائنگ اور اسکیچنگ زبردست ہے، معلوم نہیں اس نے فائن آرٹس کیوں نہیں پڑھا، یہ صحافی بننے جا رہی ہے اور یہ اتنی ذہین ہے کہ جس بھی میدان میں قدم رکھے گی، بہت کامیابی حاصل کرے گی بہت زیادہ۔ ایسے خاص اور خالص لوگوں کی مدد ایک انجانی طاقت کرتی ہے جس کو ڈیفائن کرنا مشکل ہے۔''

داؤد محویت سے یہ گفتگو سن رہا تھا اور اس کے دل کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی تھی۔ منوچہر علی سے رخصت ہونے کے بعد باہر نکل کر وہ کتنی دیر سڑک کے کنارے کھڑا رہا۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ادھر کیوں آیا تھا۔ ادھر آنے سے پہلے کبھی اسے وہم آ سکتا تھا کہ یہاں اسے وہ چہرہ نظر آ جائے گا، جسے کچھ دن پہلے وہ مقصدِ حیات قرار دے چکا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ ادھر آنے کا بہانہ کچھ بھی ہو، یہاں آیا وہ صرف اس لیے تھا کہ یہاں وہ لڑکی موجود تھی جو یقیناً بہت مختلف بہت نایاب تھی۔ اسے منوچہر علی کی گفتگو یاد آئی اور پھر اچانک اسے چند سال پہلے دیکھی ایک فلم اینجل ان دی ٹاؤن یاد آنے لگی۔ ایک فرشتہ جو انسان کے روپ میں دنیا میں آ گیا۔

''کیا تم بھی ایک Fallen Angel ہو؟'' اس نے تصور ہی تصور میں کرن شہزاد کو مخاطب کیا۔ ''تم جو بھی ہو یقیناً میرے لیے مقصدِ حیات بن چکی ہو، مگر کیا میں اس قابل ہوں کہ کبھی تمہیں پا سکوں، کیا میں تم جیسی خالص اور خاص لڑکی کا معیار ہو سکتا ہوں۔'' اس رات یہ ایک سوال داؤد کے ذہن میں بار بار آتا رہا مگر نہ

اس کا دل نہ ہی دماغ اس سوال کا جواب دے پایا تھا۔

☆

وہ سارہ کی مہندی کی رات تھی، جب گھر میں ہنگامہ اور شور تھا۔ اپنی عادت کے خلاف کرن ان شور اور ہنگامے کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ وہ سب چہرے جن سے وہ ہمیشہ نظر چرانا چاہتی تھی اس تقریب میں موجود تھے مگر وہ اس کی اس پیاری بہن کا دن تھا جس نے دم دم، پل پل اس کے نخرے اٹھائے تھے جو ماں نہیں تھی مگر ماں جیسی بن گئی تھی۔ جس نے اپنے کردار اور مزاج کو اس کے لیے قابلِ تقلید نمونہ بنایا تھا۔ جو ہمیشہ خود اپنی مثال دے کر اسے سیدھی سمت میں چلنے کا راستہ دکھاتی رہی تھی۔ وہ اپنی بہن کی خوشی کے دن پر بہت خوش تھی۔ اس نے اپنے اندر کی پرانی تلخیوں کو کچھ وقت کے لیے اندر ہی اندر سلا دیا تھا، تقریب کے بعد جب وہ سارہ کے ساتھ والے بیڈ پر لیٹی تو اسے خیال آیا کہ آنے والے کل یہ وجود اس کمرے میں موجود نہیں ہوگا۔ برسوں کا ساتھ چھوٹ رہا تھا پہلی بار اس نے جدائی کی اس تلخ حقیقت کو محسوس کیا اور اس کا دل بھر آیا۔ اسے محسوس ہوا مہندی اور ابٹن کی خوشبو میں بسی سارہ بھی رو رہی تھی۔ اس نے ٹیبل لیمپ جلایا سارہ کی آنکھیں اور ناک سرخ ہو رہا تھا۔

''روشنی بند کر دو۔ اندھیرے میں باتیں کرتے ہیں۔'' سارہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ کرن نے روشنی بند کر دی۔

''کرن تمہارا ستارہ کہاں ہے؟'' کچھ دیر بعد اندھیرے میں سارہ کی گھٹی گھٹی آواز ابھری۔ کرن نے چونک کر اس کی طرف گردن موڑی۔ کھڑکی سے اندر آتی ہلکی چاندنی میں اس کا چہرہ غیر واضح نظر آ رہا تھا۔

''تم اپنا ستارا، تو دیکھ لو۔'' اس نے یہ دیکھ کر کہ اسے سب سے روشن ستارے پر قبضہ جمانا بھول گیا تھا، خود اس سے پوچھا۔

''میرا ستارا مجھے مل گیا کرن! اب سارا آسمان تمہارا ہے، تم جس کو چاہو اپنا لو سب ستارے تمہارے ہیں۔''

کرن نے بے اختیار کھڑکی سے نظر آتے آسمان پر نظریں جما دیں۔ ایک بہت روشن ستارا قدرے ٹمٹماتے ستاروں کے جھرمٹ میں سامنے نظر آ رہا تھا۔

''میرا ستارا ستاروں کے جھرمٹ میں چمک رہا ہے سارہ! اس کے سامنے سب غیر اہم اور غیر نمایاں ہیں۔'' اس نے کہا۔

''مجھے علم ہے کرن! میں دیکھ رہی ہوں اور مجھے پتہ ہے کہ تمہارا ستارا ایسا ہی ہوگا۔'' سارہ کے لہجے میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

☆

''میں یہاں آکر بہت اچھا محسوس کرتا ہوں۔'' داؤد نے یہ بات کیوں کہی تھی۔ یہ شاید اسے بھی علم نہیں تھا۔

''ہوں!'' کرن نے اپنی ڈائری میں کچھ لکھتے ہوئے کہا ''یہاں کیا اچھا لگتا ہے آپ کو زبان، لوگ یا کلچر؟''

''میرا خیال ہے تینوں چیزیں۔''

''آپ جب اس روز یہاں پہلی بار آئے تھے، آپ بیسک لینگوئج کورس میں داخلہ لینے آئے تھے کیا؟'' کرن نے ڈائری بند کر کے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، میں یہاں اس مقصد کے لیے نہیں آیا تھا۔''

''ارے پھر کیسے آئے تھے؟'' کرن نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''میرے بھائی نے مجھے کسی کام سے بھیجا تھا، اسے ایک سی ڈی چاہیے تھی یہاں سے، اس لیے آیا تھا۔'' داؤد نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''پھر لینگوئج کورس میں داخلہ کیسے لے لیا۔ آپ کو فارسی زبان سے دلچسپی تھی کیا؟''

''نہیں۔'' داؤد نے مختصر جواب دیا۔

''اچھا۔'' کرن کو سخت حیرت ہوئی۔ ''پھر آپ نے یہاں داخلہ کیوں لے لیا؟''

''آپ کی وجہ سے۔'' داؤد نے اسی سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''میں یہاں اس لیے ٹھہر گیا کہ آپ یہاں موجود تھیں۔''

''ارے۔'' کرن بری طرح چونک گئی۔ ''وہ کیوں؟''

''اس لیے کہ میرا دل وہاں کچھ دیر موجود رہنے کو چاہتا ہے، جہاں آپ موجود ہوں۔''

''میں کچھ سمجھی نہیں۔'' کرن نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بچے کی سی مسرت ہے اور اسی کا سا شوق، جو اسے اس چیز سے متعلق ہوتا ہے، جو اسے اچھی لگتی ہے اور جو اسے اس وقت محسوس ہوتی ہے، جب وہ اسے پالیتا ہے۔''

داؤد جانتا تھا کہ وہ اس کی کہی بات کو خود سے ہی سمجھ جائے گی۔

''ایسا کیوں؟'' کرن نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد کہا۔

''پتہ نہیں، یہ تو مجھے بھی پتہ نہیں، مگر ایسا ہی ہے۔''

''یہ کیا ہے؟'' کرن نے بغیر اس کی طرف دیکھے کہا۔

''مجھے یہ بھی پتہ نہیں۔'' داؤد نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''پہلے میں تمہیں تمہاری اس بات کا مطلب پوچھنے کے لیے ڈھونڈتا تھا جو تم نے یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھے ہوئے کہی تھی۔ مگر تمہیں

ڈھونڈتے ڈھونڈتے بغیر تمہارے بتائے تم سے میرا ایسا تعارف ہوا کہ میں اس جگہ موجود ہونے پر فخر محسوس کرنے لگا، جہاں تم موجود ہو، یہ کیا ہے اور کیوں ہے مجھے ان سوالوں کا جواب نہیں آتا۔ بس جو میرے دل میں تھا میں نے تمہیں بتا دیا، آگے تمہاری مرضی تم اسے اہمیت دو نہ دو۔''

کرن نے کتنی ہی دیر میز کی براؤن پالشڈ سطح پر نظریں گاڑھے رکھیں۔ یہ شخص جو پچھلے کئی دن سے باقاعدگی سے یہاں آ رہا تھا، جس کے ساتھ روزانہ ملاقات ہوتی تھی اور جس کے بارے میں اس نے دل سے تسلیم کیا تھا کہ وہ اپنی عمر کے دوسرے لڑکوں سے خاصا مختلف تھا۔ وہ بہت کم لوگوں سے بے تکلف ہوتی تھی مگر اس لڑکے سے بہت زیادہ شناسائی نہ ہونے کے باوجود ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے اس کی اور اس لڑکے کے درمیان کوئی خاص تکلف نہ تھا۔ کلاس کے بعد وہ اردو، انگریزی اور فارسی زبان و ادب پر کتنی کتنی دیر گفتگو کرتے اور اس نے محسوس کیا تھا کہ اس لڑکے کو زبان، ادب اور تاریخ پر خاصی دسترس تھی۔ وہ حیران ہوتی فنانس اور ان تینوں چیزوں کا کیا میل تھا۔ مگر یہ صرف شوق کی بات تھی وہ ذہین تھا اور حاضر جواب۔ مگر اب یہ اچانک کیا کہہ رہا تھا۔ اس کا دماغ الجھن میں پڑ گیا۔

''مجھے یا الجھن میں پڑنے کی بات نہیں ہے۔ کوئی زبردستی نہیں۔'' داؤد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایک جذبہ میرے دل میں ابھرا۔ اس میں بدنیتی یا کھوٹ نہیں، میں نے تمہارے گوش گزار کر دیا۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔ تم مختلف ہو، بہت منفرد ہو، تمہارے جیسی لڑکی کسی بھی لڑکے کی خواہش بن سکتی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے مجھے یہ بات پسند آئے گی؟'' کرن نے پہلی مرتبہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ شانے اچکا کر بولا۔ ''میری قسمت ہمیشہ سے کچھ زیادہ اچھی نہیں رہی، اس لیے مجھے یقین نہیں، شاید تمہیں میری بات بہت بری لگی ہو۔''

''قسمت اچھی نہیں رہی؟'' کرن نے سوال کیا۔

''ہاں مجھے ہمیشہ مشکل اور ناموافق حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس لیے میں کچھ زیادہ پر امید نہیں ہوں۔''

''مشکل اور ناموافق حالات؟'' کرن نے دُہرایا۔ ''ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو۔''

''ہاں ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو۔'' داؤد نے کہا۔ ''میری شخصیت میں بہت سے الجھاؤ ہیں میں کوئی بہت اچھا انسان نہیں ہوں۔ ماضی میں بہت سے موقعوں پر میرے رویے بھی مناسب نہیں رہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنی بات کہنے سے پہلے بہت سوچنا چاہیے۔'' ''پھر تم نے یہ بات بغیر سوچے سمجھے ہی کہہ دی'' کرن نے کہا

''نہیں۔'' داؤد نے مضبوط آواز میں کہا۔ ''میری زندگی کے بہت سے فیصلے میں نے نہیں کیے، جو

میں نے خود کیے، ان میں جذبات کا دخل زیادہ تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں ایک جذباتی اور انتہائی حساس شخص ہوں، میرے قریبی لوگ مجھے ضدی، انا پسند اور مغرور کہتے ہیں۔ مگر میں اب عمر کے اس حصے میں ہوں جہاں زندگی بھر کے لیے کوئی فیصلہ کرتے ہوئے جذبات سے نہیں حقیقت پسندی سے کام لینا آجاتا ہے، اس لیے میرا نہیں خیال کہ میں نے یہ بات بغیر سوچے سمجھے کہہ دی۔''

''مجھے دیر ہو رہی ہے باہر اندھیرا پھیلنے لگا ہے، میرا خیال ہے کہ مجھے اب چلنا چاہیے۔'' کرن نے ایک دم اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ٹھیک ہے، تمہیں جانا چاہیے۔'' داؤد کو اس کی اس اچانک عجلت پر ذرا بھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔



''میں آخری بار اس وقت رویا تھا جب میرے والدین مجھے بورڈنگ میں داخل کروا آئے تھے۔ وہ میری زندگی کی سب سے طویل اور خوفناک رات تھی، میں ایک خوفزدہ بچے کی طرح سہا ہوا تھا اور مجھے گھر اور گھر والے بری طرح یاد آ رہے تھے، حتیٰ کہ ابو اور سعود بھائی بھی، جن کے بارے میں میری سوچ ہمیشہ بہت منفی رہی تھی اس رات میں بہت رویا، اتنا کہ میری ہچکی بندھ گئی مگر مجھے خاموش کرانے والا اور تسلی دینے والا کوئی نہیں تھا۔ اس رات مجھے پہلی مرتبہ خیال آیا کہ گھر اور گھر والے کتنی بڑی نعمت ہوتے ہیں اور وہ جو میں بات بات پر گھر سے بھاگ جایا کرتا تھا، اگر کہیں کھو جاتا تو مجھے کیسی زندگی گزارنی پڑتی۔''

''پھر تم نے اس بات کا اعتراف اپنی امی یا کسی اور کے سامنے کیا کہ تمہیں ان کے نعمت ہونے کا احساس ہونے لگا ہے۔'' کرن نے دلچسپی سے سنتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ ''بالکل نہیں یہ احساس اس وقت ہی ختم ہو گیا جب میں پہلی چھٹی پر گھر آیا۔ میرے تینوں بہن بھائی مزے میں تھے۔ ماں، باپ کے قریب اور گھر کی نرمی اور سکون اور تحفظ میں زندگی گزارتے ہوئے میں، صرف میں ہی کیوں؟ اس ایک سوال سے میرے اندر دوبارہ اس بغاوت نے سر اٹھا دیا جو ہمیشہ سے میری ذات کا حصہ رہی تھی یہ احساس اتنا شدید ہوا کہ میں نے گھر آنا ہی چھوڑ دیا۔''

''اب گھر والوں سے تمہارا رویہ کیسا ہے؟'' کرن نے سوال کیا۔

''نارمل نہیں ہے۔ میں اپنے گھر والوں میں فہد بھائی سے زیادہ قریب ہوں۔ ابو نے تین سال تک مجھ سے بات نہیں کی۔ اب بھی میرے اور ان کے درمیان سرد مہری کی ایک دیوار سی ہے، اگرچہ اب وہ کمزور ہو گئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر کبھی کبھی میرے دل میں محبت کا احساس جاگتا ہے مگر اجنبیت کی دیوار کو میں اب تک ڈھا نہیں سکا۔ روشی کا رویہ میرے ساتھ ہمیشہ نیوٹرل رہا ہے۔ اس سے مجھے بہت پیار ہے اگرچہ شاید میں اس کا ٹھیک طرح سے اظہار نہیں کر پاتا۔''

''اور امی!'' کرن نے پوچھا۔

''امی کی سب مجبوریوں کو سمجھنے کے باوجود مجھے ان سے بہت سے گلے اور شکوے ہیں۔ میں ان کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ میں انہیں ہمیشہ گھر کا مرکزی کردار دیکھنا چاہتا ہوں، ان کی شخصیت کی جو نفی ہمیشہ سے کی جاتی رہی ہے، میں اس کا تسلسل ختم کر دینا چاہتا ہوں اور بڑی حد تک یہ تسلسل ختم بھی ہو چکا ہے۔ مگر میں امی سے بہت قریب اب تک نہیں ہو سکا۔''

''کیا سوچ رہی ہو؟'' اپنی بات کے جواب میں اسے خاموش رہتے دیکھ کر داؤد نے سوال کیا۔

''یہ ہی نا کہ میری شخصیت میں بہت سی خامیاں، بہت سے خلا اور ناقابل قبول الجھاؤ ہیں۔'' اسے ہنوز خاموش رہتے دیکھ کر اس نے خود سے ہی اندازہ لگالیا۔

''میں خود کو ناکام کرنے کا خود ہی سب سے بڑا ذریعہ ہوں۔ پھر اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔'' میں تم سے بہت سی باتیں چھپا سکتا ہوں۔ خود پر ملمع چڑھا سکتا تھا مگر نہیں۔ تمہاری شخصیت میں ایسی کوئی بات ہے جو تم سے غلط بیانی کی جراُت نہیں ہوتی مجھے۔ میں نے تمہیں ہر بات صاف صاف بتائی ہے اور ہمیشہ ایسا ہی کروں گا۔''

''ہم ہمیشہ یہ سوچتے رہتے ہیں کہ ہم ہی ہیں جن کو نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا، باقی دنیا تو اچھی بھلی بستی ہے۔'' کرن نے کہا۔

''تمہارے بارے میں جاننے کے بعد اپنے متعلق میرا یہ خیال غلط ثابت ہو گیا'' داؤد نے اسے ایک مرتبہ پھر چونکا دیا۔

''میرے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟'' وہ حیران ہوئی۔

''والدین کے بغیر زندگی گزارنا بہت مشکل ہے اور تم اس مشکل سے گزری ہو، میرے لیے تمہارے بارے میں اتنا ہی جاننا کافی ہے۔ میں تمہاری اس محرومی کے بارے میں سوچتا ہوں تو اپنے والدین کے بارے میں اپنی بدگمانیوں پر مجھے ہر بار سے زیادہ شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔''

''میرا یہ تعارف تو بہت ادھورا ہے۔'' کرن مسکرائی۔

''تم میرے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتے اور ایک لمبی رفاقت کی خواہش سے پہلے انسانوں کا ایک دوسرے کو جاننا بہت ضروری ہے، تم ابھی جذباتی فیصلے کرنے کے دور سے باہر نہیں نکلے اور مجھ پر جذباتی سوچ یا جذباتی قسم کی چیزوں کے دروازے عمر بھر کھلے ہی نہیں۔ بہت سی ایسی خوشیوں جو کہ انسان کا بنیادی حق ہوتی ہیں کو منانے کا وقت ہی نہیں ملا ہمیں ہم تو وقت کے اور حالات کے تقاضوں کو نبھاتے نبھاتے اس عمر کو پہنچ گئے۔ تمہیں چاہیے کہ تم مجھ سے مکمل طور پر متعارف ہو جاؤ پہلے۔''

''میں تم سے کسی بھی طرح کا تعارف حاصل کرلوں، میرا تم سے یہ سوال ان ہی الفاظ پر مبنی ہو گا، کیا

تم مجھ سے شادی کر سکتی ہو۔ مجھے تم سے فلرٹ نہیں کرنا دوستی بھی نہیں کرنی۔ قانونی دائرے میں رہتے ہوئے ایک تعلق قائم کرنا ہے اور میں اپنے الفاظ سے پھرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''ارے۔'' داؤد کے لہجے میں انتہائی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے بے اختیار کرن نے دل میں کہا۔

''کیا تم مجھ سے محبت کر سکتے ہو؟'' اس نے اچانک پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ میں تم سے محبت ہی کرتا ہوں۔'' داؤد نے اسی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا تھا۔

کرن گود میں ہاتھ رکھے اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''تم آج کل کے لڑکے ہو، آج کل کے لڑکوں کے پاس لڑکی کے انتخاب کے لیے جو معیار ہوتے ہیں، میں ان پر پورا نہیں اترتی۔ میں کسی سے بے تکلف نہیں ہوتی مجھے آج کل کے سماجی اصولوں اور روایات سے اختلاف ہے، میرے اندر ایک قدامت پسند روح ہے جو قدم قدم پر مجھے بتاتی ہے کہ میں دنیا کی تاریخ کے اس دور میں ایک مکمل مس فٹ لڑکی ہوں، اسی لیے تو میری کسی لڑکے سے دوستی نہیں ہے۔ لڑکے مجھ سے دوستی کرنے کے بجائے مجھ سے کنی کترانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر پوری سچائی کے ساتھ اعتراف کر رہی تھی۔

''لوگوں کی بدقسمتی پر میں کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔''

''صرف ایک لڑکے نے مجھ سے ایک مرتبہ محبت کا اظہار کیا تھا'' ایک اور سچا اعتراف آیا۔ ''مگر اس نے کوئی اوچھا طریقہ نہیں اپنایا، وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور وہ کالج کے ان لڑکوں میں سے تھا جو آئیڈلائز کیے جاتے تھے، میں بھی اس کے بارے میں ایسا ہی سوچتی تھی۔ وہ ہیرو تھا، میرا بااصول اور قدامت پسند۔''

''پھر تم نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟'' داؤد نے اپنے دل میں محسوس ہوتی چبھن کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہمارے یہاں قومیت کو بہت اہمیت دی جاتی ہے، میں جانتی تھی کہ میرے دادا کسی صورت اس بات کو نہیں مانیں گے، میں اپنے دادا کو ناراض کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس وقت میں امیچور اور کمزور تھی، مجھے چیزوں اور باتوں کی سمجھ نہیں تھی اس لیے میں نے اسے منع کر دیا۔''

''حالانکہ تمہیں وہ اچھا لگتا تھا۔'' داؤد نے کہا۔

''ہاں، حالانکہ وہ مجھے اچھا لگتا تھا، مگر اس کو محبت وغیرہ کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ ایک فیز تھا جو گزر گیا۔ میں اب بھی اس کے لیے دعا کرتی ہوں۔ اس کے بعد کسی نے مجھے لفٹ نہیں کروائی، میرا مزاج ایسا ہی ہے کہ کوئی مجھ سے محبت نہیں کر سکتا، میں نے کہا نا کہ میں آج کل کے پسند کے معیار پر پورا نہیں اترتی۔''

''یہ سراسر غلط بات کر رہی ہو تم!'' داؤد نے اختلاف کیا۔

''کون کر سکتا ہے مجھ سے محبت، تم کر سکتے ہو؟'' کرن نے ایک بار پھر یہ سوال کیا۔

''میرا خیال ہے کہ میں تم سے پہلے سے ہی محبت کرتا ہوں، یہ سوال غیر متعلقہ ہے۔'' داؤد نے اپنا جواب دُہرایا۔ وہ حیران رہ گئی۔

''میری خواہشات بہت عجیب ہیں، کیا تم انہیں پورا کر سکتے ہو؟'' اس نے حیرت کے سمندر میں ڈولتے ہوئے پوچھا۔

''کیا خواہشات ہیں تمہاری بتاؤ؟'' داؤد مسکراتے ہوئے بولا۔

''نہیں، پہلے یہ بتاؤ کہ پرندے سردی کے موسم میں شمال کی طرف کیوں اڑ جاتے ہیں؟'' اس نے اچانک ایک غیر متوقع بات کردی۔

''ہوں۔'' داؤد دل میں محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ ''اس لیے کہ جنوب کا موسم ان کے لیے ناقابل برداشت ہوجاتا ہے۔ وہ وہاں زندہ نہیں رہ سکتے اس لیے وہ شمال کی طرف آجاتے ہیں۔''

''غلط۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''میں نے تو یہ ہی پڑھ رکھا ہے اور تم بتاؤ؟''

''وہ اتنا لمبا سفر پیدل چل کر طے نہیں کر سکتے اس لیے وہ اڑ کر شمال کی طرف آتے ہیں۔'' وہ اسی سنجیدگی سے بولی۔ داؤد نے مشکل اپنی ہنسی کو کنٹرول کیا۔

''اور تمہاری خواہشات؟'' کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''نہیں، پہلے یہ بتاؤ کہ اس وقت کیا وقت ہوتا ہے جب ہاتھی ایک بینچ پر بیٹھ جاتا ہے؟'' اس نے ایک اور سوال پوچھا۔

''بریک ٹائم۔'' داؤد نے کہا۔

''نہیں۔''

''اچھا پھر سلانٹی ٹائم۔'' وہ مسکرایا۔

''نہیں۔''

''پھر تم بتاؤ۔''

''اس وقت وہ ٹائم ہوتا ہے جب نیا بینچ خرید لینا چاہیے۔'' اس نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔

داؤد کو اس گفتگو میں لطف آنے لگا۔

''اوہ۔'' داؤد اب کے اپنی ہنسی کنٹرول نہیں کر سکا۔ ''کیا تم ہمیشہ اپنی حسِ مزاح کو اسی طرح قائم رکھ سکتی ہو۔'' اس نے پوچھا۔

''اب میں چلتی ہوں۔'' وہ ایک دم اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''مگر تمہاری خواہشات؟''

''پھر سہی۔'' وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی۔



''داؤد کو کبھی غور سے دیکھا آپ نے؟'' اس روز ناشتہ کرتے ہوئے روشی نے شیریں سے کہا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' وہ ٹوسٹ پر جیم لگا رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ روک کر روشی کی طرف دیکھا، ان کا دل بری طرح دھڑک گیا تھا کیا اب پھر کوئی نئی بات ہونے والی ہے۔

''وہ بہت خوش نظر آتا ہے، اس کی تنک مزاجی اور چڑچڑے پن میں بھی خاصا فرق آ گیا ہے۔''

''اچھا۔'' ان کا دھڑکتا دل قدرے سنبھلا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے ایسا کس وجہ سے ہے؟''

''یہ مجھے نہیں پتہ مگر کوئی بہت خاص بات ہے۔'' روشی نے خیال ظاہر کیا۔

''آپ کو پتہ ہے کہ بڑی بڑی باتوں پر وہ کبھی خوش نہیں ہوا، ایم بی اے فائنل کے بعد بھی نہیں، بینک جاب پر بھی نہیں، ٹریژری بینچ پر شفٹ ہونے پر بھی نہیں، سی ایف اے میں ایڈمشن پر بھی نہیں، میں سمجھتی ہوں اب کوئی بہت ہی خاص بات ہوگئی ہے جو داؤد خوش اور مطمئن نظر آتا ہے کمال ہے امی! اتنی واضح تبدیلی آپ کو نظر نہیں آئی۔''

شیریں کا دل اطمینان اور خوشی کی کیفیت میں آ گیا۔ وہ داؤد کے مزاج اور چڑچڑے پن کی وجہ سے اب بہت کم اس سے بات کرتی تھیں، البتہ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا، اب انہوں نے اپنی ذمہ داری بنا لی تھی مگر پھر بھی اس کی ذہنی تنہائی اور ناخوش طبیعت ان پر بہت گراں گزرتی تھی۔ ان کی سب نمازوں کے بعد اکثر دعائیں صرف داؤد کے لیے مخصوص ہوتی تھیں، وہ اس کے لیے وظیفے کرتیں، دعائیں پڑھتیں اور اس کے لیے خیرات دیتیں، اپنے تئیں وہ اپنی اس بے بسی کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش میں مصروف تھی، جس کی وجہ سے داؤد کا بچپن تلخ اور محروم گزرا تھا۔ سعود، فہد اور روشی کی طرف سے وہ مطمئن تھیں۔ سعود اور فہد بہت اچھی کیریئر اور فیملی لائف گزار رہے تھے، روشی اپنی تعلیم مکمل کر رہی تھی اور اس کا نکاح ایک بہت اچھے خاندان کے نیک لڑکے سے ہو چکا تھا، اس کا مستقبل محفوظ اور خوشحال نظر آ رہا تھا۔ اب بھی جتنی فکریں اور بے چینیاں تھیں وہ داؤد ہی سے منسلک تھیں ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ ایسا کیا کریں جس کے نتیجے میں داؤد خوش اور مطمئن رہنے لگے، ایک نارمل زندگی گزارنے لگے۔ وہ اس کو اکثر اپنے کمرے میں بند دیکھتی تھیں، وہ زیادہ تر کمپیوٹر پر کام کرتا رہتا تھا یا پھر آفس کے بعد گھر آنے اور آرام کرنے کے بعد اکیلا باہر نکل جاتا اور رات گئے واپس لوٹتا تھا۔ اس کے دوست بھی محدود تھے۔

صرف طلحہ اس کا ایسا دوست تھا، جس سے اس کی دوستی بچپن سے اب تک قائم تھی۔ طلحہ کی فیملی بھی لاہور میں سیٹل ہو چکی تھی کبھی کبھار ان کا دل چاہتا کہ وہ طلحہ سے داؤد کے سلسلے میں بات کریں مگر پھر انہیں داؤد کے مزاج کا خیال آجاتا وہ کیا سوچے گا، وہ برا مان جائے گا۔ یہ سوچ کر انہوں نے یہ خیال بھی دل سے نکال

دیا تھا۔ اب تو انہیں یوں لگتا تھا کہ داؤد کی خوشیوں اور نارمل زندگی کے لیے وہ عمر بھر یوں ہی آس اور امید کے صحراؤں میں بھٹکتی رہیں گی، ان کے کئی ملنے والوں اور عزیزوں رشتہ داروں نے ان سے کہا تھا کہ وہ اب داؤد کی بھی شادی کر دیں، مگر یہ صرف وہ جانتی تھیں کہ داؤد کی شادی کر دینا بھی اتنا آسان کام نہیں ہوگا، وہ کہاں سے ایسی لڑکی تلاش کریں جو داؤد کے مزاج کو سمجھ سکے اور جس کے ساتھ داؤد زندگی خوشی کے ساتھ گزارنے پر تیار ہو جائے۔ یہ فیصلہ آسان نہیں تھا اور یہ تلاش خاصی مشکل تھی۔ مگر اب انہیں روشی نے انہیں ایک نئی اور اچھی خبر سنائی تھی۔ وہ اللہ کے حضور سجدہ شکر بجالانے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

☆

''کیا تم اپنا ستارہ دیکھتی ہو روزانہ؟'' یہ سارہ تھی جو فون پر کرن سے بات کر رہی تھی اس نے یہ سوال اچانک اسے کیا تھا۔

''سب سے روشن سب سے واضح ستارہ۔'' اس نے دوبارہ پوچھا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے کہ مجھے پہلے سے ہی تم سے محبت ہے۔'' کرن کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی۔

''کرن! میں تم سے پوچھ رہی ہوں کہ اپنا ستارہ دیکھتی ہو یا نہیں؟'' سارہ نے اپنا سوال دُہرایا تھا۔

''کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟'' کرن کے کانوں میں اپنی ہی آواز گونجی۔

''میرا خیال ہے کہ میں تم سے محبت ہی کرتا ہوں۔'' اس کے کانوں میں اپنی بات کا جواب گونجا۔

''مجھے تم سے دوستی بھی نہیں کرنی، فلرٹ بھی نہیں کرنا، صرف قانونی دائرہ میں رہتے ہوئے ایک تعلق قائم کرنا ہے۔''

ایک اور بات یاد آنے پر اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ آسمان پر پھیلے ستاروں میں سے ایک ستارہ، جو سب سے روشن تھا چمکنے لگا تھا۔

''ایک جذبہ تھا میرے دل میں، جو میں نے تمہیں دے دیا، باقی تمہاری مرضی تم اسے قبول کر دیا نہیں۔'' ایک اور بات کرن کو یاد آئی۔

''مجھے پتہ ہے کہ اب تم آسمان کی طرف دیکھتی بھی نہیں ہو گی، پہلے تو صرف میری ضد میں تم ستارے پر قبضہ جمایا کرتی تھیں۔'' سارہ نے ہنس کر کہا تھا، مگر اپنے اس سوال پر کرن کی خاموشی اسے حیران ضرور کر رہی تھی۔

''مجھے اپنا ستارہ مل گیا ہے سارا!'' کرن کا دل چاہا کہے یا پھر یہ کہ۔

''شاید مجھے اپنا ستارہ مل گیا ہے۔'' لیکن وہ خاموش رہی اور اس نے سارہ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنا شروع کر دیں۔

☆

''مجھے چاکلیٹ بہت پسند ہیں، کیا تم مجھے چاکلیٹ خرید کر دے سکتے ہو؟''

''جتنے کہو گی اتنے ہی چاکلیٹ لے کر دوں گا۔''

''مجھے مہنگے مہنگے پرفیوم خریدنے کا شوق ہے، کیا تم میرے لیے پرفیوم خرید سکتے ہو؟''

''اتنے زیادہ اور اتنے قیمتی کہ شاید تم پریشان ہو جاؤ۔''

''مجھے پھول اچھے لگتے ہیں کیا ہر بہار کے موسم میں تم میرے لیے تازہ پھول لاسکو گے؟''

''میں پھولوں کی دکان والے سے ایک تحریری معاہدہ کرلوں گا۔''

''کیا تم میرے لیے ایک چھوٹا ہاتھی خرید سکتے ہو، مجھے گھر میں ہاتھی رکھنے کا بہت شوق ہے۔''

''اوہ...... میں تمہیں ہاتھی ضرور خرید کردوں گا، چاہے اس کے لیے مجھے افریقہ کیوں نہ جانا پڑے۔''

''یہ بہت اچھا ہے، مجھے ہاتھی بہت پسند ہیں۔''

''مگر تم ہاتھی رکھو گی کہاں؟''

''یہ میرا دردِ سر ہے، تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تم مجھے ہاتھی ضرور خرید کردو گے۔''

''میں اپنے وعدے پر قائم رہوں گا۔''

''اوہ، آئس کریم کو تو بھول ہی گئی۔''

''چاکلیٹ کے کنٹینرز، آئس کریم کے ٹرک، کتابوں کی دکان، پرفیومز کے ڈبے اور ہاتھی یہ ہی میری خواہشات ہیں۔''

''میرا خیال تھا کہ شہزادی حسن آراء کی خواہشات کی طرح نجانے تمہاری خواہشات مجھے کن جنگلوں اور بیابانوں میں خوار کریں گی، یہ تو معمولی سی خواہشات ہیں، میں بہت خوش ہوں' وہ کہہ رہا تھا کہ کرن نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر غیر معمولی خوشی کا احساس تھا۔

''غور کرو کیا تم کسی کو کوئی خوشی دے سکتی ہو، اگر اس کی توفیق ہو تمہیں تو دریغ نہ کرنا۔'' اسے برسوں پہلے اپنی دادی کو سکھائی ایک بات یاد آئی۔ اس شخص کے دل میں اس کے لیے احترام تھا، محبت تھی اور وہ بچوں کی طرح اس کا خیال رکھتا تھا۔ یہ احساس اور یہ اطمینان زندگی میں پہلی مرتبہ اسے ملا تھا۔ اس کا مزاج اور شخصیت مختلف تھی، اسے کبھی یہ وہم بھی نہیں آیا تھا کہ وہ کسی کی زندگی میں اتنی اہمیت حاصل کر جائے گی۔ اسے داؤد کی شخصیت میں سب سے نمایاں خوبی اس کی سچائی اور کھرا پن محسوس ہوئی تھی۔ اس نے اپنی ذات کی تمام خامیوں کا اعتراف کرنے کے بعد اس سے اپنی پسندیدگی کا اعتراف کیا تھا۔ وہ اس کی کسی غیر متوقع بات پر چونکتا نہیں تھا، بلکہ برجستہ جواب دیتا تھا اور اسے ہنستا دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ جیسے اس شخص کے ساتھ اس کے مزاج اور محرومیوں کی فریکوئنسی کہیں سیٹ ہو گئی تھی۔ اس کے دل نے بغیر بہت زیادہ مزاحمت کے اس شخص کو اپنے ہاں خوش آمدید کہا تھا، وہ اپنے ونڈر لینڈ کے کرداروں کو چند دن سے بھول سی گئی

تھی۔ اسے اکثر اسی شخص کا خیال آتا تھا۔ داؤد نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس نے اسے پہلی مرتبہ کہاں دیکھا تھا مگر اسے یہ پوچھنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا وہ پا لینے کی خوشی میں سرشار ہونے لگی تھی۔ وہ سارہ کے سوال کے جواب کے سلسلے میں پریقین ہونے لگی تھی۔

اس نے اگلی مرتبہ سارہ کے سوال کے جواب میں بڑے یقین کے ساتھ کہا تھا۔

''مجھے اپنا ستارہ مل گیا ہے سارہ!''

''امیزنگ۔'' وہ محظوظ ہوئی۔

''مگر یاد رکھو تم مجھے ابھی جانتے نہیں۔ میرے میں وہ تمام پوٹینشل موجود ہے جس کے ذریعے میں کسی بھی وقت کسی بھی شخص کو بری طرح مایوس کر سکتی ہوں۔''

''تم غالباً مجھے کبھی بھی مایوس نہیں کر سکتی۔ تم میں نے اس انسان کو پایا ہے جو اب ناپید ہو چکا ہے۔'' داؤد نے کہا۔

''یہ بہت بڑی بات ہے، میرا خیال نہیں کہ میرے بارے میں اتنی بڑی بات کی جا سکتی ہے، میں ایک عام سی لڑکی ہوں، دنیا میں مجھ سے کہیں زیادہ اچھے انسان ایسے ہیں جن پر میں رشک کرتی ہوں، ان جیسا ہو جانا چاہتی ہوں، میری شخصیت میں بہت سے خلاء ہیں بہت سی کجیاں ہیں جن کو میں درست کرنا چاہتی ہوں، اس لیے میرے بارے میں اتنی بڑی اسٹیٹمنٹ دینا غلط ہوگا۔'' وہ محویت سے کرن کی بات سن رہا تھا۔ وہ بہت سچائی اور ایمانداری کے ساتھ یہ بات کر رہی تھی وہ اور بھی اس سے متاثر ہوا۔

''تم جانتی ہو کہ دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی خامیوں اور کجیوں سے آشنا ہوتے ہیں اور ان کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسرں کی خوبیوں کے معترف ہوتے ہیں اور ان جیسا ہونا چاہتے ہیں۔ تم ان بہت کم لوگوں میں سے ہو۔ میں نے کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں میں سے ہو جو اب تقریباً ناپید ہو چکے ہیں۔ تم خاص لوگوں میں سے ہو، میں یونہی تمہارے پیچھے خوار نہیں ہو رہا۔'' اس نے دوبارہ اعتراف کر لیا۔

''محبت اگر دیوانی نہیں تو اسے محبت کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' داؤد نے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے تم اپنے اندر دیوانگی محسوس کرتے ہو؟'' کرن نے اپنے اڑتے بال سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے دیوانگی محسوس ہوتی ہے۔ میں تمہارے سلسلے میں کریزی ہوں، میں نے زندگی میں کبھی خود کو کسی کے ساتھ اس حد تک انوالو محسوس نہیں کیا۔ میں نے وہ احساس پہلی مرتبہ اپنے اندر جاگتے محسوس کیا ہے، کرن! تم میں ایسی خوبیاں ہیں، جو بہت کم لوگوں میں موجود ہوتی ہیں، تمہارے اندر کی خوبصورتی کو میں نے اس روز محسوس کیا تھا، جب میں نے تمہیں مسٹر جوزف کے ساتھ بیٹھے اور انہیں سگریٹ کے پیکٹ لے کر دیتے

دیکھا تھا، مسٹر جوزف جیسے لوگوں کو شاید ہی کوئی اتنی اہمیت دینے کے لائق سمجھتا ہو حالانکہ دن میں ہزاروں لوگ ان کے قریب سے گزرتے ہیں مگر شاید ہی کوئی ان پر ایک سے دوسری نظر ڈالتا ہو، ایک مخبوط الحواس، پاگل بڈھا، جس سے لوگ استہزائیہ انداز کا رویہ رکھتے ہوں، اس پر پتھر اچھالنے سے بھی نہ چوکتے ہوں، اسے اتنی عزت اور اہمیت صرف وہ دے سکتا ہے، جس کا دل خوب صورت ہو اتنا خوب صورت کہ اس کی خوبصورتی کے آگے کوئی چیز نہ ٹھہر پاتی ہو۔'' کرن مبہوت سی ہو کر اس کی بات سن رہی تھی۔

''پھر میں نے تمہارے اندر کی خوبصورتی کو مزید چمکتے دیکھا، جب تم بابا سراج کے پاس فٹ پاتھ پر بیٹھی اس کی پھٹی پرانی کتابوں پر کور چڑھا رہی تھیں۔ یہ اتنی نہ نظر آنے والی نیکی تھی کہ میں غور بھی کرتا تو سمجھ نہ پاتا کہ تم وہاں کیا کر رہی تھیں۔ لیکن تمہارے بارے میں تجسس مجھے بابا سراج تک لے گیا اور میں تمہاری شخصیت کے ایک اور پہلو سے واقف ہوا۔ ایک اجنبی شخص جو ایک موذی مرض میں مبتلا ہے، اس کی خاطر تم کینسر ہسپتال کی انتظامیہ سے لڑتی ہو، اس کے بیٹے کے تعلیمی اخراجات پورا کرنے میں حصہ ڈالتی ہو، اس کے لیے پھٹی پرانی کتابوں پر کور چڑھاتی ہو، تمہارے اس روپ نے مجھے نہ ختم ہونے والی شرمندگی میں مبتلا کر دیا، میں کتنا غیر اہم اور بے کار ہوں، میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کوشش نہیں کہ میں کسی کے کام آؤں، یہ دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی کہ کون کس مشکل میں پڑا ہے۔ یہ جانا ہی نہیں کہ میری ذرا سی مدد کسی کے لیے کتنی بڑی نعمت ثابت ہو سکتی ہے، تب ہی مجھے یہ خیال آیا کہ ایسے خیالات ایسے محسوسات عام انسانوں کے ہو ہی نہیں سکتے، ہم عام انسان تو عمر بھر اپنی محرومیوں کا گلہ ہی کرتے رہ جاتے ہیں، یہ خیال، یہ احساس تو فرشتوں کا خاصا ہیں فرشتوں جیسے انسانوں کا، اسی روز میں نے اپنے دل میں تمہیں Fallen Angel کا خطاب دیا تھا۔ تم فرشتہ ہو، جو انسان کے روپ میں اس دنیا میں آ گئیں۔''

کرن کے دل نے ایک دھڑکن مس کر دی۔

''تمہارا مزید تعارف اگرچہ مجھے اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، منوچہر علی صاحب نے کروایا، اس تجربہ کار اور اچھی عمر کے شخص کے خیال میں اس کی زندگی کا سب سے خوشگوار تجربہ تم سے ملاقات تھا۔ تمہاری اسکیچنگ اور تمہاری ڈرائنگ زبردست ہے، اسی ماہ جو کام تم نے منوچہر علی صاحب کے لیے کیا ہے۔ وہ انہوں نے مجھے دکھایا، تم کتنی ٹیلنٹڈ ہو یہ میں نے اس روز دیکھا۔ منوچہر علی کی مدد تم انہیں محسوس کرائے بغیر کرتی ہو، کرن شہزاد! مجھے اعتراف ہے کہ میں اور مجھ ایسے ہزاروں انسان مل کر بھی تمہاری اس عظمت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

''میری اماں کی وفات سے لے کر اب تک قدم قدم پر مجھے ایسے رویوں اور حالات کا سامنا کرنا پڑا جن کی وجہ سے میں دل ہی دل میں اپنے اللہ سے کہتی رہی کہ ایسا میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے؟ میرے جیسی انسان اس بات پر شکر گزار کم ہی ہوئی کہ ایسے سخت حالات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سی مشکلات سے

بچایا جو نہیں تھا اس کا گلہ کرتی رہی۔ میری دادی نے مجھے نماز کی باقاعدگی کی عادت ڈال دی، اس میں میرا کوئی کمال نہیں تھا، مگر میری بہن سارہ جو نماز کی اتنی پابند نہیں ہے مجھ سے زیادہ شاکر لڑکی ہے، اس نے مجھے بھی ہمیشہ یہ ہی سمجھایا کہ جو ہے اس کا شکر ادا کرو، جو نہیں ہے اس کو اللہ کی رضا جان کر اس پر راضی ہو جاؤ مگر میں ایسا نہیں کر سکتی۔ میں فرشتوں جیسی نہیں، ایک بہت عام سی انسان ہوں۔"

داؤد نے محسوس کیا اس کے لہجے میں دکھ تھا اور عاجزی تھی۔ شاید زندگی کے مد جزر نے اسے باشعور اور متحمل مزاج بنا دیا تھا۔ داؤد کو اس پر رشک آیا، ناموافق حالات کبھی انسان کو اس کے جیسا جذباتی اور باغی بنا دیتے ہیں اور کبھی کرن جیسا باشعور اور متحمل مزاج، اسے لگا، وہ ساری عمر بے راہ ہی رہا تھا، اسے اپنے گزرے ہوئے سالوں پر اور اپنے رویوں پر شرمندگی محسوس ہونے لگی۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں ایک نارمل لڑکی نہیں ہوں، اتنے برس گزر جانے کے باوجود جبکہ میرے بہن اور بھائی دونوں بہت سی تلخیوں کو بھلا چکے ہیں، مجھے ان رویوں اور تلخیوں کا ایک ایک لفظ پوری طرح یاد ہے اور بھلائے نہیں بھولتا، میرے دل میں نفرت بھی ہے اور عداوت بھی۔ میں اگر اچھی ہوتی تو بھول جانے اور معاف کر دینے کا فن ہی سیکھ لیتی مگر میں ایسا نہیں کر سکی۔ میرے دادا، دادی نے میری تربیت میں میری پرورش میں ایسا کوئی جھول نہیں چھوڑا، جس پر انگلی اٹھائی جا سکے مگر مجھے آج بھی یہ گمان ہوتا ہے کہ اگر میرے ماں باپ زندہ ہوتے تو میں ایک بہتر زندگی گزار رہی ہوتی۔ میں کس قدر ناشکری ہوں، میں اچھی ہوتی تو کیا ایسی ناشکری کی باتیں سوچتی۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"شاید تم نارمل نہیں ہو بلکہ ایکسٹرا نارمل ہو۔" داؤد نے کہا۔ "تمہارے سب رویے ٹھیک ہیں۔ جو لوگ اتنی زیادہ دل آزاری کا باعث بنیں ان کو نہ بھلایا جا سکتا ہے نہ معاف کیا جا سکتا ہے اور جو منظر نظر کے سامنے نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اس سے بہتر محسوس ہوتا ہے جو نظر کے سامنے، اسی لیے تم سوچتی ہو کہ تمہارے ماں باپ زندہ ہوتے تو تم بہتر زندگی گزار رہی ہوتیں۔"

پھر بھی سیکھنے اور بہتر ہونے کی گنجائش ہمیشہ ہوتی ہے۔" کچھ توقف کے بعد اس نے اپنی بات مکمل کی۔

"پھر مجھے فرشتہ مت کہو۔ مجھے احساس گناہ ہوتا ہے۔" کرن نے کہا اور مسکرا دی۔

"محبت گر جنون نہ ہو تو اسے محبت کہلانے کا حق نہیں ہوتا۔" داؤد نے اپنی بات دہرائی اور خود بھی مسکرا دیا۔

"مجھے اجازت دو کہ میں اپنی امی کو تمہارے ہاں بھیجوں۔" پھر اس نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

"مجھے اپنے دادا، دادی کو اعتماد میں لینے دو، پھر میں تمہیں بتاؤں گی۔" کرن نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔



"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔"

اس روز شیریں کو داؤد نے بہت دنوں بعد براہ راست مخاطب کیا تھا۔ ان کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ انہیں محسوس ہوا کہ خوشی اور طمانیت کا جو احساس وہ ہمیشہ سے اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتی تھیں وہ اس کے چہرے پر موجود تھا۔

''ضرور کہو۔'' وہ خوش دلی سے بولیں۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ کرن سے مل لیں۔''

''کون؟'' شیریں چونکیں۔ ''کرن کرن؟''

''وہ لڑکی جس سے میں شادی کرنے والا ہوں۔''

''تم شادی کرنے والے ہو۔'' شیریں نے ٹھٹک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا، وہاں سنجیدگی کی چادر تنی تھی۔

''جی۔ میں شادی کرنے والا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''اسی لیے چاہتا ہوں کہ آپ اس سے مل لیں۔''

''وہ کون ہے؟ کیا کرتی ہے؟ کہاں رہتی ہے؟'' شیریں نے متوقع سوال پوچھے۔

''ایک لڑکی ہے، پڑھتی ہے اور اسی شہر میں رہتی ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''اس کا آگا پیچھا، والدین، بہن بھائی، اس سلسلے میں بہت سی باتیں دیکھنا پڑتی ہیں۔'' شیریں کو فوری طور پر سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں کیا بات کریں۔

''اس کے سلسلے میں یہ باتیں غیر متعلق ہیں، بس واحد اور سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ وہ ہے اور میں اسے شدت سے پسند کرتا ہوں۔'' اس نے مضبوط آواز میں کہا۔

یہ وقت بھی شیریں پر پہلی بار آیا تھا، سعود اور فہد کی شادیاں سلمان نے اپنی مرضی سے اپنے جاننے والوں کے ہاں کی تھیں اور بہت سلیقے اور قرینے سے دونوں فرائض ادا ہوئے تھے۔ ان کی وہ دونوں بہوئیں قبول صورت، پڑھی لکھی اور سمجھدار تھیں، اور وہ ان دونوں کی زندگیوں کی طرف سے مطمئن تھیں، روشی کا نکاح سلمان کے دوست کے بیٹے کے ساتھ ہو چکا تھا۔ ان کا داماد ڈاکٹر تھا اور بہت نیک سیرت لڑکا تھا۔ انہیں کسی بھی معاملے میں بہت تگ و دو نہیں کرنا پڑی تھی، صلح صفائی اور اچھے ماحول میں یہ سارے کام ہوئے تھے۔ اب ہمیشہ کی طرح داؤد ایک نئی بات سامنے لایا تھا۔ شیریں کو لگا۔ عرصے بعد ایک بار پھر وہ کسی مشکل صورتحال سے دوچار ہونے والی ہیں۔ انہیں داؤد کے مزاج کی شدت کا بہت اچھی طرح اندازہ تھا۔ ایک مشکل صورتحال ان کے سامنے تھی اور داؤد نے بہت دنوں بعد ان کو مخاطب کیا تھا۔



''میں تمہیں چاہتا ہوں، مجھے صرف اتنا معلوم ہے۔'' کرن نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ یہ بات کہتے ہوئے سنجیدہ تھا۔

''یہ ایک جذباتی فیصلہ ہے، تمہیں مجھے مزید پرکھ لینا چاہیے۔ ویسے بھی مجھے ٹھیک سے یقین نہیں ہے کہ محبت کا مفہوم کیا ہے۔''

کرن نے اپنے سامنے کھڑکی کے شیشے پر پھیلتے بارش کے قطروں کو دیکھتے ہوئے کہا، وہ خانہ فرہنگ کے لائبریری سیکشن میں بیٹھے تھے۔

''تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ محبت کا مفہوم کیا ہے۔'' داؤد نے کہا۔ ''اور میں جو ایک بار تمہارے نظریے سے ذرا بھی متفق نہیں تھا۔ اب بھی اس میں کچھ درست کرنا چاہتا ہوں۔''

''میرا نظریہ؟'' کرن چونک گئی۔

''کسی لڑکے کو کوئی لڑکی پسند آجائے تو اس کے دل میں اس کے لیے تجسس کا جذبہ ابھرتا ہے، ٹھیک۔'' داؤد نے اس کی طرف دیکھا۔

''ہوں۔'' کرن نے فوری طور پر کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

''اس سے آگے دل میں شوق پیدا ہوتا ہے، ٹھیک۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''اور شوق ارادے کو جنم دیتا ہے۔'' داؤد نے اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے محظوظ ہو کر کہا۔

''ارادے سے آگے اگر محبت ہے کرن بی بی! تو وہ محبت ہی آخری در ہے، محبت اور Luts میں بہت فرق ہے۔''

''محبت کیا ہے؟'' کرن نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''سب سے اہم چیز جسے محبت کہا جا سکتا ہے، وہ ایک دوسرے کو مکمل طور پر تمام خوبیوں اور خامیوں سمیت سمجھ جانا اور قبول کر لینا ہے، محبت کا مطلب یہ نہیں کہ زندگی کتنی درست ہے بلکہ تمام پریشانیوں اور لڑائیوں کے ساتھ ہر دن کے آخر میں یہ احساس محبت ہے کہ کوئی ہے جو صرف ہمارے لیے ہے اور جو ہمارا بہت اپنا ہے۔ محبت ایک ایسا جادوئی بول ہے، جو آپ کو زندگی کی تمام مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنے کی ہمت دیتا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ زندگی کتنی بے مزا اور یکسانیت کا شکار ہو جائے۔ محبت کا جادوئی بول ایک سرور کی کیفیت کی طرح ہر وقت ذہن پر چھایا رہتا ہے۔'' داؤد کہہ رہا تھا اور اسے خود بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ الفاظ کہاں سے اس کے ذہن میں آرہے تھے۔

''اور ہوس؟'' کرن نے پوچھا۔

''ہوس بھی ایک احساس ہے، یہ بیک وقت سب سے بڑا تحفہ اور سب سے گندی برائی ثابت ہو سکتا ہے، یہ کسی کو بھی حد سے برا بنا سکتی ہے۔ مگر یہی محبت کا ایندھن بھی ہے، یہ دو انسانوں کو جوڑنے کے لیے گوند کا کام کرتا ہے، یہ ایک فطری تقاضا ہے، اس سے انکار ممکن نہیں مگر جائز اور ناجائز میں بہت فرق ہے، اللہ تعالیٰ نے نفس کو قابو میں رکھنے کا حکم دیا ہے مگر میاں بیوی کے لیے ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ سو یہی

احساس اس کو محبت بنا دیتا ہے۔"

"گویا محبت اور ہوس میں صرف آرڈر کا فرق ہے، غلط اور صحیح کا تعین کرنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ پہلے محبت ہے یا پہلے ہوس ہے؟" کرن نے کہا۔

"یقیناً۔" داؤد نے سر ہلایا۔

"تمہارا آرڈر کیا ہے؟" کرن نے اس کی طرف دیکھا۔

"پہلے محبت، بلکہ اس محبت کا آغاز تجسس سے ہوا۔" داؤد نے مسکرا کر کہا۔

"تم صرف میرے نظریے کو غلط ثابت کرنے کے لیے......"

"مجھ پر شک مت کرو۔" داؤد نے نرمی سے کہا۔ "تمہارے نظریے نے ہی تو مجھے تمہارے لیے متجسس کیا۔"

"اس تجسس کا تمہیں کیا فائدہ ہوا؟"

"اس تجسس نے مجھے ایک خوبصورت انسان سے ملا دیا، جس کا دل اور جس کا ہر عمل پاک اور مصفا ہے، جس کی شخصیت کے جادوئی اثر نے مجھے سرتاپا بدل دیا، میں ایک بہت غلط انسان تھا، تمہاری شخصیت نے مجھے اپنی درستگی پر لگا دیا۔"

"مجھے اعتراف کر لینا چاہیے کہ میں تمہارے جادو کے اثر میں ہوں۔ میں ہر وقت تمہارے بارے میں سوچتا رہتا ہوں، میرا دل تمہارا ساتھ چاہتا ہے، میں انتہائی لاپروا انسان تھا مگر اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہاری پروا کروں، تمہارا خیال رکھوں، تمہاری چھوٹی چھوٹی خوشی بھی پوری کروں، تمہاری معصومیت اور بے ریا شخصیت نے مجھ ایسے مغرور، انا پسند اور ضدی انسان پر نقب لگا دی ہے۔

کرن! میں زندگی کے اکثر معاملات میں قسمت سے ہارا ہوں مگر میں اس معاملے میں ایسا نہیں چاہتا، شاید جو تم میری بات سمجھ سکو۔"

"ہوس سے آگے گناہ اور گناہ سے آگے اذیت ہے، اذیت، آزمائش کو جنم دیتی ہے اور آزمائش سے آگے حساب ہے۔"

کرن شاید اس کی بات سن نہیں رہی تھی، اس کی سوئی کسی اور نقطہ پر اٹک گئی تھی۔



شیریں اس کو ایک ٹک دیکھ رہی تھیں، وہ سلمان کے بازو پر زیتون کے تیل کی مالش کر رہا تھا، سلمان کے اس بازو میں اکثر درد رہتا تھا اور اس شام انہوں نے دو تین بار اس درد کی شکایت کی تھی، وہ انہیں درد ختم کرنے والی دوا دے رہی تھیں، جب غیر متوقع طور پر داؤد نے ان کے سامنے آ کر بہت نرمی سے انہیں مخاطب کیا۔

''لائیں ابو! میں آپ کے بازو کی مالش کر دوں۔''

مالش کرنے کے بعد اس نے نرم ہاتھوں سے ان کے بازو کو دبایا بھی۔ شیریں نے سلمان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ جیسے کچھ پرسکون ہو گئے تھے۔ ان کے چہرے پر بھی حیرت تھی اور شاید کچھ پا لینے کا احساس بھی۔ وہ باپ اور بیٹے کے درمیان قائم اس ازلی فاصلے کو وقتی طور پر ہی سہی یوں ختم ہوتا دیکھ کر جتنی بھی خوش ہوتیں کم تھا۔ اس دن انہیں پہلی مرتبہ اکثر پڑھے لفظ شادیٔ مرگ کا مفہوم سمجھ میں آیا تھا۔



''بینسن اینڈ ہیجز لائٹس سب سے مہنگا سگریٹ ہے اور مسٹر جوزف صرف وہی پیتے ہیں۔''

کرن نے اسے بتایا تھا وہ اسی برانڈ کے سگریٹ کا بڑا پیکٹ خرید کر مال روڈ کی طرف نکلا تھا اور مسٹر جوزف کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ اے ایچ کریم بخش کے باہر کھڑے نظر آئے تھے، اسے لوگوں سے تعارف کروانے اور متعارف ہونے کا فن نہیں آتا تھا، مگر اس روز اسے احساس ہوا کہ اس کے ذخیرۂ الفاظ اور ان کے اظہار کے طریقے میں انقلاب سا آ چکا تھا وہ کچھ ہی دیر میں مسٹر جوزف جیسے ٹیڑھے مزاج کے آدمی سے نہ صرف متعارف ہو چکا تھا بلکہ خوش گپیوں میں مصروف تھا اور اسے پہلی بار معلوم ہوا تھا کہ بظاہر مخبوط الحواس نظر آنے والا یہ شخص کتنا دانا اور سمجھ دار تھا۔

''تمہیں کیسے معلوم کہ یہ میرا پسندیدہ سگریٹ ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''آپ جیسے شخص کو صرف یہ ہی پسند ہونا چاہیے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''تم ذہین آدمی ہو۔'' وہ ہنس رہے تھے اور ان کی جھاڑ جھنکار داڑھی ہل رہی تھی۔ ''تم دوسرے آدمی ہو جس سے میں سگریٹ لے رہا ہوں، میں تمہارے خلوص سے انکار نہیں کر سکتا۔''

''اور پہلا آدمی کون ہے؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا، مسٹر جوزف جیسا شخص کسی بھی بات پر ناراض ہو سکتا تھا۔

''وہ آدمی......'' انہوں نے سوچتے ہوئے کہا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ آدمی نہیں، وہ ایک پھول ہے، خوب صورت اور خوشبودار، وہ فرشتہ ہے، معصوم اور بے ریا، میں تم کو نہیں بتاؤں گا۔'' ان کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

''اوہ! بالکل مت بتائیے، کوئی بات نہیں۔''

وہ مسکرا کر بولا اور پھر ان سے رخصت ہو کر واپس چلا آیا۔



''تم نعیم اور شہزاد کو سکول فیس میں جو مدد دیتی ہو، کیا اس مرتبہ میں کر سکتا ہوں۔'' اس نے پوچھا تھا۔

'اور ان پیسوں کا جو میں انہیں دیتی ہوں، کیا کروں گی؟''

''تم مزے کرنا، چاکلیٹس اور آئس کریم کھانا، پرفیوم اور کتابیں خریدنا، ہو سکے تو ایک اسفنڈ یاسی خرید لینا۔'' وہ ہنسا۔

''ارے نہیں، اس طرح تو میری عادتیں خراب ہو جائیں گی، مجھے نعیم اور شہزاد کو ان کے پیسے دینے ہی ہیں۔''

''او کے، تو پھر ان کو ڈبل کر لیتے ہیں۔''

''نہیں۔'' اس نے سختی سے منع کیا۔ ''اس طرح تو ان کی عادتیں خراب ہو جائیں گی۔''

''پھر، میں اس رقم کا کیا کروں جو میں نے اس مقصد کے لیے رکھی ہے؟''

''تم اپنی امی کو اور بہن کو شاپنگ کروا دو، کبھی پہلے تم نے ایسا کیا؟''

''نہیں۔''

''ارے تمہیں پتا ہے، وہ کتنی خوش ہوں گی۔ اور اس خوشی سے بڑی کیا چیز ہو گی دنیا میں۔'' وہ بچوں کی سی خوشی کے ساتھ بولی۔

''پھر میں تمہیں بھی ایک پرفیوم لے کر دوں گا یا کوئی کتاب۔''

''میں کتابیں خریدتی نہیں ہوں، میں لائبریری سے یا دوستوں سے لے کر پڑھتی ہوں، ارے! مجھے یاد آیا مجھے تو کروا ایٹرز جانا ہے، ایک کتاب واپس کرنے تم نے کبھی بپسی سدھوا (Bepsi Sidhwa) کو پڑھا ہے، تم آئس کینڈی مین ضرور پڑھنا، زبردست کتاب ہے۔ میں تو واپس کر رہی ہوں اس لیے دے نہیں سکتی۔ تم خرید لو اور پڑھو اس کو۔'' وہ ایک دم اٹھ کر چلی گئی، داؤد کو لگا وہ اسے ٹالنے کے لیے چلی گئی تھی۔



شیریں کے سامنے ان چیزوں کے شاپنگ بیگز رکھے تھے، جو داؤد نے ان کے لیے خریدی تھیں۔ وہ بہت اصرار کے ساتھ انہیں شاپنگ کے لیے لے کر گیا تھا، روشی کو بھی اس نے کئی چیزیں خرید کر دی تھیں، یہ زندگی میں پہلا موقع تھا۔ جب اس نے ان کی ضرورتوں کے بارے میں سوچا تھا، وہ جانتی تھیں کہ وہ بینک میں بہت اچھی جاب کر رہا تھا، اس کو کتنی تنخواہ ملتی تھی، یہ انہوں نے کبھی پوچھا، نہ ہی اس نے کبھی خوشی سے بتایا تھا۔ ان کے مالی حالات ایسے تھے کہ انہیں کبھی کسی بیٹے کی طرف دیکھنا نہیں پڑا تھا، سلمان کا بزنس اچھا جا رہا تھا، گھر میں سب آسائشیں موجود تھیں، داؤد کیا کھاتا اور کہاں خرچ کرتا تھا؟ یہ جاننے کی کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ لیکن جو خوشی انہوں نے داؤد کے اصرار پر اس کے ساتھ شاپنگ کے بعد محسوس کی تھی اس کا بیان ان کے لیے مشکل تھا۔ داؤد خوش نظر آتا تھا، ہنستا تھا۔ ان سے باتیں کرتا تھا، ان کا بیمار دل تندرست ہونے لگا تھا۔ اس کے سلسلے میں اللہ نے ان کی دعائیں قبول کر لی تھیں۔ انہوں نے اس بات کا ذکر خصوصی طور سے سلمان سے بھی کیا تھا۔

''یہ بہت اچھی بات ہے، میں خوش ہوا یہ بات سن کر......''

سلمان کا کروفر اور طنطنہ پسپا ہونے لگا تھا، شاید یہ بڑھتی عمر کا تقاضا تھا، یا پھر انہوں نے کچھ حقیقتوں کو قبول کر لیا تھا۔

☆

''میری فینٹیسی نیسشنز عجیب سی ہیں۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً میں خالہ برکتے کی طرح کھانا کھانا چاہتی ہوں اور مالی کے کوارٹر میں ایک دن گزارنا چاہتی ہوں، مگر ان دونوں باتوں کی اجازت دادی مجھے نہیں دیتیں، اور میں انہیں ناراض نہیں کرنا چاہتی۔''

''تم مجھ سے شادی کر لو، پھر ہم خالہ برکتے کی طرح کھانا بھی کھائیں گے اور مالی کے کوارٹر میں پورا دن گزاریں گے، میری وجہ سے دادی منع بھی نہیں کریں گی۔''

''اور میں نہر کے کنارے اُگی جھاڑیوں میں چمکتے جگنوؤں کو دیر تک بیٹھ کر دیکھنا چاہتی ہوں مگر رات کے وقت کوئی میرے ساتھ وہاں بیٹھنے کو نہیں مانتا، اکیلی میں بیٹھ نہیں سکتی، ہر بار میں عمر سے یہ وعدہ لیتی ہوں کہ وہ چھٹی پر آئے گا اور ہم وہاں بیٹھیں گے مگر وہ ہر بار اتنا مصروف ویک اینڈ گزار کر چلا جاتا ہے کہ اس کے پاس وقت ہی نہیں بچتا۔''

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہم نہر کے کنارے بیٹھ کر ان جگنوؤں کو ضرور دیکھیں گے۔ اور کچھ......''

''اور مجھے شاہ دین بلڈنگ کی چھت پر رات کے وقت جانے کا بہت شوق ہے، مجھے لگتا ہے رات کے وقت وہاں پرانے مشہور لوگوں کی روحیں اکٹھی ہوتی ہوں گی، مگر رات کے وقت میں ان خوف ناک سیڑھیوں کو چڑھ کر اوپر کیسے جا سکتی ہوں؟''

''ہم چلیں گے ضرور چلیں گے، مگر شادی کے بعد، میں تمہیں اس سے پہلے نہ تو کہیں لے کر جانا چاہتا ہوں، نہ ہی کہیں گھمانا چاہتا ہوں، تم اتنی خالص ہو کہ تمہارے ساتھ تعلق بھی اتنا ہی خالص اور خاص ہونا چاہئے، تم نے اپنے دادا سے بات کی؟''

''میں موقع کی تلاش میں ہوں۔''

''سنو! اگر تم میری امی سے مل لو تو کیا ہی اچھا ہو گا؟''

''ارے، ان سے ملنے میں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟''

''ٹھیک ہے پھر میں تمہیں امی سے ملوانے لے جاؤں گا اپنے گھر کب چلو گی؟''

''ہاں ضرور، تم اچھی طرح سوچ لو۔''

☆

شیریں اس روز سلمان کے بزنس پارٹنر زاہد ملک اور ان کی فیملی سے پہلی مرتبہ ملی تھیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سلمان کا رجحان مذہب کی طرف زیادہ ہو گیا تھا، اور ان کی سوشل زندگی کی سرگرمیاں محدود ہوتے ہوتے تقریباً نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھیں۔ وہ بہت کم لوگوں سے ملتے تھے، عزیز رشتہ داروں کی خوشی غمی میں بھی شاذ و نادر ہی شریک ہوتے تھے، اس لیے زاہد ملک اور ان کے اہل خانہ کا رات کے کھانے پر مدعو کیا جانا شیریں کے لیے اچنبھے کی بات تھی، مگر پھر وہ اسے شراکتی کاروبار کی مصلحت سمجھ کر مہمانوں کی تواضع میں مصروف ہو گئی تھیں۔ وہ اچھے اور پڑھے لکھے لوگ تھے۔ زاہد ملک کے ساتھ ان کی بیوی ایک بیٹا اور دو بیٹیاں آئی تھیں۔ ان کی بیوی اور بیٹیاں خوش شکل خوبصورت اور خوش مزاج تھیں، روشی کی ان کی بیٹیوں سے اچھی دوستی ہو گئی۔

''داؤد آج ابھی تک گھر کیوں نہیں آیا؟'' سلمان نے کھانے کے دوران پوچھا۔

اس صبح داؤد نے شیریں کو بتایا تھا کہ وہ کرن نامی لڑکی کو ان سے ملانے کے لیے گھر لانا چاہتا ہے مگر مہمانوں کی آمد کے پیش نظر شیریں نے اسے اس روز کے لیے منع کر دیا تھا۔ شیریں کو احساس تھا کہ اپنی بات کو رد کر دیئے جانے پر داؤد کو مایوسی بھی ہوئی تھی اور شاید اس کا پرانا غصہ بھی عود کر آیا تھا۔ مگر وہ اسے منا لیں گی یہ سوچ کر وہ مطمئن تھیں۔

''وہ اپنا غصہ نکالنے کے لیے سڑکوں پر گھوم رہا ہوگا۔'' انہوں نے سوچا۔

''شاید کچھ مصروفیت ہو باہر۔'' انہوں نے کہا۔

''داؤد میرا ایسا بیٹا ہے جس پر میں بلاشبہ فخر کرتا ہوں۔''

انہوں نے سنا۔ سلمان کہہ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پکڑا چمچہ ہلکی آواز پیدا کرتا پلیٹ میں گر گیا تھا۔

''وہ ایک مکمل سیلف میڈ بچہ ہے۔ میں نے اسے ایم بی اے کے دوران بالکل سپورٹ نہیں کیا، مگر وہ اپنی ہمت پر ماسٹرز کر گیا اور نمایاں پوزیشن کے ساتھ کر گیا۔ ابھی اسی سال اس نے سی ایف اے ون کا امتحان دیا اور پہلی کوشش میں پاس کر لیا، بین الاقوامی سطح پر اس امتحان کا نتیجہ صرف پینتیس فیصد رہا، مگر داؤد نے اسے پہلی کوشش میں پاس کر لیا۔ وہ غیر معمولی طور پر ذہین ہے اور فنانس میں اس کا دماغ بہت چلتا ہے۔''

شیریں کو سلمان کے لہجے میں فخر بھی محسوس ہوا۔

''اور وہ سعادت مند بھی ہے، اکثر رات کو مجھے دباتا ہے، آج کل ایسے بیٹے کہاں رہ گئے ہیں صاحب! جو باپ کی تکلیف کی یوں پروا کریں، وہ مجھے مالش کر کے اور دبا کر سوتا ہے، ماں کا دل خوش رکھتا ہے، بہن پر جان چھڑکتا ہے۔''

وہ کہہ رہے تھے اور ششدر بیٹھی شیریں اور روشی کی نظریں اچانک ایک دوسرے سے ملی تھیں۔ دونوں کی نظروں میں ایک دوسرے کے لیے سوال تھے۔

''آپ خوش نصیب ہیں سلمان صاحب! یقیناً خوش نصیب ہیں۔'' زاہد ملک کی آواز آ رہی تھی۔
کھانے کے بعد قہوے کا دور چل رہا تھا، زاہد ملک کی بچیاں روشی کے ساتھ اس کے کمرے میں تھیں، جب اچانک زاہد نے شیریں کو مخاطب کیا تھا۔
''ہماری فیملیز ایک دوسرے سے متعارف ہو گئیں بھابی جی، سلمان صاحب کا اور میرا برسوں کا تعلق ہے اور بہت اچھا چلا آ رہا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ہمارا تعلق اور بھی مضبوط اور اچھا ہو جائے۔'' شیریں نے استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔
''میری بیٹی تانیہ سکول آف فیشن ڈیزائننگ میں پڑھ رہی ہے، اس کی تعلیم مکمل ہونے ہی والی ہے، میری خواہش ہے کہ آپ اسے اپنی بیٹی بنا لیں، اس طرح ہمارا تعلق اور بھی مضبوط اور بھی اچھا ہو جائے گا، آپ جانیں، آج کل اچھی فیملیز کہاں ملتی ہیں؟ اور میں روپے پیسے سے زیادہ فیملی بیک گراؤنڈ کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں۔ آپ جیسی خاتون اور سلمان صاحب جیسے انسان کا بیٹا یقیناً قابل فخر ہو گا، کیوں سلمان صاحب؟'' انہوں نے سلمان کی طرف دیکھا۔
''کیوں نہیں، کیوں نہیں، یہ ہماری خوش نصیبی ہو گی۔'' سلمان کہہ رہے تھے۔
''شیریں کو محسوس ہوا جیسے ان کی آنتوں میں اچانک گرہیں پڑ گئی ہوں، انہیں اپنے پیٹ میں شدید درد محسوس ہوا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے مگر وہ کچھ سن نہیں رہی تھیں۔
''اچھا بھابی جی! اب اجازت دیجیے، اب آپ لوگ ہماری طرف مدعو ہیں، اگلے ویک اینڈ پر انشاء اللہ ملاقات ہو گی۔''
مسز زاہد ملک کہہ رہی تھیں۔ شیریں سن رہی تھیں مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔ انہوں نے خالی نظروں سے ماربل کے چمکتے فرش پر باہر جاتے قدموں کو دیکھا، ان کی نظروں کے سامنے دھواں پھیل رہا تھا۔ ایک اور بلکہ سب سے کڑی آزمائش ان کی منتظر تھی۔



''مجھے اپنی زندگی کے ہر اس لمحہ پر افسوس ہوتا ہے جب میں تم سے متعارف نہیں ہوا تھا، تم نے میری زندگی بدل ڈالی بالکل بدل ڈالی ہے۔''
''تم بہت اچھے ہو، پہلے سے ہی بہت اچھے تھے۔''
''مجھ میں اگر تمہیں کوئی اچھائی نظر آتی ہے تو سمجھ لو کہ یہ تمہاری وجہ سے ہے، پہلے میں بالکل بھی اچھا نہیں تھا۔''
''یہ ایک اوور اسٹیٹمنٹ ہے، تم جذباتی ہو صرف، باقی تم بہت اچھے ہو۔ بہت منفرد اور مختلف.....''
''جو بھی کہو، جتنا خوش میں آج کل ہوں، اتنا کبھی بھی نہیں رہا۔''

''یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔''

''تم واقعی بہت اچھی ہو۔''

''میری دادی سے کبھی پوچھو، ان کو مجھ میں بہت سی خامیاں نظر آتی ہیں، ان کے خیال میں مجھے بہت سی چیزوں میں امپروو کرنا چاہیے۔''

''میں تمہاری دادی نہیں ہوں اور مجھے تم میں کوئی خامی نظر نہیں آتی ہم بہت خوش رہیں گے اکٹھے مجھے یقین ہے اس بات کا۔''

''بہت روشنی یا بہت اندھیرا؟'' ایک لمحہ کے لیے اس نے سوچا۔ اس کا مقدر کیا ہے یہ اس کو علم نہ ہوسکا تھا۔

''تم نے دیکھا نہیں۔ میں خوب صورتی کے کسی معیار پر پوری نہیں اترتی۔'' اس نے مذاق سے کہا۔

''مجھے خوب صورتی کے معیار کے بارے میں کچھ علم نہیں، مگر تم بہت پیاری ہو۔ Gorgeous، تمہیں دیکھ کر میرے ذہن میں یہ ہی لفظ آتا ہے۔''

''اف!'' کرن نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ''تم بہت مبالغہ آرائی کرتے ہو، حد ہوتی ہے مبالغہ آرائی کی۔''

''میں مبالغہ آرائی نہیں کر رہا ہوں، تم واقعی Gorgeous ہو۔'' داؤد نے یقین کے ساتھ کہا۔

''دادا اور دادی ایک شادی اٹینڈ کرنے جائیں گے دوپہر کو، کیا کل تم اپنی امی سے ملوا سکتے ہو مجھے؟''

''کیوں نہیں، میں تو منتظر تھا، تم کب کہو۔'' وہ خوش ہوگیا۔

☆

''آپ کو ایسی لڑکیاں پسند ہیں نا امی جو پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہوں۔'' اس نے کہا تھا۔

''ہاں!'' انہوں نے بے دھیانی سے سر ہلایا۔

''اور ایسی بھی جو اپنا سر ڈھانپ کر رکھتی ہوں۔''

''اور ایسی بھی جو کپڑے سینا جانتی ہوں۔''

''اور وہ جو گھر کے ہر کام میں طاق ہوں، اور جن کے پاس اچھی تعلیم بھی ہو۔''

''اور وہ جن کے لیے اخلاقی اقدار سب سے اہم ہوں، جو اپنی انا اور کردار کی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔''

وہ ان سے پوچھتا چلا جا رہا تھا اور وہ ہاں میں جواب دیئے جا رہی تھیں، ان کے دل و دماغ پر عجیب سا غبار چھایا ہوا تھا، انہیں کوئی بھی بات ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''تو بس پھر سمجھ لیں کہ کرن آپ کے ہر معیار، آپ کی ہر پسندیدہ بات پر پوری اترتی ہے، اس میں یہ سب خوبیاں موجود ہیں۔''

وہ بہت خوش ہوتے ہوئے بول رہا تھا۔ ایسی خوشی اس کے چہرے پر تھی جس کا نعم البدل کوئی دوسری

چیز نہیں ہوسکتی تھی۔ شیریں نے آنکھیں بند کرلیں، ان کی بند آنکھوں میں نمی تھی۔

''آپ آج کرن سے ملنے چلیں گی نا امی!'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''میری طبیعت بہت خراب ہے داؤد!'' یہ بات کہتے ہوئے انہیں کتنا بھاری پتھر اپنے دل پر رکھنا پڑا تھا یہ صرف وہی جانتی تھی۔

''اوہ کیا ہوا؟'' اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ ان کی نبض پر رکھا۔

''بس مجھے عجیب سی گھٹن محسوس ہورہی ہے۔'' انہوں نے اپنے سینے پر ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''ہم کسی اور روز اس سے مل لیں گے۔''

''اچھا!'' وہ ایک دم بجھ گیا۔ ''میں نے اس سے آج کا وعدہ کیا تھا'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔ ''مگر کوئی بات نہیں۔ میں اس سے معذرت کرلوں گا، آپ آرام کیجیے، ہم پھر کسی دن اس سے مل لیں گے، آپ کو کوئی دوا تو نہیں چاہیے۔''

انہوں نے نفی میں سر ہلایا اور آنکھیں دوبارہ بند کرلیں۔ وہ دبے قدموں چلتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

''یہ وہ کس داؤد کو دیکھ رہی تھیں۔'' انہوں نے خود سے پوچھا۔ وہ ضدی، بے صبر، بے قرار داؤد کہاں گیا؟ ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ اس سے اپنی طبیعت کی خرابی کا ذکر کررہی تھیں، ان کا خیال تھا کہ وہ ان سے ناراض ہوجائے گا، سخت الفاظ کہے گا اور اپنی بات کو ضد بنا کر منوا کر ہی چھوڑے گا، مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا، اس کا جواب غیر متوقع اور رویہ بالکل مختلف۔

''اور ایسا کیسے ممکن ہوا؟'' انہوں نے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے سوچا۔

''یقیناً اس لڑکی کی وجہ سے۔'' انہیں خیال آیا۔

وہ معجزہ جو وہ عمر بھر کی محنت اور دعا کے باوجود نہ دکھا سکی تھیں، وہ اس لڑکی کی چند روزہ رفاقت نے کر دکھایا تھا۔ وہ یقیناً کوئی بہت مختلف لڑکی ہوگی جس نے داؤد کو متاثر کیا تھا، وہ اتنا سیلف سینٹرڈ اور انا پسند لڑکا تھا کہ معمول کی چیزیں اسے کبھی اپنی طرف متوجہ نہ کرسکتی تھیں۔

ان کے اپنے خاندان میں کئی نوجوان لڑکیاں موجود تھیں، ان کی اپنی بھتیجیاں، بھانجیاں، سلمان کے بھائی بہنوں کی بیٹیاں انہوں نے داؤد کا رویہ ہمیشہ ان کے ساتھ لیا دیا کا سا دیکھا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی گھر میں کسی لڑکی کا ذکر تک نہ کیا تھا، نہ اپنے ساتھ پڑھنے والی نہ اپنے ساتھ کام کرنے والی کسی لڑکی کا۔ یہ یقیناً بہت منفرد لڑکی ہوگی جس نے نہ صرف داؤد کو متاثر کیا بلکہ اس کی شخصیت کو اتنا بدل کر رکھ دیا تھا۔

اتنی مثبت شخصیت اتنی مثبت تبدیلیاں، وہ شاید اس لڑکی کے ہاتھ چوم لینا چاہتیں، اسے اپنے سینے سے لگا لینے کی خواہش کرتیں۔ اسے ایک پل ضائع کیے بغیر اپنے گھر لے آنا چاہتیں لیکن انہیں زندگی بھر داؤد کے سلسلے میں کسی آسانی کا سامنا نہیں رہا تھا۔

داؤد کی پیدائش کے ساتھ جن مشکلات کا آغاز ان کے لیے ہوا تھا وہ اب تک ختم نہیں ہوئی تھیں۔
سلمان نے زاہد ملک کے جانے کے بعد بہت واضح الفاظ میں انہیں بتایا تھا کہ وہ زاہد ملک کی بیٹی کے ساتھ داؤد کی شادی کرنے کا پکا ارادہ کر چکے ہیں۔ شیریں نے انہیں یاد دلانے کی کوشش کی تھی کہ عمر بھر کے اس معاملے کے متعلق داؤد سے بات کیے بغیر فیصلہ نہیں کر سکتے۔ مگر ان کا خیال تھا اس سے پہلے بھی ان کے بچوں میں سے کسی نے ان کے کسی ایسے فیصلے کو مسترد نہیں کیا تھا اور وہ بہت اچھی زندگیاں گزار رہے تھے۔
شیریں نے انہیں یاد دلانا چاہا کہ یہ کوئی اور بچہ نہیں داؤد تھا، جس کا ردعمل ہمیشہ مختلف ہوا کرتا تھا۔ مگر سلمان ان دنوں داؤد کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی مثبت اور خوش فہم ہو رہے تھے۔ انہیں داؤد کی شخصیت میں تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں اور وہ سمجھ رہے تھے کہ داؤد ان کا اتنا خیال رکھنے لگا ہے کہ اب وہ ان کی کوئی بات ٹال ہی نہیں سکتا، یہ اتنی بڑی خوش گمانی تھی کہ شیریں نفی کرتے ہوئے ڈر رہی تھیں۔ ایک عمر انتظار کے بعد سلمان کے داؤد کے بارے میں رویے میں تبدیلی آئی تھی۔ اس تبدیلی کا گھر کے ماحول میں اتنا خوش گوار اثر پڑ رہا تھا کہ شیریں کو ایسا لگتا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہوں مگر اب انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جلد ہی وہ اس خواب سے بری طرح جگا دی جائیں گی۔ ان کا دل ایک مرتبہ پھر کمزور اور بیمار ہونے لگا تھا، ان کی روح خوفزدہ تھی ماں کی ممتا اور بیوی کی تابع داری ایک مرتبہ پھر آزمائش میں پڑ گئی تھی۔



''میں معذرت خواہ ہوں، میں امی کو تمہاری طرف نہیں لا سکتا، امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' داؤد نے کرن کو کال کر کے بتایا تھا۔
''اس میں معذرت کی کوئی بات نہیں، اب کیسی ہیں وہ؟''
''ابھی تو سست ہو رہی ہیں۔'' اس نے کہا اور پھر ہنس دیا۔ ''میں نے انہیں بتایا کہ کرن آپ کی آئیڈیل لڑکی کے قریب ترین خوبیوں کی مالک ہے۔ وہ یقیناً بہت خوش ہوئی ہوں گی۔''
''ہوں گی؟'' کرن نے سوال کیا۔
''ہاں۔ اس لیے کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں اور انہوں نے بہت واضح ردعمل ظاہر نہیں کیا مگر میں جانتا ہوں کہ وہ بہت خوش ہوں گی، میں نے عمر بھر انہیں بہت تنگ کیا ہے، مجھے یقین ہے کہ تم آ کر انہیں اتنا سکون دو گی کہ وہ میری نالائقیاں بھول جائیں گی۔''
''تمہاری توقعات بہت بڑی ہیں داؤد! اور میں ایک عام سی لڑکی ہوں مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔'' کرن کی آواز میں اداسی اتر آئی۔
''تم بہت خاص ہو، بہت منفرد اور بہت بلند۔'' جواب میں وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ''تم اپنے متعلق ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ مجھے اچھی نہیں لگتیں۔''

''میں جانتی ہوں، میں خود کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔'' کرن نے زیرِ لب کہا۔ اسے داؤد کے جذبات کی شدت سے خوف آنے لگا تھا۔ اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ کسی شخص میں یوں انوالو ہو جائے گی، اسے ایسا کوئی شخص کبھی نظر ہی نہیں آیا تھا مگر وہ داؤد تھا جس نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا، اس نے ہر اس بات میں دلچسپی لی تھی جو کرن کی بہت قریبی دوستوں تک کے علم میں نہیں تھی، اس نے کرن کی بہت ذاتی زندگی میں سیندھ لگائی تھی۔ وہ اس کے ونڈر لینڈ میں بغیر دستک دیئے دبے پاؤں چلا آیا تھا اور جب کرن کا اس سے سامنا ہوا تو بغیر کچھ کہے سنے اسے ایسا لگا تھا جیسے آسمان کا سب سے روشن ستارا اس کے سامنے کھڑا تھا، وہ مزاحمت کر سکی تھی نہ ہی کچھ کہہ سکی تھی۔ اسے داؤد کی سچائی اور اعتماد نے زیر کر لیا تھا، اس کے دل نے ہولے سے گواہی دی تھی کہ یہ وہی ستارا تھا، جسے اس کی نگاہیں ہمیشہ سے ڈھونڈتی تھیں۔



اس کشادہ سڑک پر ٹریفک حسبِ معمول رواں دواں تھی۔ گاڑیوں کی تعداد گنتے گنتے صبح سے شام کرنے والے جوزف کے دل پر عجیب سی اداسی چھائی ہوئی تھی۔ بہت سالوں سے وہ اپنی حسیات کے متعلق بہت کچھ بھول چکا تھا۔ اس نے کیا پہن رکھا تھا، اس نے کیا کھایا تھا اور کب کھایا تھا، وہ کیا دیکھتا تھا، کیا سنتا تھا وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔ اسے احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ سردی گرمی کے موسموں میں مناسب لباس نہ ہونے کی وجہ سے موسم اِس پر کیا اثرات چھوڑ جاتے تھے۔ حواس کی دنیا سے نکل کر جنون کی دنیا میں داخل ہوئے اسے کتنا عرصہ گزر چکا تھا اسے یہ بھی یاد نہیں تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ سے ایسا تھا، برسوں پہلے اس نے بھی نارمل اور بھرپور زندگی گزاری تھی، وہ شیخوپورہ کے ایک پڑھے لکھے عیسائی خاندان میں پیدا ہوا تھا، اس کے والدین دونوں ہی سکول ٹیچر تھے، انہوں نے اسے مشنری سکولز میں پڑھایا تھا اور وہ کئی سال بورڈنگ میں رہا تھا، بورڈنگ انتظامیہ نے اسے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، گفتگو کرنے اور جینے کے دیگر تمام طریقے بحسن وخوبی سکھائے تھے۔

اس نے بی اے، بی ایڈ کر لینے کے بعد اپنے والدین کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، اسے مری کے ایک اچھے کرسچین سکول میں نوکری مل گئی تھی، وہیں پر اس کی روزی سے ملاقات ہوئی تھی۔ روزی جسے وہ پیار سے پنک روز کہتا تھا بہت خاموشی مگر انتہائی شدت کے ساتھ اس کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی۔ وہ جوزف کا پہلا اور آخری پیار تھی۔ جوزف والدین کی اکلوتی اولاد تھا اور ان دونوں کے دنیا سے جانے کے بعد بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ روزی کے آنے کے بعد اس کی زندگی صرف اس کے گرد گھومنے لگی تھی، وہ اس کے لیے اس کی پوری دنیا تھی۔ وہ اکثر ہنستے ہوئے روزی سے کہتا تھا کہ وہ اس کا نیوکلیس ہے جس کے گرد گردش کرتے وہ کبھی نہیں تھکتا تھا۔

قدرت نے انہیں بہت سال تک اولاد سے محروم رکھا مگر وہ دونوں ایک دوسرے میں اتنے مگن تھے

کہ انہیں اس کمی کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ کبھی کبھی جوزف کو ایسا لگتا۔ وہ سانس بھی روزی کے لیے اور روزی کی مرضی سے لیتا تھا۔ اور اس کے بغیر اس کا جینا ناممکن تھا۔ مگر بہت برسوں کے بعد اسے خیال آنے لگا کہ وہ غلط سوچتا تھا، کیونکہ وہ روزی کے بغیر ابھی تک زندہ تھا، گو اس زندگی اور ابدی موت میں کوئی خاص فرق نہ تھا، مگر سانس کی ڈوری تھی جو چلے جا رہی تھی۔ 1982ء کے مارچ مین انہیں معلوم ہوا کہ بارہ سال کے بعد قدرت انہیں اولاد جیسی نعمت سے نوازنے جا رہی ہے، ان کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ جس روز انہیں یہ خبر ملی تھی وہ پوری رات انہوں نے چرچ میں عبادت کرتے اور اس خداوند کی ثناء کرتے گزاری تھی، جس نے انہیں ایک دوسرے سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائی تھی اور اس محبت کی شدت میں اس کمی کا احساس نہ ہونے دیا تھا۔ انہوں نے اللہ کی اس نعمت کی شکر گزاری میں وقت گزارا اور آنے والے بچے کی لمبی زندگی اور صحت کے لیے دعا کی تھی۔ اس کے بعد ایک ایک دن روزی کی ناز برداری اور آنے والی خوشیوں کے انتظار میں گزرنے لگا تھا۔ ایک ایک پل، ایک ایک دن، جوزف کی بے تابیوں اور انتظار کی شدتوں میں اضافہ کرنے لگا تھا۔ روزی اس کے جنون پر کتنی کتنی دیر ہنستی رہتی تھی اور بڑی لگاوٹ سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہتی۔ ''ارے جوزف! میں کوئی انوکھی ماں تو نہیں بننے جا رہی ہوں، ساری دنیا میں عورتیں ماں بنتی ہیں۔''

''مجھے ساری دنیا سے کیا مطلب ہے، میرے لیے جو تم ہو وہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔'' وہ اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے کہتا تھا۔

''تم عظیم ہو جوزف! تم بہت عظیم ہو۔'' روزی کی آواز احساس تشکر سے دبی جاتی تھی۔

پل منٹ، گھنٹے، دن، مہینے گزرتے گئے، بہار گرمی میں اور گرمی خزاں میں تبدیل ہوئی اور پھر سرما کے دن آگئے، برفیلے کٹیلے دن، شہر کا کونا کونا برف کی سفیدی سے ڈھک گیا تھا، اور وہی وہ مہینہ تھا، جس کا جوزف اور روزی کو انتظار تھا۔ یکم سے دس دسمبر تک کا عرصہ صبر کرتے گزرا اور پھر تیرہ دن اوپر گزرنے کے بعد تیرہ دسمبر آ گیا۔ روزی کو دردِ زہ شروع ہوا اور جوزف نے اسے ہسپتال پہنچا دیا، اس یخ بستہ رات کو وہ ہسپتال کے طویل کوریڈور میں لکڑی کے سخت بینچ پر تنہا تھا، خداوند کی تعریف اور یسوع باپ کی ثناء کرتا رہا تھا، اس نے ہولی میری کو آواز دے کر بلایا تھا۔ ''آؤ سب میری مدد کو آؤ، اس آنے والی روح کو خوش آمدید کہنے کو میرا دل بے چین ہے۔''

مگر یکایک اسے لگا۔ اس کی دعائیں، صدائیں اور پکاریں یخ بستہ ہوا میں کہیں منجمد ہو کر رہ گئی تھیں۔

''دعا کرو جوزف! دعا، اب دعا کا وقت ہے۔'' ڈاکٹر نینسی پال نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

''دعا!'' جوزف نے کھڑکی سے باہر آسمان کی طرف دیکھنے کی کوشش کی، باہر گھپ اندھیرا تھا اور منجمد فضا۔ ''مہربان ستارہ، میرا مہربان ستارہ کہاں ہے؟'' اس نے کھوجنا چاہا مگر باہر اسے کوئی مہربان ستارہ نظر نہیں

آیا، گھپ اندھیرے میں جگمگاتی جو شبیہہ اسے نظر آئی تھی وہ سفید پروں والے ایک ایسے فرشتے کی شبیہہ تھی، جسے اس رات نجانے کیوں نمودار ہونا تھا۔ اس رات ہی کیوں؟

''اٹھو اس خدا کی تقدیس کرو جوزف! جو روحوں کو دنیا میں لاتا ہے اور ان کو واپس لے جانے والا بھی وہی ہے۔'' ایک پہر بعد جب رات کی تاریکی کو صبح کی پہلی لو نے چیرا تو اس نے سنا ڈاکٹر نینسی پال سنجیدہ آواز میں اس سے مخاطب تھی۔

''آئی ایم سوری جوزف! روز میری دنیا سے جا چکی ہے اور تمہارا معصوم بچہ بھی۔'' ڈاکٹر نینسی پال کا سر جھکا ہوا تھا۔

وہ اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ دور کہیں گرجے میں گھنٹیاں بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ مگر جوزف کے کان کچھ سن رہے تھے، نہ ہی اس کی آنکھیں کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کی دنیا اجڑ چکی تھی۔

اس کے کانوں نے شاید آخری آواز سنی تھی، اور پھر شاید یہ ہی آواز اس کی سماعتوں میں محفوظ رہ گئی تھی، اس سے آگے اس نے برسوں نہ تو کچھ سنا تھا نہ ہی اس کی سماعتوں سے کوئی اور بات ٹکرائی تھی۔

Here rests the innocent

Soul of Rose Marry

Who was a loving and

Caring Creature

Of God who creates

His men and women

In the best of their nature.

یہ آخری الفاظ تھے جو جوزف کی نظروں نے پڑھے تھے۔

یہ الفاظ جو روزی کی قبر کے کتبے پر لکھوائے گئے تھے، روزی کے بہن بھائی رو رہے تھے، مگر جوزف کی آنکھیں خشک تھیں، اس نے اس کتبے پر لکھے الفاظ پڑھے اور پھر اسے ہوش نہیں رہا کہ وہ کہاں کھڑا تھا۔

روز کے بھائیوں نے تیز بخار میں مبتلا جوزف کو مقامی ہسپتال میں داخل کروایا تھا، مگر طویل علاج کے بعد انہیں بتایا گیا تھا کہ جوزف کا ذہن بخار کھا گیا تھا۔ اسے ذہنی امراض کے ہسپتال میں لے جایا گیا اور وہاں سے لاہور کے نیشنل ہسپتال۔ وہ کتنا عرصہ وہاں زیر علاج رہا اسے یاد نہیں تھا، مگر ایک روز وہ موقع ملنے پر وہاں سے بھاگ لیا تھا، اسے پکڑ کر دوبارہ وہیں لے جایا گیا تھا، اور دو سال کے بعد ڈاکٹرز نے اسے ذہنی بحالی کا سرٹیفکیٹ دے کر وہاں سے فارغ کر دیا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ جس شخص کو شیکسپیئر کی پوری شاعری اور برنارڈ شا کے جملے یاد ہوں جو آئن اسٹائن کی تھیوریز سناتا اور نطشے کے فلسفے، جسے ملک کی تمام سیاسی تاریخ کا علم ہو وہ ذہنی مریض قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ہسپتال سے نکل کر جوزف کے سامنے نہ کوئی منزل تھی، نہ زندگی کا کوئی مقصد۔ وہ بغیر راہ متعین کیے چل پڑا تھا۔ ایک مہربان شخص نے اسے شہر کے ایک بڑے گرجا گھر میں پہنچا دیا تھا۔ وہ دن بھر شہر کی ایک مصروف بڑی سڑک کے کنارے کسی جگہ بیٹھا آتی جاتی گاڑیوں اور لوگوں کو دیکھتا رہتا تھا، اور رات کو اس گرجا گھر کے کسی کمرے میں پڑ کر سو رہتا تھا۔

اسے پاگل یا گداگر سمجھ کر پتھر اور سکے پھینکنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ مگر جوزف کو نہیں سنائی دیتا تھا کہ لوگ کیا کہتے تھے۔

"I am sorry Rose Marry is no more"

سے آگے نہ تو کوئی الفاظ تھے نہ ہی کوئی بات۔ وہ زیر لب بڑبڑاتا رہتا، اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کیا بڑبڑاتا تھا۔ وہ غصیلا، غضب ناک اور بددماغ ہو چکا تھا۔ کوئی منچلا اسے زیادہ تنگ کرتا تو وہ جواب میں اسے گالیاں دیتا اور لوگوں کے پھینکے پتھر دوبارہ ان پر اچھال دیتا۔ اس کے شب و روز یوں ہی گزر رہے تھے۔ اسے کچھ پروا نہ ہوتی تھی اس نے موسم کی مناسبت سے لباس پہن رکھا تھا یا نہیں، اس نے کتنے دن سے کچھ کھایا تھا یا نہیں، اس کے دن رات اسی طرح گزرتے جاتے مگر ایک روز ایک آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

''ارے یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ ہیں۔'' اس نے سر اٹھا کر کہنے والے کی طرف دیکھا۔

"Blessed are the poors for theirs is the kingdom of heaven."

''سر! یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ ہیں، کیا آپ انگریزی بولنا جانتے ہیں؟''

یہ آواز میٹھی تھی اور کہنے والی کے لہجے میں نرمی تھی، جوزف نے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تمسخر تھا نہ، چہرے پر حقارت تھی۔ بلکہ وہ بہت متاثر نظر آ رہی تھی، اور اس کے چہرے پر بچوں کی سی حیرت اور تجسس تھا۔

''بھاگ جاؤ'' اس نے کہنا چاہا، مگر اس کی زبان مفلوج ہو گئی۔ اس کے کانوں نے برسوں بعد الفاظ سنے تھے۔ اس کی زبان بولنا بھول گئی۔

پھر وہ اکثر اسے نظر آنے لگی۔

''آپ مجھ سے دوستی کر لیں سر!'' ایک روز اس نے کہا، جوزف کی حسیات اس آواز پر جاگنے لگتی تھیں، وہ فرشتوں جیسا معصوم چہرہ تھا، جوزف نے ایسا شفاف اور معصوم چہرہ اتنے برسوں میں کہیں اور نہیں دیکھا تھا۔

''آپ نے گریشم کو پڑھ رکھا ہے سر! اور ابسن کو بھی؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''آپ ان کے لکھے الفاظ دُہراتے ہیں سر! میں نے اکثر سنا ہے۔''

جوزف کو خود معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا بڑبڑاتا رہتا ہے، مگر وہ کون تھی، جو ایک مخبوط الحواس، جھکی شخص کے زیرِلب کہے الفاظ سننے کی کوشش میں مصروف رہتی تھی اور اس نے ایسا کب کیا۔ وہ کیوں اس کی طرف تمسخرانہ قہقہے نہیں اچھالتی تھی اور پتھروں کے تحفے بھی۔ جوزف نے آنکھیں بند کر لیں۔

''دنیا میں کتنی ہی ایسی روحیں ہیں جوزف! جنہیں خداوند نے روز میری جیسی معصومیت عطا فرمائی ہے، کتنے ایسے دل جو اس کی طرح شفاف ہیں اور کتنے ایسے ذہن جو ابدی حقیقتوں کے ادراک سے منور ہیں، تمہیں اگر کوئی ایسی روح ملتی ہے تو بد کومت، اس کی بات سنو، اپنی سماعتوں کو کچھ وقت کے لیے گزرے لمحوں کی قید سے آزاد کر لو۔'' کوئی اس سے کہہ رہا تھا۔

''میری کرسمس سر!! آج کا دن مبارک دن ہے، جو کنواری مریم کو خدا تعالیٰ نے ایک مبارک روح سے نوازا تھا۔''

چند دن بعد وہی مہربان آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی، اس کی نظروں کے سامنے چھوٹے چھوٹے رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ تھا۔

''مجھے سگریٹ چاہئے۔'' جوزف نے مخاطب کو دیکھے بغیر لرزتی آواز میں کہا۔

''ضرور سر! کون سے؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''بینسن اینڈ ہیجز لائٹ۔'' اس نے ایک مہنگے برانڈ کا نام لیا۔

''ضرور، میں ابھی لائی۔'' وہ اس کی نظروں کے سامنے سے ہٹ گئی۔

جوزف نے اس روز برس ہا برس بعد اپنے پسندیدہ تمباکو کا ذائقہ چکھا تھا، اور اس کے دماغ نے ایک عجیب سا سکون محسوس کیا تھا۔

''تمہارا نام خوشبو ہے، خوبصورتی ہے اور نغمگی ہے۔'' جوزف نے مزید اضافہ کیا۔

''میرا نام کرن ہے سر!'' اس نے عاجزی سے جواب دیا۔

''کرن!'' اب کے جوزف نے اس کے بتائے ہوئے نام پر غور کیا۔'' کرن...... ہاں کرن Ray ہوتی ہے، تم بھی Ray ہو۔

Ray of hope (امید کی کرن)

Ray of light (روشنی کی کرن) روشنی اور امید۔ جس کے سہارے دنیا کا کام چلتا رہتا ہے، انسانوں میں بہت کم انسان ایسے ہوتے ہیں، جنہیں خداوند دوسروں کا احساس کرنے کے لیے پیدا کرتا ہے، وہ لوگ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں۔ مجھے تمہارے سر پر خوش قسمتی کا تاج چمکتا نظر آرہا ہے۔''

کرن نے محظوظ ہوتے ہوئے مسٹر جوزف کی طرف دیکھا، جن کے ہلتے سر کے ساتھ جھاڑ جھنکاڑ

بنے الجھے ہوئے بال بھی ہل رہے تھے، اور وہ بہت دلچسپ معلوم ہو رہے تھے۔

"خداوند! تیری دنیا میں کتنے ہی لوگ ستاروں اور جگنوؤں کی طرح جگمگاتے ہیں، روشنیاں دیتے، راستہ دکھاتے، خداوند، میں سوچتا ہوں کہ وہ لوگ خود زیادہ خوش قسمت ہوتے ہیں یا وہ لوگ جو ان سے ملتے ہیں اور روشنیاں حاصل کرتے ہیں۔" اس رات جوزف نے اپنے پھٹے پرانے بستر پر لیٹتے ہوئے سوچا۔

"روشنیاں دکھانے والے۔" اسے کہیں سے آواز آئی۔ "سخی، دیالو، بڑے دل والے، جنہیں کوئی فکر نہیں ہوتی کہ ان کی روشنی میں کچھ کمی آجائے گی یا وہ اس سے محروم ہو جائیں گے۔"

جب ہی میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ اس بچی کے چہرے پر اتنا اطمینان، اتنا سکون کیوں ہوتا ہے؟ اتنی سی عمر میں اس کے اندر کا وہ اضطراب، وہ تجسس، وہ بے قراری، اس کے چہرے سے عیاں کیوں نہیں ہوتی، جو اس کی عمر کا تقاضا ہیں۔ "وہ Blessed ہے، اس کی روح پر خداوند کا خاص کرم ہے، جب ہی وہ روشنیاں اور خوشیاں بانٹتی پھرتی ہے اور اپنے خزانے میں کسی کمی کے وہم کا شکار بھی نہیں ہوتی، وہ کرم کیے گئے لوگوں کے راستے پر چل رہی ہے، کرم کیے گئے لوگوں کا وہ راستہ جو اسے کبھی مخبوط الحواس، نا قابل توجہ جوزف کی طرف لے آتا ہے، اور کبھی اس مرتے ہوئے شخص کی دل جوئی کی طرف جس کا نام سراج ہے، یہ راستہ اسے ان محروم وسائل بچوں کی طرف بھی لے جاتا ہے جو ذہانت اور شوق کے باوجود اپنے لیے پڑھنے کا سامان بھی نہیں کر سکتے، وہ دیالو اور سخی لڑکی اپنی ضرورتوں کی پروا کیے بغیر ان کی مدد کرتی ہے اور بدلے میں سکون اور ابدی مسرت پاتی ہے۔"

جوزف اس وقت تک اس سلسلے کی تمام کڑیوں سے واقف ہو چکا تھا جو کرن شہزاد کی دوستی اور توجہ کا سلسلہ تھا۔ وہ اس کے لیے اکثر نعیم اور شہزاد کے ہاتھ سگریٹ اور پھل بھیجا کرتی تھی، نعیم اور شہزاد کے ذریعے وہ سراج سے بھی واقف ہو چکا تھا۔ اور جوں جوں اس کی بے گانہ سمجھ واقفیت حاصل کرتی جاتی تھی اس کا یقین پختہ ہوتا چلا جا رہا تھا کہ کرن شہزاد نامی لڑکی پر اللہ کا کوئی خاص کرم تھا۔



"ہاں انہیں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔" کرن نے اپنے سامنے بیٹھی خاتون کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ اس نے جو کچھ ان کے متعلق سنا تھا، اس کے ذہن میں ان کا یہ ہیولہ ابھرتا تھا۔

"میں نے خود کو تو ایکسیپشنز میں شمار کر لیا۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میرے تو ماں اور باپ دونوں ہی آگے پیچھے دنیا سے چلے گئے۔ اس لیے میں نے فرض کر لیا کہ مجھے بہت سی ایسی چیزوں سے محروم ہونا پڑے گا، جس سے دوسرے بچے نہیں ہوتے۔ مگر آپ تو تھیں، آپ کے شوہر کا مزاج کچھ بھی سہی، مگر آپ تو تھیں، پھر داؤدان بہت سی چیزوں سے محروم کیوں رہا، جن کی وہ خواہش رکھتا تھا؟"

اسے خوب معلوم تھا، اس کی یہ انتہائی پرسنل ہو جانے والی بات اس کی مخاطب کو حیران کر دے گی، وہ

یقیناً یہاں ایسی کوئی بات سننے کی توقع نہیں کر رہی ہوں گی، مگر اس نے پھر بھی کہہ دیا۔

''کتابوں میں پڑھی باتیں اور ذہن میں گھڑے ہوئے مفروضوں سے الگ اور مختلف زندگی کی ایک اپنی کہانی ہوتی ہے بیٹی!''

اس کی توقع کے خلاف انہوں نے بہت تحمل سے جواب دیا۔

''مصلحتوں سے جڑی زندگی، یہ مصلحتیں انسان کے ہاتھ پیر باندھ دیتی ہیں اور جذبات پر برف کی سل رکھ دینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ تم ابھی عملی زندگی کے تجربوں سے ناواقف ہو، تم نہیں جانتیں کہ وہ زندگی جو ایک سے زیادہ جانوں سے متعلق ہوتی ہے، وہ اس ایک کے سلسلے میں دوسری جانوں کی خاطر کیا، کیا سہتی ہے، سہتی کیا ہے بلکہ اسے سہنا پڑتا ہے۔''

''اوہ۔'' کرن کو اپنی بات پر افسوس ہونے لگا۔ ''میں معذرت خواہ ہوں۔ شاید میں نے بے عقلی میں غلط بات کہہ دی ہے۔''

''نہیں!'' انہوں نے اس کی بات کی نفی کی۔ ''جو بھی ایسی باتیں سنے گا، وہ ضرور سوچے گا کہ کیا کبھی ماں کی مامتا بھی مصلحتوں کا شکار ہو سکتی ہے، اور شاید وہ ٹھیک ہی سوچے گا، مگر سوچنے، کرنے اور ہونے میں بہت فرق ہے، یہ فرق صرف وہی جان سکتا ہے، جو عمل سے گزرے، دیکھنے اور سننے والوں کے تبصرے بجا ہوتے ہیں۔''

''میں واقعی معذرت خواہ ہوں، میں نے انجانے میں آپ کو تکلیف پہنچا دینے والی بات کی۔'' کرن کی شرمندگی سوا ہو چکی تھی۔

''نہیں بیٹی!'' ان کے چہرے پر ایک بے بس مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''میں سمجھتی ہوں کہ کوئی بھی دوسرا شخص جب داؤد کی داستان سنے گا وہ یہی سوچے گا، پھر تم تو تم ہو، بہت خاص شخصیت، تم وہ ہو جس نے داؤد کی زندگی کی ساری روش، تمام ترجیحات اور رخ بدل دیئے ہیں، تمہیں یقیناً یہ بات زیادہ شدت سے محسوس ہونی چاہیے تھی۔''

کیا خاص بات تھی اس لڑکی میں، جس نے داؤد جیسے لڑکے کو اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔ اس لڑکی کے نین نقش بہت خاص نہیں تھے، وہ دبلی پتلی سانولی سی لڑکی بہت عام سی دکھ رہی تھی مگر ان کا ذہن ایک نکتے پر اٹک گیا تھا۔ اتنے عام سے انداز لیے اس لڑکی میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ بار بار اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو رہی تھیں، کچھ ایسا جو اسے خاص بنا رہا تھا۔

''میں نے داؤد کو دروازے سے واپس بھیج دیا ہے۔'' پھر انہوں نے کرن سے نظریں ہٹا کر کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا، آئیوی کی بیل پر ہلکے کاسنی رنگ کے پھول تھے اور ایک چھوٹی سی چڑیا، اس کی ایک نازک سی شاخ پر جھول رہی تھی۔ باہر نومبر کی ملگجی دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور فضا میں

عجیب سی اداسی تھی۔

''کیونکہ جو بات میں کرنا چاہتی ہوں۔ وہ اس کی موجودگی میں نہیں کر سکتی تھی۔'' انہوں نے اپنی نگاہیں دوبارہ کرن پر جماتے ہوئے کہا۔ انہیں کرن کے چہرے کا تاثر ایک لمحے کے لیے بدلتا نظر آیا، مگر وہ دوسرے ہی لمحے میں اس پر قابو پا چکی تھی۔

''ہماری کہانی وہیں ختم نہیں ہو گئی، جہاں تک داؤد نے تمہیں سنائی ہو گی۔'' انہوں نے کہا ''ممکن ہے داؤد نے تمہیں بتایا ہو کہ زندگی کا بہاؤ رواں ہو گیا ہے، اور اس میں کوئی تلاطم نہیں ہے۔ شاید اس نے تمہیں یہ بھی بتایا ہو کہ اب رفتہ رفتہ اس کے اور اس کے ابو کے اختلافات ختم ہو رہے ہیں۔

وہ Personality Clash (شخصیتوں کا ٹکراؤ) جس نے سالہا سال تک ہماری زندگیوں میں بے چینی اور اضطراب پیدا کیے رکھا، اب کم ہونے لگا ہے، اس نے ٹھیک ہی بتایا، کیونکہ ہمارے گھر میں کچھ عرصے سے وہ نامعلوم بے چینی اور خوف کی فضاء ختم ہونے لگی ہے۔ سلمان اور داؤد نے ایک دوسرے کی موجودگی کو قبول کر کے ایک دوسرے کو وہ احترام دینا شروع کر دیا ہے جو اس رشتے کا تقاضا ہے۔ اب کچھ عرصے سے داؤد کے گھر میں داخل ہوتے ہی کسی نئے ٹکراؤ کا تصور کر کے میرا دل گھبرانا بند ہو گیا ہے۔ داؤد اور سلمان ایک دوسرے سے معاملات پر بات کرتے ہیں اور جو درست ہو، اس کی بات دوسرا مان بھی لیتا ہے۔ سلمان نے زندگی میں پہلی مرتبہ داؤد کی اچیومنٹس پر خوش ہونا اور ان کا ذکر کرنا شروع کر دیا ہے، اب وہ داؤد سے بہت ہی اچھی توقعات رکھنے لگے ہیں۔ میرے دوسرے بچے اس صورتحال سے ریلیکس ہونے لگے ہیں۔ اب ہم میں سے کوئی ہنستے ہوئے دل میں ڈرتا نہیں، نہ ہی ہر وقت داؤد کے کسی بات پر ناراض ہو کر ہم سے دور چلے جانے کا خوف سر پر سوار رہتا ہے۔ تم جانتی ہو کہ ایسی صورتحال کو کن الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے کرن کی جانب دیکھا۔

''Dream come true'' (خواب حقیقت بن گئے)۔

کرن نے ایک لحظہ ضائع کیے بغیر جواب دیا۔

''اور جو کیفیت مجھ پر طاری ہے نا اس صورتحال پر اسے شادیٔ مرگ کہتے ہیں، غالباً۔

''غالباً نہیں یقیناً''۔ کرن نے زیر لب کہا۔

''مگر میں جانتی ہوں کہ یہ صورتحال زیادہ دیر قائم نہیں رہے گی۔'' شیریں کے ان الفاظ نے ان کی توقع کے عین مطابق کرن کو چونکا دیا۔

''ہاں!'' انہوں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہماری زندگیوں کا رخ پھر اک طوفان کی طرف مڑنے والا ہے، جس کا مقابلہ کرنے کی اذیت سے ہم کچھ عرصہ پہلے ہی آزاد ہوئے ہیں۔''

''مگر کیوں؟'' کرن نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

''شاید مجھے یہ بات نہیں کہنا چاہیے، مگر کہے بغیر چارہ بھی نہیں۔'' وہ اٹک کر بولیں۔ ''سچ یہ ہے کہ اس کی وجہ تم ہو۔''

''میں!'' کرن نے بے یقینی اور استعجاب کے ساتھ پوچھا۔

''ہاں تم!'' شیریں کے چہرے پر دکھ تھا اور بے بسی، انہوں نے اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔ ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ ایک ایسی بات کہنے جا رہی ہیں جس کو کہنے کا ان کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔

کچھ دیر پہلے کھڑکی کے باہر سے چڑیوں کی چوں چوں کی آوازیں آ رہی تھیں، مگر اب یوں لگتا تھا، جیسے فضا خاموش اور ساکت ہو چکی تھی۔ شیریں نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد آئیوی کی بیل کی طرف دیکھا۔ کاسنی پھول دھیرے دھیرے بند ہونا شروع ہو گئے تھے اور بیل کی نازک شاخ سے جھولتی چڑیا بھی غائب تھی، نازک سی خالی شاخ نامحسوس ہوا کے زور سے ہولے ہولے ہل رہی تھی۔

''کرن!'' کرن کے کانوں سے مسٹر جوزف کی آواز ٹکرائی۔ ''کرن...... ہاں کرن "Ray" ہوتی ہے تم بھی Ray ہو۔

Ray of hope (امید کی کرن) Ray of light (روشنی کرن) روشنی او رامید۔ جن کے سہارے دنیا کا کام چلتا رہتا ہے۔ انسانوں میں بہت کم انسان ایسے ہوتے ہیں، جنہیں خداوند دوسروں کا احساس کرنے کے لیے پیدا کرتا ہے۔ وہ لوگ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں۔ مجھے تمہارے سر پر خوش قسمتی کا تاج چمکتا نظر آ رہا ہے۔''

Blessed are you for whom is the kindom of heven.

"Blessed" پھر اس نے خود سوال کیا۔ جسے دوسروں کو خوشیاں عطا کرنے کی کوشش میں اپنی چند روزہ خوابوں کی دنیا اجاڑ دینا پڑے وہ Blessed ہوتا ہے۔ اس کے سر پر خوش قسمتی کا تاج چمکتا ہے۔ ارے کیا ایسا ہو سکتا ہے، نہیں یہ غلط ہے ایسے لوگ Blessed (رحمت) نہیں۔ "Deprived" ہوتے ہیں اور میرے ساتھ تو ہمیشہ سے ہی ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ میں پیدائشی طور پر "Depriveds" کی فہرست میں شامل ہوں، ہمیشہ اسی فہرست میں شامل رہوں گی۔''

''آپ فکر مت کیجیے۔'' پھر اس نے شیریں کو مخاطب کیا۔ ''مجھے لوگوں کے گھروں کا سکون اور خوشیاں بہت بھاتی ہیں، اور داؤد سے منسوب ہر چیز اور ہر شخص مجھے بہت عزیز ہے، آپ یقین کیجیے میں آپ کے گھر کا سکون اور خوشیاں ہرگز نہیں اجاڑوں گی، میں سمجھ سکتی ہوں کہ آپ نے زندگی کن کانٹوں پر چل کر گزاری ہے، میں آپ کو مزید آبلہ پا نہیں ہونے دوں گی۔''

''میرا دل کٹ رہا ہے، اور اسے سکون کبھی نہیں ملے گا۔'' شیریں نے اپنے آنسو ٹشو پیپر میں جذب

کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر مجھے انتخاب کا حق ہوتا تو میں اپنے بیٹے کے لیے صرف تمہارے جیسی لڑکی منتخب کرتی، اگر مجھے فخر کرنے کی آزادی ہوتی تو میں فخر سے سر بلند کر لیتی، اس بات پر کہ تم میرے بیٹے کا انتخاب ہو، اگر مجھے کھل کر خوش ہونے کا حق ہوتا تو میں خوشی سے پھولے نہ سماتی کہ داؤد تمہارے ساتھ وہ زندگی گزارے گا، جو اس کی پسندیدہ ترین زندگی ہو، مگر میری بدقسمتی یہ رہی ہے کہ داؤد کے سلسلے میں مطمئن اور خوش ہونا میرے نصیب میں لکھا ہی نہیں گیا۔ کیا تم کبھی مجھے معاف کر سکو گی؟''

کرن نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا، اب اس کی نظریں آئیوی کی بیل پر ٹک گئی تھیں، جس پر کھلے پھول بالکل بند ہو چکے تھے، اور اس کے نم نازک پتے لچکیلی شاخوں پر ٹکے ہولے ہولے ہل رہے تھے۔ اسے اچانک شدید تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ باہر گیٹ پر ہارن کی آواز آ رہی تھی۔ داؤد شیریں کو لینے آیا تھا۔ وہ انہیں دروازے تک رخصت کرنے آئی۔ باہر نکلنے سے قبل انہوں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس کو گلے سے لگا لیا۔

''ہے تو بہت مشکل، مگر مجھے معاف کر دینا۔'' انہوں نے بمشکل کہا تھا۔

اس نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد اس نے پلٹ کر آسمان کی طرف دیکھا، جس پر ملگجا اندھیرا اچھل رہا تھا۔ فضا پر ہو کا عالم طاری تھا، گھر کی عمارت تاریکی میں ڈوب رہی تھی، دادا اور دادی اس کی پھوپھو سے ملنے گئے ہوئے تھے اور وہ گھر میں تنہا تھی، یکبارگی اس پر وحشت اور تنہائی کے احساس نے بھرپور حملہ کر دیا تھا۔ اسے محسوس ہونے لگا تھا جیسے تین وقت اس کی زندگی میں عمر بھر کا بسیرا کر کے بیٹھ گئے تھے۔ اس کی ماں کی موت کا وقت، پھر اس کے باپ کی موت کا وقت، اور اب یہ تیسرا وقت تھا۔ اس کی خواہشات اور خوشیوں کی موت کا وقت، سہانے خوابوں اور خوشگوار امکانات کی موت کا وقت، اس وقت پر ہمیشگی چھائی ہوئی تھی اور اس کا مستقبل بال کھولے گزرے ہوئے ان وقتوں کے غم میں ہولے ہولے بین کر رہا تھا۔



''کیا بات ہے آپ اتنی خاموش کیوں ہیں؟''

داؤد نے سرخ بتی کے جلنے پر گاڑی روکتے ہوئے شیریں سے پوچھا۔ پچھلے پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے دوران ان دونوں کے درمیان خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ انہیں کرن کے گھر سے لے کر واپس لوٹ رہا تھا۔ اس نے دانستہ شیریں سے فوراً کرن کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ وہ ان کے چہرے کے تاثرات سے ہی اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''آپ کو کرن کیسی لگی؟'' ان کی طرف سے کوئی جواب نہ آنے پر اس نے ڈرتے ڈرتے دوسرا سوال پوچھا۔

''بہت اچھی، بلکہ بہت ہی اچھی، وہ کسی بہت خوش قسمت لڑکے کی ہی چوائس ہو سکتی ہے۔'' ان کے جواب نے داؤد کے دل میں اٹھتے وہموں کو ایک لمحے میں ختم کر دیا تھا اور اس کا دل کھل سا اٹھا تھا۔

''آپ خوش ہوئیں اس سے مل کر؟'' اس نے اپنی خوشی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، مگر وہ جانتا تھا کہ خوشی اس کے لہجے سے خود بخود عیاں ہو رہی تھی۔

''ہاں میں خوش ہوں کہ میں ایک ایسی لڑکی سے ملی، جیسی لڑکیوں کے بارے میں میرا خیال تھا کہ اب وہ ناپید ہو چکی ہیں۔'' انہوں نے سامنے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے یقین تھا کہ آپ اس سے ملنے کے بعد ایسا ہی کہیں گی، آپ نے اس کی شخصیت کے بارے میں صحیح اندازہ لگایا، ایسی لڑکیاں اب کم کم ہوتی ہیں، یہ میری خوش قسمتی ہے کہ وہ مجھے مل گئی اور اس سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس نے مجھے قبول کر لیا۔'' داؤد سے اپنی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

شیریں کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔ ''کیا یہ اتنا خوش پہلے بھی کبھی ہوا تھا؟'' وہ سوچ رہی تھیں۔

''امی! اب آپ جلد فیصلہ کر لیں کہ آپ کو کرن کے گھر کب جانا ہے؟'' وہ کہہ رہا تھا۔

''وہ تو ابھی پڑھ رہی ہے بیٹا!'' انہیں اپنی آواز اجنبی سی لگ رہی تھی۔

''پڑھائی تو ہوتی رہے گی، میں چاہتا ہوں کہ یہ تعلق کنفرم ہو جائے، مجھے یوں اس سے ملنا کچھ عجیب سا بھی لگتا ہے، مگر یہ مجبوری ہے۔ آپ آج ہی ابو سے بات کر لیجیے گا اور سعود اور فہد بھائی سے بھی۔''

''ہوں!'' شیریں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''روشی کے سسر بیمار اور ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں، تم کسی وقت ان کی عیادت کے لیے ضرور جانا۔'' انہوں نے یقیناً موضوع بدلنا چاہا تھا۔

''ہاں ضرور، میں کل ہی ان کے پاس جاؤں گا۔''

شیریں کے دل کی ایک دھڑکن مس ہو گئی، یہ وہ داؤد تھا جو پہلے رشتوں اور تعلقات کو کبھی اہمیت نہیں دیتا تھا، اس کی آدم بے زاری سے ڈر کر انہوں نے اس سے کبھی بھی ایسی کوئی فرمائش نہیں کی تھی، کیا کبھی انہوں نے سوچا تھا کہ وہ کسی ایسی بات پر یوں خوشی خوشی مان جائے گا۔ یہ سب اس لڑکی سے تعلق کا کمال تھا، وہ لڑکی جو بظاہر دیکھنے میں بہت عام سی لگتی تھی، مگر اس میں کچھ خاص بات تھی، ایسی خاص بات جو اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر نظر آتی تھی، انہیں اپنی خود غرضی پر افسوس ہونے لگا، مگر پھر انہوں نے اپنا دھیان کسی اور بات کو سوچنے پر لگا دیا، مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کا یہ لمحہ بھر کا افسوس آنے والے وقت میں ایک طویل پچھتاوے میں تبدیل ہونے والا تھا، ایک ایسا پچھتاوا جس کا تدارک ان کے لیے ناممکن بن جانے والا تھا۔



''تمہارے لیے میری محبت میں ہر روز اضافہ ہوتا جاتا ہے، گزرے ہوئے کل کی نسبت میں آج تم سے زیادہ محبت کرتا ہوں اور آنے والے کل میں آج سے زیادہ۔''

کرن نے کاغذ کے اس ٹکڑے کو اپنی ڈائری میں گھسا دیا، جو داؤد نے اسے دیا تھا۔ اس پر لکھے الفاظ کو پڑھ کر اس کے دل میں درد کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔

''اتنی مخلص، سچی اور بےلوث محبت سے منہ موڑنا آسان ہو سکتا ہے؟''

اس نے خود سے سوال کیا۔

وہ محبت کے فلسفے پر بالکل بھی یقین نہیں رکھتی تھی، اس کے نزدیک یہ ایک اضافی چیز تھی، زندگی میں ایسے بہت سے دوسرے مسائل ہوتے ہیں جن کا سامنا کرنا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ یہ اس کا نظریہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کے جوڑے بنا رکھے ہیں، اس بات کو وہ مانتی تھی، مگر اس کا خیال تھا کہ ہر انسان کا ساتھی خود بخود اس سے آملتا ہے، کیونکہ وہ ہر حال میں اس کا مقدور ہوتا ہے۔ وہ کتابوں اور کہانیوں میں لکھے محبت کے قصوں پر ذرہ برابر بھی یقین نہیں رکھتی تھی، اس کے خیال میں یہ سب بکواس اور وقت کا ضیاع تھا۔ مگر داؤد نے اس کے ایسے ہر فلسفے اور نظریے کو غلط ثابت کر دیا تھا، وہ بغیر آہٹ پیدا کیے اس کی زندگی میں داخل ہوا تھا، اور اس نے اس کی زندگی میں یوں قیام کرنا شروع کر دیا تھا کہ اس کا ایک لازمی حصہ بننے لگا تھا۔ اس کی گفتگو سن کر کرن کو اپنا آپ معتبر محسوس ہوتا تھا، اور اس کا وہ جس طرح احترام کرتا تھا، اسے لگتا تھا جیسے اس سے زیادہ اہم دنیا میں کوئی دوسری لڑکی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ اس سے اکثر کہا کرتی تھی۔ ''تمہیں تمہارا تجسس مجھ تک لے آیا؟'' اور وہ ہنس کر جواب دیتا۔ ''نہیں میں نے تمہیں دریافت کیا ہے، میں تو انسانی شخصیت کی خوبصورتی کی کھوج لگاتا لگاتا تم تک پہنچا ہوں۔''

وہ اس کے خلوص سے اور نیک نیتی سے انکار نہیں کر سکتی تھی، شیریں کو اس کے گھر لے کر آنا اس کے خلوص کا سب سے بڑا ثبوت تھا، وہ اس سے ایک مضبوط اور پائیدار تعلق استوار کرنا چاہتا تھا، کرن کو اپنی خوش قسمتی پر یقین آنے لگا تھا، مگر شیریں کی آمد ایک ڈراؤنا خواب ثابت ہوئی تھی، وہ اس سے ایک ایسی توقع لے کر آئی تھیں، جس کو پورا کرنے کا مطلب اپنے چند روزہ خوابوں کا محل مسمار کر دینا تھا۔

شیریں کے چلے جانے کے بعد اس نے خود سے بارہا یہ سوال کیا تھا، کیا وہ ایسا کرنے کی ہمت رکھتی ہے اور اس کو ہر بار اپنے سوال کا جواب نفی میں ملا تھا۔ اس کی خوشی سے زیادہ داؤد کی خوشی اہم تھی، بنا مانگے اتنی توجہ اور اتنی محبت کا وسیلہ جو شخص بنا تھا، وہ جواب میں بہت کچھ ڈیزرو کرتا تھا، وہ کچھ قدرتی اور خود ساختہ مسائل کا شکار شخص اس سے بڑی توقعات رکھتا تھا، کرن کو بہت اچھی طرح علم تھا کہ وہ داؤد کی زندگی میں کتنی اہمیت رکھتی ہے، اس نے اپنے آپ سے داؤد کو ہمیشہ خوش رکھنے کا عہد کر لیا تھا۔ مگر اب اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اور داؤد ایک ایسی تکون کا حصہ تھے جس کے تیسرے کونے پر شیریں موجود تھیں۔ داؤد سے ان کا تذکرہ سن کر وہ بغیر ملے شیریں سے ایک عجیب سا تعلق محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ داؤد یا خود شیریں کے بغیر بتائے ہی اس کیفیت کا اندازہ کر سکتی تھی، جس میں وہ تمام عمر رہی ہوں گی، مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کیفیت میں عمر گزار

دینے کا مداوا وہ اس سے چاہیں گی۔

شیریں کے جانے کے بعد کئی دن تک اس نے صورتِ حال پر غور کیا اور پھر فیصلہ کر لیا وہ اس مثکون کے اس تیسرے کونے کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اسے مکمل گھر کی زندگی گزارنے کا تجربہ نہیں تھا، مگر اسے وہ گھرانے اچھے لگتے تھے، جہاں باہمی ہم آہنگی، محبت اور سکون نظر آتا تھا۔ اسے آسودہ اور مطمئن چہرے بھی اچھے لگتے تھے۔ اسے بہت اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ شیریں کے گھر کا سکون اور آسودگی برباد کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔



''انسانیت!'' سراج الدین نے فٹ پاتھ پر ترتیب سے دھری کتابوں کو اس کپڑے سے جھاڑتے ہوئے کہا جو لکڑی کے ایک چھوٹے سے ڈنڈے کے سرے پر بندھا تھا۔ ''ناپید ہوئی نہیں ہونے کو ہے۔''

''کوئی انسانیت باقی نہ رہی لوگوں میں۔'' اس کے مخاطب کے انداز میں تلخی تھی۔

''یہاں دن بھر خریداروں کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں اور وہ کبھی آتے ہیں تو کیسی حقارت سے چند روپوں کے عوض علم کے بے پایاں خزانے خرید کر لے جاتے ہیں، یہ بھی احساس نہیں کرتے کہ ہمارے یہ فٹ پاتھ تو انمول خزانے ہیں، ہم اس گودڑ میں لعل نہ لے کر بیٹھے ہوں تو یہ کہاں سے خریدیں گے، میں نے تو انسانیت نہیں دیکھی کبھی کسی نظر میں، کسی رویے میں اور کسی بول میں۔''

''مگر میں نے دیکھی ہے۔'' سراج الدین نے تصور میں کسی کا چہرہ یاد کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''یہ جو میری رگوں میں تازہ خون دوڑتا ہے نا یہ خدا کے بعد انسانیت کی ہی دین ہے۔'' اس نے اپنے مخاطب کے سامنے اپنا نحیف بازو رکھا۔ ''اور یہ جو میں جیب میں زندگی بخش دوائیں لیے پھرتا ہوں نا، یہ بھی انسانیت کی دین ہیں، اور یہ جو میں کٹی پھٹی کتابوں پر خوشنما ٹائٹل چڑھائے بیٹھتا ہوں نا یہ بھی انسانیت کی دین ہیں۔''

اس نے سر جھکا کر فٹ پاتھ پر ایک ترتیب سے رکھی کتابوں کو دیکھا۔

''حرماں نصیب...... ہاؤسنگ سوسائٹی، ایک دن۔

Far from the mading crowd

David copperfield.

تلخیاں، ساغر صدیقی کی بہترین غزلیں۔ اس کے سامنے رکھی سب کتابوں پر خوبصورتی سے ٹائٹل چڑھے ہوئے اور موٹے مارکر سے خوبصورت لکھائی میں اردو اور انگریزی ادب کی بہترین کتابوں کے نام لکھے تھے۔

اسے اس وقت خود پر فخر محسوس ہونے لگا، وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنے جا رہا تھا جو اپنی محرومیوں کا ازالہ دوسروں کی محرومیوں کا ازالہ کر کے کرتی تھی۔ وہ ایک خاموش Philantherapist تھی،

دوسروں کی مدد کے لیے اس کے پیمانے بہت محدود تھے، کسی کو نظر نہ آنے والے، اسے کوئی اعتراف، میڈل یا اعزاز نہ ملنے والا تھا، مگر اس وقت داؤد کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ نامی گرامی سماجی کارکنوں پر بھاری ہے۔ اسے خود اپنا آپ یا اور اپنے کئی ایسے جاننے والے جن کو بہت توفیق حاصل تھی، مگر جنہیں کبھی کسی کے کام آنے کا خیال چھو کر بھی نہ گزرا تھا، الٹا ان میں سے کئی ایک حالات کی سختی کا رونا روتے تھے، ہاتھ تنگ رہنے کی شکایت کرتے تھے۔

''میں جس انسانیت کو جانتا ہوں، اس کا نام کرن شہزاد ہے۔'' اس نے بابا سراج کو کہتے ہوئے سنا۔

''صرف ایک نام؟'' داؤد نے سوالیہ نظروں سے بابا سراج کی جانب دیکھا۔

''نہیں صرف ایک نام نہیں ہے۔ مگر میرا تعارف صرف ایک نام سے ہوا۔'' اس نے جھاڑن رکھ کر داؤد کی طرف دیکھا۔ ''باؤ صاحب! خون کے کینسر کا مریض ہونا آسان کام نہیں ہے، اور وہ بھی اس غربت اور تنگ دستی میں۔'' داؤد نے ان کے زرد پڑتے چہرے کی طرف دیکھا اور ان ہاتھوں کی طرف جن کی تمام نسیں کھینچی ہوئی تھیں اور جو پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ کسی مریض کے ہاتھ ہیں۔

''دیکھو ذرا اپنے اردگرد دیکھو۔'' بابا سراج نے فٹ پاتھ کے دونوں اطراف چلتی ٹریفک اور لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''کتنے بے شمار انسان ہیں، انسانوں کی کمی ہرگز نہیں ہے، مگر انسانیت کہاں ہے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے سوالیہ نظروں سے داؤد کی جانب دیکھا۔

''مجھے یہاں اس فٹ پاتھ پر بیٹھے کئی سال ہو گئے، ان چلتے پھرتے انسانوں نے مجھے ایک غریب کتب فروش سے بڑھ کر کبھی کچھ نہیں سمجھا، کبھی کسی کو ضرورت ہوئی تو ایک آدھ کتاب دیکھ کر چلے گئے، مطلب کی لگی تو خرید لی، ان کے لیے میری اور اس سڑک پر بکھری لاتعداد بے جان اشیاء کی حیثیت ایک سی ہے، میں بھوکا سوتا ہوں یا پیٹ بھرے، میری جیب میں سو روپیہ ہے یا پانچ روپے کا سکہ میرے سر پر چھت ہے یا نہیں، میں بیمار ہوں یا تندرست، کسی کو کوئی غرض نہیں، ایسے میں جس کی نظر مجھ پر اس انداز میں پڑے کہ اسے ظاہر، باطن سب نظر آ جائے، میرے لیے تو وہی انسانیت ہے باؤ صاحب!''

''تم ٹھیک کہتے ہو بابا سراج! ہم سب صرف آدمی ہیں، انسان نہیں۔'' داؤد نے اعتراف کیا۔

''کیا میں یہ کتب دیکھ سکتا ہوں۔'' اس نے بابا سراج کے قریب رکھی ان کتابوں کی طرف اشارہ کیا جو اوپر نیچے رکھی تھیں۔ بابا سراج نے وہ کتابیں اس کی طرف بڑھا دیں۔ کرن کے ہاتھ سے لکھے ان کتابوں کے ٹائٹل دیکھ کر داؤد کو ایک انجانی سی خوشی ہوئی۔

''آپ مجھے اس طرح کے ٹائٹل چڑھی تمام کتابیں دے دیں۔'' اس نے بابا سراج سے کہا۔ ''بابا سراج کی آنکھوں میں واضح حیرت اتر آئی۔ کتابوں کے خریدار نے ان کے عنوان پڑھنے بھی گوارا نہیں کیے تھے۔ وہ تمام کتابیں اکٹھی کرنے کے بعد اس نے ان کی قیمت کا تخمینہ لگایا۔ اور ایک چٹ پر قیمت لکھ کر داؤد

کی طرف بڑھا دی۔ داؤد نے اپنے والٹ سے پیسے نکال کر رقم ادا کی اور کتابوں کے شاپر اٹھا کر اپنی گاڑی کی طرف چل دیا۔ چند قدم آگے جا کر وہ اچانک پیچھے مڑا اور بابا سراج کے قریب آ گیا۔

''حیران مت ہوں بابا جی! یہ اس لیے ہے کہ کیونکہ مجھ جیسے عام سے آدمی کو انسانیت سے پیار ہو گیا ہے۔''

وہ دوبارہ واپس مڑ کر اپنی گاڑی کی طرف چل دیا۔ اور تیزی سے رواں دواں آتی جاتی گاڑیوں اور پیدل چلتے لوگوں میں قریب سے دور جاتے اس شخص کو دیکھتے ہوئے بابا سراج کی آنکھوں میں اچانک پانی اتر آیا تھا۔



''تم نے داؤد سے بات کی؟'' ایک روز ناشتے کی میز پر بیٹھے سلمان صاحب نے اچانک شیریں سے پوچھا۔

''کون سی بات؟'' شیریں نے ایک دم جیسے چونکتے ہوئے کہا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' شیریں نے بے اختیار اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

''یونہی!'' سلمان صاحب نے اخبار پر نظر جمالی۔ ''میں نے محسوس کیا ہے کہ تم اکثر غائب دماغی کی سی کیفیت میں رہنے لگی ہو اور اکثر باتوں پر چونک جاتی ہو۔''

''نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' شیریں کو احساس ہوا کہ وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، لیکن پھر بھی انہوں نے سلمان صاحب کی بات کی نفی کرنے کی کوشش کی۔

''شاید مجھے غلط فہمی ہوئی ہو۔'' سلمان صاحب نے ان کی بات تسلیم کر لی۔ سلمان کا یہ بدلا ہوا رویہ بہت حوصلہ افزا تھا۔ شیریں نے کچھ کہنے کے لیے گلا کھنکھارا، ان کے خیال میں سلمان سے داؤد کی پسند کا ذکر کرنے کا یہ بہترین موقع تھا۔

''زاہد اپنی بیٹی کی شادی جلد کر دینے کا خواہش مند ہے۔ اس کی بیوی کی صحت کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔'' ان کے کچھ کہنے سے پہلے سلمان نے کہہ دیا۔ ''تمہیں داؤد سے بات کر لینی چاہیے تھی۔''

''وہ سی ایف اے ٹو کی تیاری میں مصروف رہتا ہے، آفس سے فارغ ہونے کے بعد سٹڈی سنٹر چلا جاتا ہے اور رات گئے لوٹتا ہے، ہفتے میں چار دن شام کے وقت اس کی کلاسز ہوتی ہے، اس سے بات کس وقت کروں؟'' شیریں نے ایک بودا سا بہانہ گھڑنے کی کوشش کی۔

''ویک اینڈ بھی تو آتا ہے نا!'' سلمان صاحب ان کے بہانے کو بہانہ نہیں سمجھے تھے، اس لیے انہوں نے انہیں بات کرنے کا مناسب وقت بتایا۔

''ویک اینڈ۔'' شیریں نے دُہرایا۔ ''اتوار کو صبح دس بجے اس کی کلاس شروع ہو جاتی ہے اور وہ شام

سنا بے فارس ہوتا ہے، پھر کسی دوست کے ساتھ ملاقات، کسی کولیگ کے ساتھ کہیں گھومنے پھرنے، یہ ہی اس کی روٹین ہے، یہ بات اتنی اہم ہے کہ آتے جاتے، کھانا کھاتے جیسی مختصر نشست میں نہیں کی جا سکتی۔''

''!لو پھر میں بات کرلوں گا اس سے، خاص طور پر بٹھا کر۔'' وہ ہولے سے مسکرائے۔

''اگر میں اس سے کہوں کہ مجھے اس سے ایک ضروری بات کرنی ہے تو وہ مجھے انکار نہیں کرے گا نا یا کردے گا؟'' وہ شیریں سے پوچھ رہے تھے۔

''میں کرلوں گی اس سے بات......'' شیریں ان کی بات سن کر گھبرا گئیں، سلمان کے خود بات کرنے کا تصور ہی انہیں ہولا گیا تھا۔ ''جلد ہی کرلوں گی، آپ فکر نہ کریں۔''

''ہاں چاہتا تو میں بھی یہ ہی ہوں کہ تم خود اس سے بات کرو، یہ بہتر ہوگا۔'' سلمان صاحب نے حسب عادت بحث نہیں کی تھی۔ شیریں کو کڑا امتحان درپیش تھا، مگر انہوں نے اس وقت سکھ کا سانس لیا۔

وہ داؤد کے رویے کو غور سے دیکھتی تھیں، اس کے رویے میں وہ کرن کے ردعمل کی جھلک ڈھونڈنے کی کوشش کرتی تھیں، انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کرن کا ردعمل یا تو داؤد کو ہمیشہ کے لیے ان سے دور کردے گا یا پھر خود کرن کو داؤد سے دور لے جائے گا، ان دونوں صورتوں سے وہ خود کس کی خواہش مند تھیں۔ یہ وہ ابھی تک نہ جان پائی تھیں۔



''تم کہاں مصروف رہتی ہو بھئی، مل کر ہی نہیں دیتیں، آج یہاں لینگویج سینٹر میں تمہارا کافی دیر انتظار کرنے کے بعد تھک کر تمہیں فون کر رہا ہوں۔'' کرن نے داؤد کی آواز سنی اور آنکھیں بند کرلیں۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں امتحان میں مصروف ہوں۔'' امتحان کے لفظ سے اس کی کیا مراد تھی بھلا کرن نے کہنے کے بعد سوچا۔

''ایسا بھی کیا امتحان کہ تمہارا مجھ سے رابطہ ہی ختم ہوگیا۔'' داؤد نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے ملنا اور تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں پلیز، کیا ایسا ممکن ہے؟''

''مجھے سارے دن میں لمحہ بھر کی فرصت بھی نہیں ملتی داؤد، کیا کروں؟'' کرن کو لگا، اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''کیا بات ہے، تم ٹھیک تو ہونا؟'' داؤد کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''ہاں، میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''نہیں تم ٹھیک نہیں ہو۔'' داؤد نے اس کی بات نہیں مانی۔ ''تم اپنا ذرا سا بھی خیال نہیں رکھتیں، موسم بدل رہا ہے اور تم نے بتایا تھا کہ زیادہ سردی میں تمہیں سائنس کا مسئلہ ہو جاتا ہے یقیناً یہ ہی مسئلہ ہو رہا ہے۔ تمہاری آواز بدلی ہوئی ہے، ڈاکٹر کو دکھایا تم نے، پلیز ڈاکٹر کو دکھاؤ۔''

''ارے ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔'' داؤد کے الفاظ کرن کے دل پر کیا اثر کر رہے تھے، یہ وہ نہیں جانتا تھا۔

''نہیں میں تمہیں ایسی کوئی لاپروائی نہیں کرنے دوں گا، جس سے تمہاری صحت متاثر ہو، تم سچ بتاؤ تمہیں سانس کا مسئلہ ہو رہا ہے نا، تمہاری آواز سے صاف پتہ چل رہا ہے۔

''نہیں ہو رہا بھئی، تمہیں کیسے یقین دلاؤں؟''

''اچھا تمہارے پاس انہیلر تو ہے نا؟''

''ہاں ہے۔''

''بس اسے اپنے پاس رکھا کرو ہر وقت، بہتر تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ ڈاکٹر کو دکھا لو، جب ہماری شادی ہو جائے گی، نا میں تمہیں کبھی خود سے اتنی لاپروائی نہیں کرنے دوں گا۔ میں تمہاری صحت کا بہت خیال رکھوں گا، تم اپنی صحت کا بالکل بھی خیال نہیں رکھتیں۔''

اس کی اتنی توجہ محسوس کر کے کرن کا دل کٹنے لگا۔ ''اچھا اب مجھے پڑھنے دو گے یا نہیں۔'' اس نے بمشکل الفاظ بولے تھے۔

''ہاں ضرور، تم پڑھو، مجھے تو صرف تمہاری آواز سننا تھی، اب میں ٹھیک ہوں، پلیز اپنا بہت خیال رکھنا۔'' وہ فوراً مان گیا۔

''ہاں ضرور!'' کرن کی آواز ایک مرتبہ پھر بھرا گئی تھی۔

اس کا ذہن کئی مرتبہ کی سوچی باتیں سوچنے کی طرف مائل ہونے لگا تھا، مگر اس نے سختی سے ذہن میں آئی باتوں کو جھٹک دیا اور اپنے نوٹس کی طرف متوجہ مبذول کر لی۔ پڑھنے کے دوران بھی اسے محسوس ہوتا رہا کہ اس کا ذہن کچھ اور سوچنا چاہتا تھا مگر وہ اسے سوچنے نہیں دے رہی تھی۔

''ہاں تمہارے ساتھ میں اب سے ایسا ہی کروں گی۔'' اس نے اپنے ذہن کو فیصلہ سنانے کی کوشش کی، اسے احساس نہ ہو سکا تھا کہ اس کے ایسا کرنے پر اس کا دل ہولے سے مسکرا دیا تھا۔



یہ شہر اور اس کا مزاج انہیں پسند آ گیا تھا۔ وہ خود ایران کے شہر قم کے رہنے والے تھے، اور اس پختہ عمر تک پہنچتے پہنچتے انہوں نے اپنے وطن کو بہت سے اتار چڑھاؤ سے گزرتے دیکھا تھا۔ وہ ایک معتدل مزاج قوم کے فرد تھے، ایک ایسا فرد جس کی اپنی زندگی ضروریات کے حصول کے لیے مسلسل کوشش اور محنت کرتے گزری تھی۔

انہیں اپنی طالب علمی کا زمانہ یاد آتا تھا، جب وطن انقلاب کے دور سے گزر رہا تھا، اور پھر وہ زمانہ، جب وطن جنگ کی لپیٹ میں آ کر خون رنگ ہو رہا تھا۔ اسی دور میں انہوں نے مترجم کی حیثیت سے ایک

ادارے میں اپنی پیشہ ورانہ......زندگی کا آغاز کیا تھا اور اسی حیثیت سے وہ مختلف اداروں میں کام کرتے کرتے اس ادارے میں پہنچے تھے، جس کو حکومتی سرپرستی حاصل تھی، اور اسی حیثیت میں وہ ادارے کی طرف سے اس ملک میں بھجوائے گئے تھے۔ جس کے بارے میں انہوں نے کم ہی پڑھ اور سن رکھا تھا، حالانکہ یہ ایک برادر ہمسایہ ملک تھا اور یہاں کے لوگ ان کے ہم مذہب بھی تھے۔ انہیں اس ملک میں آمد کے بعد کا وہ اولین زمانہ بھی یاد آتا تھا، جب وہ اکثر اداس رہتے تھے اور انہیں انگور کی سرسبز بیلوں اور پھل سے لدے باغات سے سجے اپنے قصبے کی یاد اکثر اداس کرتی تھی۔ انہوں نے اس نئے وطن اور شہر کے مزاج میں دلچسپی لینے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی تھی، اور وہ محض اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں پوری کرنے میں مشغول رہتے تھے، پھر انہیں اس وطن کی زبان سیکھنے کے لیے کہا گیا، یہ بھی ایک پیشہ ورانہ ذمہ داری تھی۔ زبان سیکھنے کے دوران انہیں معلوم ہوا کہ یہ زبان تو ان کی اپنی زبان کی تقریباً بہن جیسی زبان تھی۔

انہیں اس میں دلچسپی محسوس ہونے لگی اور زبان کو سیکھنے کے راستے پر چلتے چلتے وہ اس ملک کی تاریخ اور ثقافت سے بھی روشناس ہونے لگے اور پھر یہ سب ان کے مزاج کو راس آ گیا۔ وہ اس ماحول میں رچ بس گئے۔ لینگویج سینٹر میں آنے والے مختلف عمروں کے لوگوں سے ان کی واقفیت بڑھنے لگی، مقامی زبان میں ان کی دلچسپی بڑھ گئی اور انہیں اپنی مخصوص نوکری کے علاوہ ترجمہ کرنے کا کام بھی ملنے لگا، وہ تصویر کشی کے ماہر تھے، مقامی جریدوں سے منسلک کچھ لوگوں سے ملاقات کے بعد ان کو ان جریدوں میں شائع ہونے والے مواد کے مطابق سکیچ بنانے کا کام بھی ملنے لگا، یوں ان کی معاشی حالت اپنے وطن کی نسبت زیادہ آسودہ ہو گئی، وہ خوش اور مطمئن تھے، مگر پھر ایک حادثے نے ان کے دائیں ہاتھ کو کمزور کر دیا، بہت سا علاج اس ہاتھ کو صرف اس قابل بنا سکا کہ وہ روزانہ کے معمول کے کام اس سے سرانجام دے سکیں، تصویر کشی جو ان کا مرغوب کام تھا، ان کے اختیار میں نہیں رہی۔

ان کی آمدنی کا ایک اچھا ذریعہ تصویر کشی بھی تھا۔ قلم پر بہت دیر تک گرفت نہ رکھ سکنے کے باعث تحریری مواد ترجمہ کرنے کا کام بھی تقریباً چھوٹنے لگا۔ وہ ایک مرتبہ پھر معاشی طور پر پیچھے چلے گئے۔

اس ملک کے لوگ محبت کرنے والے اور مخلص تھے۔ ان کے بہت سے شناساؤں نے ان سے اظہار ہمدردی کیا، اور مدد کے وعدے بھی، مگر یہ وعدے وعدے ہی رہے، اس مسئلہ نے ان کو ایک مسلسل ذہنی تناؤ میں مبتلا کر دیا تھا اور اس ذہنی تناؤ کے باعث شاید جلد ہی وہ یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیتے، جب سینٹر میں آنے والی اس لڑکی نے بنا کہے سنے ان کے لیے اسکیچنگ کا کام ازخود شروع کر دیا تھا۔ یہ ایک خاموش مالی معاونت تھی۔ انہوں نے اسے منع کرنے کی کوشش کی تو اس نے انہیں خاموش کرا دیا۔ ادارے کی جانب سے ان کے مشاہرے میں اضافہ ہوا اور وہ اچھے دن جو خواب ہونے لگے تھے، آہستہ آہستہ لوٹ آئے۔ کرن شہزاد کے بنائے ہوئے اسکیچ ان کے نام سے کئی جرائد میں شائع ہوئے تھے اور ان کو دیکھتے ہوئے منوچہر علی اکثر

سوچتے تھے کہ اس نئے وطن سے ان کا اصل تعارف اس لڑکی کی صورت میں ہوا تھا۔

☆

''میں کچھ عرصہ کے لیے یہاں سے کہیں اور جا کر رہنا چاہتی ہوں۔'' کرن نے یہ بات دادا سے اس وقت کہی تھی جب وہ اسے ایک معروف میگزین میں جاب آفر کے بارے میں بتا رہے تھے۔

''کہیں اور جا کر؟'' دادا چونک گئے تھے۔ ''کیا مطلب؟''

''میرا امتحان ختم ہو جائے تو تو میرا خیال ہے کہ میں کچھ عرصہ کے لیے سارہ کے پاس چلی جاؤں، فرقان بھائی نے کئی بار مجھ سے کہا ہے کہ مجھے گھومنا پھرنا اور دنیا دیکھنی چاہئے۔'' اس نے نیچی آواز میں کہا۔

''دادی بتا رہی تھیں کہ رضی چچا چاہتے ہیں کہ کچھ عرصہ آپ دونوں ان کے پاس گزاریں، مجھے معلوم ہے آپ صرف میری وجہ سے نہیں جاتے، پہلے تو پڑھائی کی مجبوری تھی، مگر اب میں اس سے فارغ ہو رہی ہوں، اب ایسی مجبوری نہیں رہے گی، آپ ضرور کچھ عرصہ کے لیے ان کے پاس چلے جائیں۔ ان کا بہت دل چاہتا ہے۔''

دادا نے عینک اتار کر اس کی طرف دیکھا، اپنی جس پوتی کو وہ جانتے تھے وہ اس گھر کے علاوہ کہیں اور رہنے پر کم ہی رضا مند ہوتی تھی۔ اپنے چچاؤں، پھوپھیوں اور ننھیالی رشتہ داروں کے پاس بھی وہ دن کے دن ہی جاتی تھی، بقول اس کے اسے کسی نئی جگہ پر نیند نہیں آتی تھی۔

''خیریت ہے؟'' انہوں نے مختصر سوال پوچھا۔

''جی بالکل!'' کرن نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ ''رضی چچا آپ کو اسپانسر کر رہے ہیں، پلیز اس مرتبہ انکار نہ کیجیے گا۔''

''عمر بڑھنے کے ساتھ انسان کی سوچ میں فرق آ جاتا ہے، ممکن ہے اس کا دل چاہتا ہو بہن کے پاس رہنے کو، اس کو قدیم تہذیبوں کے مطالعہ کا بہت شوق ہے ہمیشہ سے، فرقان جب سے مصر گیا ہے اسے ترغیب دے رہا ہے کہ یہ اس کے پاس جائے تو وہ اس کو وہاں کی تہذیب دیکھنے اور اس پر ریسرچ کرنے میں پوری مدد دے گا۔ ممکن ہے اس کا دل چاہتا ہو، ہمیں اس کی یہ خواہش رد نہیں کرنی چاہیے۔''

کرن کے چلے جانے کے بعد دادی جنہوں نے ابھی تک کرن کی انوکھی بات پر تبصرہ نہیں کیا تھا نے دادا سے کہا۔

''ہوں! وہ کچھ سوچ رہے تھے۔'' اس سے پہلے کبھی اس نے کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ اس لیے اس سے انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اس کے پیچھے کیا وجہ کارفرما ہے، اس نے تو ایسا یونہی نہیں کہہ دیا۔''

''آپ بات کی کھال نہ اتارا کریں، اس کا دل چاہا اس نے کہہ دیا، میں تو اب اس بات کی قائل ہو

رہی ہوں کہ بچوں کو ان کی مرضی میں کچھ آزادی ضرور دے دینی چاہیے۔ ہم نے جو ذمہ داری اٹھائی تھی، وہ پوری ہونے کو ہے، عمر نے مجھ سے کسی لڑکی کا ذکر کیا تھا جو اسے پسند ہے، وہ آپ سے ذکر کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا، اس لیے کہ وہ لڑکی ہماری برادری کی نہیں ہے، مگر میری رائے ہے کہ آپ اسے اس سے منع مت کیجیے گا، کیونکہ اب ہمارے دوسرے بچے اپنی اولاد کی شادیاں بذات برادری سے باہر کر رہے ہیں تو پھر ان بچوں پر پابندی کیوں، بہت زندگی انہوں نے سعادت مندی اور فرمانبرداری میں گزار لی، اب انہیں سوچنے اور فیصلہ کرنے میں آزادی دے دینی چاہیے۔''

دادا کے لیے اس صبح یہ دوسری غیر متوقع بات تھی، ان کی بیوی نے اپنے بنائے ہوئے اصولوں پر زندگی بھر سمجھوتہ نہیں کیا تھا۔ مگر اس روز وہ ان میں ایک بدلی ہوئی سوچ کو پڑھ رہے تھے۔

''شاید وقت بدل گیا ہے اور سچ بھی، اور میرا خیال ہے کہ میں خاصا بوڑھا ہو چکا ہوں۔'' انہوں نے اس روز خود سے کہا'' جب ہی میری سمجھ میں یہ تبدیلیاں نہیں آ رہیں، لیکن اگر میں مانتا ہوں کہ میرا جسم اور دماغ بوڑھے ہو چکے ہیں، تو مجھے ان تبدیلیوں کو مان لینا چاہیے اور خاموش رہنا چاہیے، یقیناً یہ ٹھیک ہی ہوں گی، کیونکہ میری بیوی کی رائے بھی غلط نہیں ہوتی۔''



''آپ مجھے جن ناموں سے بلاتے ہیں ان ناموں سے یاد مت کیجیے گا سر! کیونکہ فرشتہ ہونا، پھول ہونا اور انسانیت ہونا بہت مشکل کام ہے۔ ہم عام سے انسان ہیں، ہماری قسمت میں ان چیزوں کا ستارہ نہیں ہو سکتا، ہم اپنی حیثیت میں رہتے ہیں اور اسی حیثیت میں زندگی گزار کر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔''

دور تک پھیلی وسیع و عریض سڑک کو رات کی روشنیوں میں چمکتے دیکھتے ہوئے مسٹر جوزف کو کرن کی کہی بات یاد آئی۔

''اس دنیا میں ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو ہم سے کہیں بہتر ہیں، مگر فرشتہ ہونا ان کا بھی مقسوم نہیں، کاش ہم سب انسان ہونے کے معیار اور شرائط پر ہی پورے اتر سکیں۔'' مسٹر جوزف کی نگاہوں کے سامنے جابجا چمکتی روشنیاں جھلملانے لگیں۔

''یہ سب تو تم کہتی تھیں نا پیاری لڑکی!'' انہوں نے آنکھوں میں اترتے پانی کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''شاید تمہیں یہ خبر نہیں تھی کہ تمہارے چلے جانے کے بعد یہ اتنا بڑا لوگوں سے بھرا شہر ایک دم ویران ہو جائے گا اور اس ویرانی کو محسوس کرتے کرتے جب کوئی جوزف تمہیں یاد کرے گا تو اسے صرف کسی فرشتے، کسی معصوم پھول اور انسانیت کا ہی خیال آئے گا، اندھیرا بڑھ گیا ہے کرن، اور سرما کی شدت اپنے جوبن پر ہے مگر مجھے یہ احساس دلانے والا کوئی نہیں کہ مجھے گرم کپڑے پہن لینے چاہئیں اور مجھے یہ احساس دلانے والا بھی کوئی نہیں کہ سرما کی شدت کو کم کرنے کے لیے بینسن اینڈ ہیجز لائٹ وِنڈر فل رہیں گے۔''

جوزف گزری باتوں کو یاد کر رہا تھا اور بری طرح ٹھٹھر رہا تھا۔ اسے اپنے آنسو پونچھنے والا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا اور اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا، جیسے وہ گرنے والا ہو، وہ سائیڈ روڈ پر دو قدم آگے چلا اور ٹھوکر کھا کر گرنے لگا مگر زمین پر گرنے سے پہلے ہی دو ہاتھوں نے اسے تھام لیا۔



''آخر کب ختم ہوں گے تمہارے پیپرز، یہ کچھ زیادہ لمبے نہیں ہو گئے۔'' داؤد نے اس روز پھر اسے فون کیا تھا۔

''ہو جائیں گے، اپنے وقت پر۔'' جواب میں اسے کرن کا لہجہ بدلا ہوا سا محسوس ہوا۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم مجھے ٹال رہی ہو۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دل کی بات زبان پر لے آیا۔

''میں بھلا تمہیں کیوں ٹالوں گی۔'' کرن نے سنجیدہ سے لہجے میں جواب دیا۔ ''یہ بہت ہیکٹک ہے، تمہیں اندازہ نہیں ہماری فیلڈ ہی ایسی ہے، بھاگ دوڑ بہت ہے، ڈگری لینے کے لیے بہت خوار ہونا پڑتا ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہتی ہو، شاید میں ہی بے صبرا ہوں۔'' داؤد نے متذبذب انداز میں کہا۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں شاید اس لیے کہ مجھے تم سے روزانہ ملنے اور باتیں کرنے کی عادت ہو چکی ہے، تمہارے علاوہ اتنے عرصے میں میری کوئی ایکٹویٹی ہی نہیں رہی تھی۔ میں تم سے بات نہ کرلوں تو مجھے لگتا ہے میرا دن گزرتا ہی نہیں۔''

''کریزی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہاں، میں تمہارے سلسلے میں واقعی کریزی ہوں۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''مجھ سے ملنے سے پہلے تم کیا کرتے تھے؟''

''اس سے پہلے مجھے اپنی زندگی میں ایک خلا سا محسوس ہوتا تھا۔ بے مقصد زندگی Pointless، کوئی معنی نہیں تھا اس زندگی کا۔ مجھے اعتراف ہے کہ تم نے میری زندگی کو ایک خوبصورت اور خوش کن تجربے میں بدل دیا ہے۔'' داؤد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''وہ کیسے؟''

''یہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ کیسے میرے مزاج اور شخصیت میں اتنی واضح تبدیلیاں آئی ہیں کہ وہ لوگ جو میرے نسبتاً زیادہ قریب ہیں ان کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکے، وہ مجھے اکثر بتاتے رہتے ہیں۔''

''تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ تم پہلے ہی بہت اچھے تھے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک مکمل برا انسان اچانک کسی سے ملنے کے بعد اچھا انسان بن جائے۔ ایسے معجزے صرف پیغمبروں اور اولیاء کا خاصا رہے ہیں، ایک عام انسان کے بس کی یہ بات ہی نہیں۔ تمہارا دل سونے کا سا تھا ہمیشہ سے ہی بس تمہارا دھیان ہی نہیں گیا اس طرف......''

''اگر چہ میں تمہاری اس بات سے بالکل بھی متفق نہیں ہوں، لیکن چلو ایک لمحے کے لیے مان لیتے ہیں کہ تم درست کہہ رہی ہو، پھر یہ بتاؤ میرا دھیان اب ہی کیوں گیا اس طرف، تم سے ملنے کے بعد؟'' داؤد نے پوچھا۔

''ایسا ہوتا ہے، ایسا بھی ہوتا ہے۔'' وہ بولی۔ ''ہماری بہت سی خوابیدہ خوبیاں ایک دوسرے سے گفتگو کے بعد جاگتی ہیں، اور ہم پر انکشاف ہوتا ہے کہ ہم تو دراصل ایسے ہیں، اس میں بھی میرا کوئی کمال نہیں، تم ہر بات کا کریڈٹ مجھے کیوں دیتے ہو؟''

''کیونکہ میری زندگی میں ہر اچھی بات تمہاری وجہ سے ہے، اگر میں اچھا ہوں اور دوسروں کو مجھ میں مثبت تبدیلیاں نظر آ رہی ہیں تو وہ بھی تمہاری وجہ سے ہیں۔'' داؤد نے اسے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔
جواب میں کرن نے کچھ نہیں کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ تم مجھ سے کب ملوگی، میں تم سے ملنے کو بہت بے چین ہوں، تم نے تو مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ تمہیں میری امی کیسی لگیں، انہوں نے تم سے کیا باتیں کیں، اس روز کے بعد تم مجھ سے ملی ہی نہیں۔'' داؤد نے پوچھا۔

''جب ملاقات ہوگی اس وقت بتاؤں گی، تم اپنا خیال رکھو۔'' کرن کے یہ الفاظ اس بات کا اشارہ تھے کہ وہ گفتگو ختم کرنا چاہ رہی تھی۔

''اوہ اچھا!'' داؤد کو خیال آیا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں تمہارا وقت ضائع کر رہا ہوں تم پلیز پیپر کی تیاری کرو، اپنا خیال رکھنا اور پیپرز سے فارغ ہوتے ہی مجھے فون کرنا۔ لینگویج سینٹر سے سرٹیفکیٹ لینے تو تم آؤ گی ہی نا؟''

''ہاں دیکھو۔'' کرن نے مختصر جواب دیا۔ ''اللہ حافظ''۔

''اللہ حافظ......'' داؤد نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اگر چہ وہ اس گفتگو کے دوران کوشش کرتا رہا تھا کہ اس کا لہجہ خوشگوار رہے، مگر گفتگو ختم ہونے کے بعد اسے خیال آ رہا تھا کہ وہ خوش نہیں تھا۔ اس کے دل میں عجیب سے وہم آ رہے تھے اور اسے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ ان واہموں کو نظر انداز نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ جو اتنے عرصے میں پُر یقین اور پُر اعتماد تھا اچانک بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہونے لگا تھا۔

''کیوں، ایسا کیوں ہے؟'' عرصے بعد اسے ان چاہی صورتحال سے دوچار ہونا پڑا تھا اور اس کی فطری سرکشی اور غصہ لوٹ آیا تھا۔

اس نے خود پر قابو پانے اور خود کو سمجھانے کی کوشش کی، او کچھ دیر بعد وہ سنبھل بھی گیا تھا، مگر اسے یقین تھا کہ کوئی بات ایسی ضرور تھی جو اسے مسلسل ناخوش رکھ رہی تھی۔

☆

''یہ کیسا عجیب سا فیصلہ تم نے کیا ہے کرن؟'' تحریم نے اس کی بات سن کر حیرت سے کہا۔

''کیوں اس میں عجیب ہونے والی کون سی بات ہے؟'' کرن نے نہر میں بہتے پانی پر نظریں جمائے ہوئے جواب دیا۔

''تم تو پیپرز کے بعد بہت کچھ کرنے کا ارادہ کیے بیٹھی تھیں۔ تمہیں تو ابھی سے جاب کی آفر بھی ہو رہی تھی تمہارے دادا کے توسط سے، پھر تم اچانک یہاں سے جانے کی بات کیوں کرنے لگی ہو۔'' تحریم اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی اور اس سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا تھا کہ یہ ایک انتہائی غیر معمولی فیصلہ تھا۔

''بس یونہی۔'' کرن نے پانی سے نظریں ہٹا کر آسمان پر اڑتے پرندوں پر جما لیں۔ ''سارہ کے پاس کچھ عرصہ رہنے کے بعد میں کوشش کروں گی کہ مجھے رضی چچا کے پاس جانے کا موقع مل جائے، وہاں میں مزید پڑھوں گی، صرف ماسٹرز کر لینا اب کوئی تعلیم نہیں ہے۔''

''تمہارے چچا اور تمہیں لفٹ کرائیں گے، سوچ ہے آپ کی؟'' تحریم اس کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔ اسے اس کا ارادہ ناقابل عمل لگا تھا۔

''چچا نہ سہی فاروق ماموں بھی تو ہیں، وہ بھی وہیں رہتے ہیں ہیوسٹن میں، وہ مجھے انکار نہیں کریں گے، میری مدد ضرور کریں گے۔''

''مگر تم ایسا کیوں کرو گی؟'' تحریم نے بے چینی کا اظہار کیا۔ ''یہاں کیا ہے، ہم مل کر جو ریسرچ پیپر لکھنے والے تھے اس کا کیا بنے گا، تمہیں یکدم ہو کیا گیا ہے؟''

''تم اتنی ذہین ہو تحریم! کہ تم اکیلی ہی یہ پیپر مجھ سے بہت بہتر لکھ لو گی۔ میرا......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''ہاں۔'' کچھ دیر آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔ ''میرا سمجھو، اب یہاں دل نہیں لگتا، میرا آسمان ستاروں سے سجا مگر تاریک ہے کیونکہ میں نے جس کو اپنا ستارہ سمجھ کر اس سے اپنے آسمان کو منور کیا تھا وہ دراصل میرا ستارہ نہیں تھا۔''

''اُفوہ!'' تحریم نے گھبرا کر کہا۔ ''یہ تم کیا الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہو۔''

''شاید مجھے سرسام ہو گیا ہے۔'' کرن بے وجہ ہنس دی۔ ''اسی لیے اول فول بک رہی ہو، چلو اٹھو چلیں، ڈاکٹر اعجاز سے ٹائم لیا ہوا ہے۔'' کچھ دیر بعد وہ اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے بولی تھی۔

''کرن!'' "Its quite unusual" (یہ بہت غیر معمولی بات ہے) تحریم نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟''

''کوئی بات نہیں ہے، تم چلو۔'' کرن نے اس کا بیگ اور فائل بھی اسے پکڑائی۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں مان جاؤں گی۔'' تحریم نے اس کی بات سے ذرا بھی متاثر نہ ہوتے ہوئے کہا۔

"تمہیں مان لینا چاہیے، خوامخواہ دماغ پر زور دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے کی طرف کھینچتے ہوئے بولی۔ وہ دونوں آہستہ قدموں کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل دیں۔

"کرن! ایک بات بتاؤ۔" چلتے چلتے رک کر تحریم نے اس کی طرف دیکھا۔

"جسے تم نے اپنا ستارہ سمجھا تھا، وہ کون ہے؟"

کرن کو اس سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے تحریم! جب وہ میرا ستارہ ہی نہیں۔" اس نے جواب دیا اور تیز قدموں سے آگے چل دی۔

"ارے اس کے ساتھ کوئی اتنی بڑی ٹریجڈی ہوگئی اور مجھے پتہ نہیں چلا۔" تحریم پر جیسے بہت سے انکشافات ایک دم ہی ہوئے تھے۔ "اوہ میرے خدا! تو اس لڑکی کو اپنی امان میں رکھنا۔" بے اختیار اس کے دل سے آواز نکلی تھی۔



میرے ذہن میں خیال آتے ہیں
اگر میں کل صبح نہ جاگوں
تو کیا کبھی اسے وہم گزرے گا
کہ میں اس سے کتنی محبت کرتی تھی؟
اگر آنے والا کل نہ آیا تو
کیا وہ جان پائے گا کہ
میں اس سے کتنی محبت کرتی تھی؟
کیا میں نے ہر کوشش کر لی
کہ اسے بتا سکوں
کہ اس دنیا میں صرف وہی میرا ہے
اور اگر میرا وقت ختم ہو جائے
اور اسے میرے بغیر دنیا کا سامنا کرنا پڑے
تو جو محبت میں نے پہلے اسے دی
کیا وہ ہمیشہ باقی رہنے کے لیے کافی ہوگی
اگر آنے والا کل نہ آیا تو

داؤد کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور اس کا دل کسی خشک پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

اسے اپنے ہونٹ، زبان اور حلق خشک ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اتنے دنوں سے جو وا ہمے، اور خیال اسے اپنا پیچھا کرتے نظر آ رہے تھے، وہ سچ ثابت ہو رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں وہ کاغذ تھا، جو منوچہر علی نے اسے دیا تھا۔ اور اس پر لکھے الفاظ اسے بغیر کچھ پوچھے بہت کچھ بتا رہے تھے۔ وہ اس تحریر کو بہت اچھی طرح پہچانتا تھا اور اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جس کو ٹریس کرنے کی کوشش میں اتنے دنوں سے خوار ہو رہا تھا وہ کہیں جا چکی ہے۔

''مگر کیوں؟'' اس کا دل مسلسل سوال کر رہا تھا۔ ''مجھے بغیر بتائے، ملے بغیر، کیوں؟'' اسے اپنے اس کیوں کا جواب نہیں مل رہا تھا۔

''وہ کہاں ہے؟'' اسی صبح اس نے اس کی اس دوست سے پوچھا تھا جس کے بارے میں اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ اس کی قریب ترین دوست تھی۔

''اس کا فون کیوں مسلسل بند ہے؟''

''اس کے گھر پر تالا کیوں پڑا ہے؟''

''میں تو صرف چند دنوں کے لیے آفیشل وزٹ پر تھا۔''

''اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہی ہے اور کیوں؟'' وہ اس لڑکی سے مسلسل سوال پوچھ رہا تھا، اور وہ لڑکی اسے کچھ بتا نہیں پا رہی تھی۔

''مجھے خود کچھ علم نہیں۔'' کچھ دیر بعد اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

اسی شام انتہائی ذہنی تھکن لیے، شکستہ قدموں سے چلتا وہ لینگویج سینٹر میں داخل ہوا تھا۔

''کرن اپنا سرٹیفکیٹ لے گئی تھی۔ وہ بتا رہی تھی کہ اسے کچھ دن کے لیے کہیں جانا پڑ رہا ہے اس لیے اس نے سرٹیفکیٹ کی تقریب کا انتظار نہیں کیا۔''

منوچہر علی نے اسے بتایا تھا۔

''کیا اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟ اور کب واپس آئے گی؟'' داؤد نے نیچی آواز میں پوچھا۔

''نہیں، میرے پوچھنے پر اس نے جواب دیا کہ وہ کچھ کہہ نہیں سکتی کہ وہ کب واپس آ سکے گی۔'' منوچہر علی نے اسے بتایا۔

''وہ مجھ سے معذرت کر رہی تھی کہ اب شاید وہ میرے لیے اسکیچ نہ بنا سکے گی۔'' وہ مسکرا کر بولے۔

''میں نے اسے سے کہا مجھے اسکیچ نہ بن سکنے کا نہیں اس بات کا غم ہے کہ وہ یہاں سے جا رہی ہے، میں دن بھر کے کاموں میں مصروف لاشعوری طور پر اس کی آمد کا منتظر رہتا تھا، کبھی کبھی کئی دن گزر جاتے اور وہ نہیں آ پاتی تھی مگر آتی تو جیسے رونق اور ہنگامہ ساتھ لاتی۔ وہ میری سنائی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہوتی تھی اور

جی بھر کر ہنستی تھی۔ اسے دیکھ کر اور اس سے باتیں کر کے مجھے زندگی کا احساس ہوتا تھا۔ میرا دل دکھی اور اداس ہو رہا ہے۔ وہ یہاں سے چلی گئی ہے یوں لگتا ہے جیسے زندگی چلی گئی۔"

داؤد نے منوچہر علی کی طرف دیکھا ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"پھر اس نے مجھے ایک لفافہ دیا تھا۔ تمہیں دینے کے لیے۔" پھر جیسے اچانک انہیں کچھ یاد آیا۔"اس نے کہا تھا کہ وہ اس لینگویج سنٹر میں میرے اور تمہارے علاوہ کسی اور سے بہت آشنا نہیں تھی اور اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ تم سے ملاقات کا انتظار کرے اس لیے اس نے تمہارے لیے کچھ الوداعی لفظ لکھے ہیں۔ وہ سب کا خیال رکھنے والی لڑکی ہے۔ وہ جاتے وقت تمہیں بھی یاد کرنا نہیں بھولی۔"

داؤد نے وہ لفافہ ان کے ہاتھ سے لیا اور اسے کھول کر اس کے اندر سے نکلنے والے کاغذ کو پڑھنے سے پہلے تک اس کا دل انجان اندیشوں سے دھڑک رہا تھا۔ اور اسے پڑھ لینے کے بعد اس کا دل رو رہا تھا یا پھر شاید وہ کچھ دیر کے لیے ساکن ہو گیا تھا جو اسے کسی قسم کا بھی احساس نہیں ہو پا رہا تھا۔

Because I have lost Loved

Ones in my Life

کیونکہ میں نے زندگی میں بہت سے پیاروں کو کھو دیا ہے۔

Who never knew how much

I loved them

جو نہیں جانتے تھے کہ میں ان سے کتنی محبت کرتی تھی۔

Now I live with the regret

اب میں ایک پچھتاوے کے ساتھ زندہ ہوں۔

That my true feelings for them never were revealed.

کیونکہ ان کے لیے میرے سچے جذبات ہمیشہ مخفی ہی رہے۔

So I made a promise to myself.

اس لیے میں نے خود سے ایک وعدہ کیا۔

To say how much he means to me.

میں اسے بتاؤں گی کہ وہ میرے لیے کتنا اہم ہے۔

And avoid that circumstance.

اور ایسی کسی بھی صورتحال کا سامنا نہیں کرنا چاہوں گی۔

Where there is no second chance to tell him.

جس میں مجھے اسے یہ بتانے کے لیے کسی دوسرے موقع کا انتظار کرنا پڑے۔

How i feel.

کہ میں اس کے بارے میں کیسا سوچتی ہوں۔

If tomorrow never comes.

اگر آنے والا کل نہ آیا۔

اس نے ایک نظر پھر کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ پر ڈالی اور اسے تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ اپنی جگہ سے اٹھنے کے بعد اس نے بہت نارمل انداز میں منوچہر علی سے مصافحہ کیا اور آہستہ قدموں سے چلتا لینگویج سینٹر سے باہر نکل آیا۔ باہر گہما گہمی تھی، شور، روشنیاں اور لوگ تھے، مگر اسے اپنے اردگرد سناٹا محسوس ہو رہا تھا، شہر ویران اور بے آباد لگ رہا تھا اور اپنے سامنے تاریکی کی چادر چھائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ خالی ذہن کے ساتھ گاڑی چلا رہا تھا۔

''وہ کیوں چلی گئی اور وہ بھی مجھے بتائے بغیر وہ کہاں گئی، اس نے ایسا کیوں کیا؟'' پھر اس کے ذہن و دل میں سوال اٹھنے شروع ہوئے۔ ''وہ تو اس شہر کی فضاؤں سے محبت کرتی تھی، اسے اس شہر کو چھوڑ کر جانے پر کس چیز نے مجبور کیا؟''

اس نے سوچا اور پھر اسے محسوس ہوا کہ یہ ناقابلِ یقین بات ہو چکی تھی۔ کرن شہزاد کسی اور وجہ سے نہیں خود اس کی وجہ سے کہیں چلی گئی تھی، اور یہ کہ اب وہ اس کی تلاش میں کتنا بھی مارا مارا پھرے، کم از کم اسے وہ کہیں نظر نہیں آئے گی۔

''اس سے محبت کرتے ہوئے، اسے چاہتے ہوئے اور اس کے ساتھ کی خواہش کرتے ہوئے میں نے ایک بار بھی یہ نہیں سوچا کہ میں اتنا خوش قسمت نہیں ہوں کہ جو چاہوں وہ پا لوں، اور وہ تو بہت غیر معمولی خواہش تھی۔''

گھر پہنچ کر گاڑی سے اترنے سے پہلے اس نے آخری بات یہ سوچی تھی۔



''یہ ممکن نہیں کہ تمہیں علم نہ ہو کہ وہ کہاں گئی ہے۔'' طلحہ نے تحریم سے کہا تھا۔

''میرا دوست خاموش ہو گیا ہے، وہ کچھ بولتا ہی نہیں، تم اسے ایک روبوٹ سے تشبیہ دے سکتی ہوں۔ جس کے اندر سب فنکشن انسانوں والے ہوتے ہیں سوائے جذبات کے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''میری دوست گم ہو گئی ہے۔ اس کا کوئی نشان ہے، نہ پتہ، میری کیفیت تم سے مختلف نہیں ہے، ایسا کیوں ہوا ہے، ان دونوں کے درمیان کیا تھا۔ اور پھر وہ کیا تھا جو کرن کے اس ردِعمل کا باعث بنا، اس کا پتہ لگاؤ، تمہارے دوست کی خاموشی اور میری دوست کی گمشدگی سب ختم ہو جائے گی۔'' تحریم نے کہا۔

''ہوں!'' طلحہ نے گہرا سانس لیا۔ ''یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے۔''
''یقیناً یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے۔'' تحریم نے کہا تھا۔



شیریں نے کمپیوٹر پر کام کرتے داؤد کو غور سے دیکھا، وہ محسوس کر رہی تھیں کہ وہ خاموش رہنے لگا تھا اور کچھ سست بھی تھا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی میری طبیعت ٹھیک ہے۔'' داؤد نے کمپیوٹر سکرین پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

''تمہارے ابو نے شاید تم سے کوئی ضروری بات کرنی ہے، تم کسی وقت ان کے پاس اطمینان سے بیٹھو تو وہ تم سے بات کریں۔'' شیریں نے ایک دم اپنا ذہن تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

''آج کل تو مشکل ہے آپ کو معلوم ہی ہے، مجھے ایگزیم ٹو کی تیاری کرنی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''ایگزیم تو ابھی بہت دور ہے۔'' شیریں کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے اس سنجیدہ رویے کی وجہ کیا تھی۔ وہ اپنے ذہن میں قیاس لگانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کی اس بات کا داؤد نے جواب نہیں دیا تھا۔

''داؤد! کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ؟'' اب کے انہوں نے دل کڑا کر کے پوچھا۔

''امی! میں نے سنا ہے کہ گمشدہ چیزیں اکثر وہیں سے مل جایا کرتی ہیں جہاں پر وہ گم ہو جاتی ہیں۔'' داؤد نے اپنی چیئر کا رخ ان کی طرف موڑتے ہوئے پوچھا۔

یہ ان کی بات کا جواب نہیں تھا، مگر یہ ایک اہم بات تھی۔ شیریں نے بغیر سوچے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بس، سمجھیں میں انتظار میں ہوں۔ شاید یہ بات میرے سلسلے میں بھی سچ ثابت ہو جائے۔'' اس نے لمبا سانس لینے کے بعد کہا۔

''تمہارا کیا گم ہو گیا ہے داؤد! کون سی چیز؟'' شیریں نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

''میرا ستارہ۔'' وہ نیچی آواز میں بولا۔ ''وہ ستارہ جو ہمیشہ گم ہو جاتا تھا، فرق صرف یہ ہے کہ اس بار اس کے گم ہو جانے میں ابو کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔''

شیریں کے دل نے ایک دھڑکن مس کر دی۔

''اس ستارے کا نام کرن ہے امی! اور شاید مجھ سے کوئی ایسی غلطی ہو گئی ہے جس پر وہ مجھ سے روٹھ کر کہیں چھپ گئی ہے، میرے ذہن میں صرف ایک الجھن ہے امی! کہ اس نے مجھ سے میری کسی غلطی پر ناراضگی کا اظہار کرنے کے بجائے چھپ جانے کو کیوں ترجیح دی۔''

''اوہ!'' شیریں کی سمجھ میں جیسے یکدم ساری بات آ گئی۔ ''وہ ایک معصوم فرشتہ ہے۔ وہ دوسروں کو الجھن اور پریشانی سے بچانے کے لیے خود کو الجھن اور پریشانی میں ڈال لیتی ہے، میں نے اتنا بے ریا، سچا اور

ہمدرد انسان اب تک کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔'' انہیں کرن کے بارے میں داؤد کی سنائی پرانی بات یاد آئی۔ اور انہیں اس روز اس بات پر یقین آ گیا۔

''وہ کہاں اور کیسے چھپ سکتی ہے؟ اس کا گھر یہاں ہے، دادا، دادی، عزیز رشتہ دار اس کا بھائی سب یہاں رہتے ہیں؟ وہ کہا جا سکتی ہے اور کیسے چھپ سکتی ہے؟ تم نے اس کے بارے میں پتہ نہیں کیا......'' شیریں کو یہ بات ناقابلِ یقین سی لگی۔

''اس کے دادا، دادی امریکہ جا چکے ہیں اپنے بیٹے کے پاس، ان کا گھر بند ہے۔''

''کیا وہ بھی امریکہ چلی گئی ہے؟'' شیریں نے دھڑکتے دل پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''پتہ نہیں، مجھے ان کے ایک ہمسائے نے صرف اتنا ہی بتایا، میں اس سے زیادہ خاص طور پر صرف اس کے بارے میں کسی سے کیا پوچھوں؟''

''دنیا تو بہت محدود ہے داؤد! اس کا فون نمبر تمہارے پاس ہوگا، تم نے اس کو فون کیا؟''

''اس کا نمبر بند ہے، اگر اسے میرے لیے کوئی نشان چھوڑنا ہوتا، کوئی ایسا ذریعہ جس کو استعمال کر کے میں اس تک پہنچ سکوں تو وہ ایسا کرتی ہی کیوں؟ یقیناً اس کی کوئی مجبوری رہی ہوگی، بس میرے ذہن میں ایک ہی الجھن ہے کہ کاش وہ مجھے کچھ بتاتی، اس کی کسی مجبوری یا میری کسی غلطی پر ناراضی کا مجھے قطعی کوئی افسوس نہ ہوتا میں اس کو کبھی مجبور نہ کرتا، مگر کاش وہ مجھے کچھ بتاتی۔''

شیریں نے دکھ اور اضطراب کے واضح سائے اپنے بیٹے کے چہرے پر دیکھے۔ وہ شاید ایسا ہی چاہتی تھیں، شاید وہ کرن کے ازخود داؤد کی زندگی سے نکل جانے کی منتظر تھیں، شاید انہیں کرن سے اسی ایثار کی توقع تھی۔ مگر یہ جاننے کے بعد کہ وہ جیسا چاہتی تھیں ویسا ہو گیا تھا، ان کے دل کو یک لخت جیسے کسی نے مٹھی میں مسل دیا تھا۔ انہیں دل میں ایک چبھن محسوس ہونے لگی تھی اور اس وقت انہیں مکمل اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ چبھن عمر بھر کے لیے ان کا مقدر بن چکی تھی۔



''نہیں مجھے سگریٹ نہیں پینی۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''بینسن اینڈ ھیجز لائٹ بھی نہیں۔'' اس کے مخاطب نے نرمی سے پوچھا۔

''نہیں، بینسن اینڈ ھیجز لائٹ بھی نہیں۔'' اس نے پھر سر ہلایا۔

''مسٹر جوزف! میں ہوں، ابھی میں ہوں۔''

اس کے مخاطب نے ایک بار پھر نرمی سے کہا۔ جوزف نے ایک نظر ان ہاتھوں پر ڈالی جو کچھ دیر پہلے اسے گرنے سے بچا رہے تھے، اور جن کی مضبوط گرفت کو وہ اس غائب دماغی میں بھی محسوس کر سکتا تھا۔

''ششش۔'' جوزف نے اچانک اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی، اس کی آنکھوں میں ایسا تاثر تھا جیسے وہ

اپنے مخاطب کو کوئی راز کی بات بتانا چاہتا تھا۔

"Don`t you know Rose Mary is no more"

اس نے راز کی بات بتاتے ہوئے کہا۔

"No more no more Rose Marry is no more"

پھر اس نے اپنی بات دُہرائی۔

''میں تمہارے دل کا حال جانتا ہوں ینگ مین! تمہارے دل کا حال جاننے کے لیے مجھے کوئی جنتر منتر، ممبو جمبو سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے دل کا حال تو تمہاری آنکھوں پر لکھا ہے، تمہارا چہرہ پکار پکار کر سنا رہا ہے۔''

پھر وہ ایک عجیب سی ہنسی ہنسا۔ اس کے پیلے پڑتے دانت اور جھاڑ جھنکاڑ داڑھی خوفناک سی لگ رہی تھی۔

''ایسا ہی ہوتا ہے میرے بچے! ایسا ہی ہوتا ہے جب کسی کی روز میری چلی جاتی ہے تو اس کے دل کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے۔

"Gone gone your Rose Marry is also gone"

وہ گنگنانے کے سے انداز میں بولا۔

''مگر یاد رکھنا۔'' کچھ دیر یہی الفاظ گنگناتے رہنے کے بعد جوزف نے کہا۔

''جو یوں کھو دیتے ہیں، وہ ہی من کو پا جاتے ہیں، من۔'' اس نے اپنے سینے کی طرف انگلی کا اشارہ کیا۔

''من، یو نو من؟'' اس نے پوچھا۔

داؤد نے اثبات میں سر ہلایا۔ جوزف عجیب سی ہنسی ہنس رہا تھا۔



''آپ نے اس کے انکار کی وجہ پوچھی ابو؟'' فہد کو اس مرتبہ ویک اینڈ پر گھر آنے کی سزا سلمان صاحب کے غضب کو بھگتنے کی صورت میں مل رہی تھی۔ داؤد نے زاہد ملک کی بیٹی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا، یہ انکار اتنا دوٹوک اور حتمی تھا کہ سلمان اور شیریں کے لیے اس موضوع پر اس سے مزید بات کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی مگر داؤد کے گھر سے جانے کے بعد سلمان صاحب کا پارہ ایک مرتبہ پھر انتہائی بلند ہو چکا تھا۔ اور اسی وقت فہد گھر میں داخل ہوا تھا۔ اس کے لیے یہ غیر متوقع صورتحال تھی۔

''وہ ہمیشہ میری ہی کہی ہوئی بات کی نفی کیوں کرتا ہے؟'' سلمان صاحب نجانے ان دونوں میں سے کس سے پوچھ رہے تھے۔

''آپ نے اس سے اس انکار کی وجہ پوچھی؟'' فہد نے پوچھا تھا۔

''اس کی وجہ کچھ بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ میں نے کہا ہے، یہ میری خواہش ہے، وہ ہمیشہ

''اس کے انکار کی وجہ شخصیت کا ٹکراؤ نہیں ہے۔''

اس رات شیریں نے فہد کے پوچھنے پر بتایا تھا۔ اس رات دیر تک داؤد گھر واپس نہیں آیا تھا۔ اور وہ دونوں اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ فہد نے ان کی بات سن کر ایک مرتبہ پھر اپنے سیل فون سے داؤد کا نمبر ملایا۔ اس کا فون ابھی بھی بند تھا۔ اسے فون بند کر کے اپنی جیب میں رکھتے دیکھ کر شیریں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ فہد نے نظریں جھکا لیں۔

''آ جائے گا واپس امی! اب وہ بچہ نہیں رہا۔'' اس نے کہا۔ ''آپ کیا کہہ رہی تھیں۔'' اس کے انکار کی وجہ کیا ہے پھر؟''

''وہ ایک لڑکی کو پسند کرتا ہے۔'' انہوں نے آہستہ آواز میں کہا۔

''اوہ!'' فہد نے ہونٹ سکیڑے۔ یہ اس کے لیے نئی اطلاع تھی اور پھر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ہر انوکھا کام ان سب میں سے داؤد ہی کو کرنا ہوتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

''پھر؟'' اس نے ماں کی طرف دیکھا؟'' کیا اس نے خود آپ کو بتایا؟''

''ہاں!'' انہوں نے سر جھکایا۔

''کون ہے وہ لڑکی، کیسی ہے، کیا آپ نے اس کو دیکھا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ مجھے اس سے ملوانے کے لیے اس کے گھر لے گیا تھا۔'' شریں نے اپنے قریب رکھے کشن کو گود میں رکھ لیا۔ وہ اس کشن کے کور کی سلائیوں پر بے خیالی میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

''اچھا!'' فہد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔'' کیسی لڑکی ہے وہ؟ آپ کو پسند آئی؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں، وہ ایک اچھی لڑکی ہے، ایک اچھا انتخاب۔'' شیریں نے کہنا شروع کیا۔ ''مگر میں اس بات سے اس روز ڈر گئی تھی جب تمہارے ابو کا وہ دوست اور اس کی فیملی ادھر ہمارے ہاں آئی اور مجھے تمہارے ابو کے ارادے کا علم ہوا۔ مجھے یقین تھا یہ ہنگامہ اٹھنے والا ہے۔''

''آپ نے داؤد سے بات کی ابو کے ارادے کے بارے میں؟''

''نہیں۔ مجھے اس کے ردعمل سے ڈر لگتا تھا۔'' شیریں نے گویا اعتراف کیا۔

''پھر وہ مجھے اس لڑکی سے ملوانے لے گیا۔ فہد!'' پھر انہیں جیسے اچانک خیال آیا۔ ''تم اپنے ابو کو سمجھاؤ، کچھ دیر صبر کریں۔ ابھی داؤد ایک جذباتی دور سے گزر رہا ہے۔ وہ لڑکی اسے کچھ بتائے بغیر اچانک کہیں غائب ہو گئی ہے۔ وہ کھو دینے کے دکھ سے گزر رہا ہے۔ کچھ وقت گزرے گا، وہ ٹھیک ہو جائے گا اور پھر ان کی بات مان لے گا۔''

''کیا مطلب وہ لڑکی کہیں غائب ہو گئی؟''

''ہاں، وہ اچانک یہ شہر چھوڑ گئی اور کسی کو معلوم نہیں کدھر گئی۔ داؤد اس کے معاملے میں جذباتی تھا،

اس لیے آج کل وہ ذہنی کرائسس میں ہے، اور وہ......''

''امی!'' شیریں کی روانی کو فہد نے توڑا۔ شیریں نے دیکھا وہ انہیں شک بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ ابو کے دوست کی فیملی سے ملنے اور ابو کے ارادے سے باخبر ہونے کے بعد اس لڑکی سے ملی تھیں نا؟'' فہد نے انہیں پکڑ لیا تھا۔ اس کی بات میں جو سوال تھا، اس کا جواب وہ کیا دیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔



''زندگی سے اور انسانوں سے محبت کرنے والے اور ان کا خیال رکھنے والے یوں ان سے فرار حاصل نہیں کرتے۔'' اس نے اپنے سامنے لکھے ہوئے الفاظ کو پڑھا۔

''اور جو لوگ بہادری کے ساتھ زندگی کے ہر نئے موڑ کا سامنا کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں وہ تو کبھی ایسا نہیں کرتے۔''

بات تو بہت معمولی سی تھی، انکار میں ایک لمحہ لگتا ہے، منہ موڑ لینے میں شاید اس سے بھی کم وقت، یوں مانوس شہروں اور انسانوں کو چھوڑ کر اجنبی فضاؤں میں جا بسنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی کیا پتہ چلے گا کبھی؟''

وہ دیر تک کمپیوٹر سکرین پر لکھے ان الفاظ کو پڑھتی رہی، پھر وہ اس ای میل کا جواب سوچنے لگی، اس نے کئی مرتبہ جواب کے الفاظ کو کلک کیا اور پھر واپس اسی میل پر آ گئی۔

''جواب صرف میری سمجھ میں آ سکتا ہے، کسی اور کے نہیں۔'' اس نے سوچا اور کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر دیا۔

''یہ تو ہے، جن کو میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں وہ متجسس بھی ہیں اور بے چین بھی اور شاید اداس بھی، چلو اتنا وقت ان کے ساتھ گزارنے کے بعد یہ احساس پا لینا بھی کسی دولت کو پا لینے سے کم نہیں۔'' اب وہ شاید خود کو تسلی دے رہی تھی۔

''تم نے روشنی کیوں بند کر رکھی ہے۔ باہر اندھیرا کب کا پھیل چکا۔'' اسے اپنے عقب سے سارہ کی آواز آئی۔

''باہر آسمان پر ستارے ہیں یا نہیں؟'' اس نے سارہ کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''آسمان پر بہت سے ستارے ہیں کیونکہ فضا صاف ہے۔'' سارہ شادی اور بچے کے بعد ستاروں کی کہانی شاید بھول چکی تھی۔

''اپنے دیس کے ستارے پردیس سے مختلف ہوتے ہیں کیا سارہ؟'' اب اس نے ریوالونگ چیئر سارہ کی طرف گھماتے ہوئے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ نہیں۔'' سارہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ستارے ہر جگہ ہی ہوتے ہیں، بس ان

کے نظر آنے کے اوقات مختلف ہوتے ہیں۔

''آؤ دیکھتے ہیں، اپنے اپنے ستاروں کو پہچانتے ہیں۔'' وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آ گئی۔

''میرا ستارہ تو مجھے مل چکا، تم اپنے کو پہچانو، ہے بھی کہ نہیں۔'' سارہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ستاروں والی بات یاد آجانے پر مسکرا کر مذاق سے کہا۔

''وہ تو گم ہو چکا سارہ!'' اس نے ایک سرسری نظر آسمان پر ڈال کر کھڑکی بند کرتے ہوئے کہا۔

''ارے، تو اس میں منہ بسورنے والی کونسی بات ہے، اسی آسمان پر ہوگا کہیں گم نہیں ہوا ہوگا، بس تم کو نظر نہیں آرہا۔ ذرا دل لگا کر ڈھونڈو۔'' سارہ اسی مذاق کے سے انداز میں بولی۔

''اچھا میں چائے کے برتن سمیٹ لوں، تم بھی کچن میں آجاؤ'' وہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولی۔

کرن نے کچھ دیر اسے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر پلٹ کر کھڑکی کھول دی۔ آسمان ستاروں سے بھرا تھا، اس نے ایک ایک ستارے کو دیکھنے کی کوشش کی۔

''تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے، کیا اس کا کوئی پیمانہ ہے؟'' اسے کچھ یاد آنے لگا۔

''اگر تم آسمان پر بکھرے ستاروں کو گن سکو تو شاید میری محبت کا تعین کرنا بھی ممکن ہو جائے۔''

ایک جان دار آواز کی بازگشت اس کے اردگرد پھیل گئی۔ اس نے ستاروں پر سے نظریں ہٹالیں

''پھر تمہیں اپنا ستارہ ملا کہ نہیں؟'' رات کے کھانے پر سارہ مسکراتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

''میرا ستارہ گم نہیں ہوا سارہ! شاید وہ کسی اور آسماں پر جا کر سج گیا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ستاروں کا آسمان صرف ایک ہی ہے پاگل، یہ ''اور آسمان'' صرف کتابوں میں لکھی باتیں ہیں۔'' سارہ نے کہا تھا۔

''تم نہیں جان سکتیں۔'' اس نے دل میں سوچا اور خاموش رہی۔



''جس طرح کتابوں میں لکھی کہانیاں آخری صفحہ پر اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہیں، اسی طرح ہماری زندگیوں کا آخری صفحہ جب آجاتا ہے تو خاتمہ ہو جاتا ہے، میری زندگی کا آخری صفحہ بھی آنے ہی والا ہے، اگرچہ میری زندگی کی کتاب پڑھنے والا کوئی بھی نہیں ہے شاید......'' سراج الدین نے اپنے اوپر اوڑھا کھیس سینے تک کھینچتے ہوئے کہا۔

داؤد نے ایک نظر سراج الدین کے نحیف، زرد اور بیمار چہرے پر ڈالی اور دوسری نظر اس کمرے پر دوڑائی جس میں اس کو بٹھایا گیا تھا۔

پلستر اکھڑی دیواریں، جن میں کہیں کہیں کوئی چھوٹی اینٹ نکل جانے کے سبب شگاف پڑے تھے۔ ان شگافوں کو بند کرنے کی خاطر کہیں کپڑے کے گولے پھنسائے گئے تھے اور کہیں پلاسٹک شیٹ کے ٹکڑے اٹکائے گئے تھے۔ جستی پیٹی کے اوپر تہہ شدہ بستروں کے ڈھیر رکھے تھے اور ایک طرف چھوٹے بڑے دو ٹرنک، ایک کونے میں بہت پرانا پیڈسٹل فین اور دو تین شکستہ حال چار پائیاں، کمرے کا فرش جا بجا اکھڑا ہوا تھا۔ جس سائیڈ پر سراج الدین کی جھلنگا سی چارپائی بچھی تھی، وہاں ایک میز پر پلاسٹک شیٹ ڈال کر ایک واٹر کولر بھی رکھا تھا۔ دیوار کے اندر بنی الماری کے خانوں میں چند برتن سجے تھے اور ایک کونے میں چولہا رکھا تھا۔ اس کمرے کے مکینوں کے لیے یہی مہمان خانہ تھا، یہ ہی کھانے اور سونے کا کمرہ اور یہ ہی باورچی خانہ بھی تھا۔ سراج الدین کی جھلنگا چارپائی پر ایک پرانا رنگ اڑا بستر بچھا تھا اور اس کے اوپر ڈالا گیا کھیس جا بجا گھسا اور پھٹا ہوا تھا۔

''میں اپنے پیچھے کوئی جائیداد تو کیا ایک بھی ایسی چیز چھوڑ کر نہیں جاؤں گا جسے بیچ کر میرے گھر والے میرے بعد ایک مہینہ کا خرچ ہی کھینچ سکیں۔'' سراج الدین کہہ رہا تھا۔ ''میرے پاس جو کوئی سرمایہ تھا۔ وہ میرے ایک ایسے علاج پر لگ گیا جو مجھے موت کے منہ میں جانے سے نہیں بچا سکتا۔ مگر وہ ایک تسلی ہے، ایک ڈھارس اور شاید چند دنوں کی امید کہ ہم نے کوشش کی اور شاید کوئی معجزہ ہو جائے، مگر آپ جانو، معجزے، اکثر اور بہت سے لوگوں کے ساتھ ہونے لگیں تو انہیں معجزے کون کہے۔''

داؤد نے دیکھا سراج الدین کے چہرے پر ایک بے بس سی مسکراہٹ تھی۔

''ہاں میرے پاس نایاب اور نادر کتابوں کا ایک ایسا خزانہ ہے جس کی آج کی دنیا کے صاحب توفیق لوگوں کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ یہ میری اولاد کے کسی کام نہیں آ سکتا سوائے اس کے کہ وہ کسی کباڑیے کے ہاتھ اسے چند سو روپوں کے عوض بیچ آئیں۔ میں اپنی زندگی کے بہت سے پہلوؤں سے ناخوش ہوں اور بہت سی باتوں پر غیر مطمئن ہی رہ کر دنیا چھوڑ جاؤں گا، مگر میں اللہ کا شکر ادا کرنے کی عادت کی طرف توجہ دلانے کے اس سبق کو پڑھ لینے پر بہت مطمئن اور خوش ہوں جو کرن بی بی نے مجھے پڑھایا۔ میری بیمار زندگی کے وہ دن جن میں وہ کسی خضر کی طرح میری مدد کو آتی تھی۔ میرے لیے یادگار ہیں۔ وہ میری شکستہ حال کتابوں کو درست کرنے کے دوران مجھے اللہ سے شکوہ کرنے بجائے اس کا شکر ادا کرنے کی تلقین کرتی رہتی وہ کہا کرتی تھی۔

''بابا سراج! موافق اور ناموافق دونوں طرح کے حالات میں زندہ رہنا زندگی کا حصہ ہے، مگر ہر طرح کے حالات میں اللہ کا شکر ادا کرنا اور مسکرا کر ان کا سامنا کرنا زندگی گزارنے کا فن کہلاتا ہے۔ چلیں کوشش کرتے ہیں کہ ہم یہ فن سیکھ لیں۔''

وہ بات کرتے کرتے مسکرا دیا۔

''اس کوشش میں خود کو شامل کرنے کی بات تو وہ یونہی کرتی تھی، میرا حوصلہ بڑھانے کے لیے، جبکہ وہ خود تو اس فن کی ماہر تھی، بس اس خیال سے کہ میں سیکھنے کے اس عمل میں خود کو تنہا محسوس نہ کروں، وہ خود کو بھی اس میں شامل کر لیا کرتی تھی۔''

''تھی نہ کہیں بابا سراج! وہ زندہ اور موجود ہے۔'' پہلی بار داؤد نے اس کی بات کاٹی۔

''پتہ نہیں کیوں، وہ یہاں سے چلی گئی۔'' سراج الدین نے داؤد کی بات سن کر کچھ دیر اسے غور سے دیکھا اور پھر اپنی نظریں چھت پہ ٹکا لیں۔ ''وہ یہاں تھی تو مجھے یقین تھا کہ میرے مرنے کے بعد میرے گھر والوں کے علاوہ ایک اور آنکھ بھی ضرور میرے لیے اشک بار ہوگی اور وہ آنکھ انسانیت کی آنکھ ہوگی۔''

''جانے سے پہلے وہ میرے پاس فٹ پاتھ پر بچی میری بے مقصد دکان پر آئی تھی، اس نے کہا۔

''بابا سراج! میں معذرت خواہ ہوں کہ اب میں آپ کی کتابوں کے ٹائٹل درست نہیں کر پاؤں گی، مجھے یہاں سے کہیں اور جانا پڑ رہا ہے۔ میں نے نعیم اور شہزاد سے درخواست کی ہے۔ وہ آپ کے پاس آیا کریں گے اور آپ کی ان کتابوں پر ٹائٹل چڑھایا کریں گے۔'' وہ کہہ رہی تھی، ''میں اس بات پر بھی معذرت خواہ ہوں بابا سراج! کہ اس وقت میرے پاس بہت زیادہ پیسے نہیں ہیں۔ نئے ناظم صاحب نے آپ کا زکوٰۃ کارڈ دوبارہ جاری کرنے کی درخواست پر دستخط کر دیے ہیں، نعیم آپ کا نیا کارڈ آپ کو دے جائے گا، شوکت خانم ہسپتال میں کوئی مشکل درپیش ہوئی تو وہ بھی نعیم حل کرا لے گا، وسیلے اللہ بناتا ہے، کوئی انسان خود سے کسی کے لیے وسیلہ نہیں بنتا، اس لیے یہ کبھی نہیں سوچیے گا کہ کرن نہیں تو سلسلہ ختم ہو گیا۔'' اس نے اپنے پرس میں سے وہ ساری رقم مجھے دے دی جو اس میں موجود تھی وہ کتنی تھی مجھے علم نہیں کیوں کہ میں نے گنی ہی نہیں۔ ہاں میرے دل نے، میرے بشر ہونے نے وہ رقم محفوظ کرا دی۔ میرے لیے نہیں، ان سب کے لیے جنہیں میں پیچھے چھوڑ کر جانے والا ہوں۔''

سراج کا سانس اتنی لمبی بات کے بعد اکھڑنے لگا تھا۔ داؤد نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا سینہ ہاتھوں سے ملا اور انہیں مزید نہ بولنے کا اشارہ کیا۔

''یہ سچ ہے بابا سراج! اللہ تعالیٰ کسی کو ذریعہ بنا دیتا ہے، ورنہ انسان کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔''

بابا سراج سے رخصت ہوتے ہوئے اس نے جھک کر ان سے کہا تھا۔ داؤد کے چلے جانے کے بعد بابا سراج کے بڑے بیٹے کے اضطراب اور پریشانی میں کچھ کمی ہو گئی تھی۔



فہد نے شیریں کے دل کے چور کو پکڑ لیا تھا اور وہ ان سے زندگی میں پہلی بار ناراض بھی ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شیریں نادانستگی میں ہمیشہ داؤد سے ناانصافی کرتی چلی آئی تھیں اور انہوں نے ایک اور ناانصافی اس کے ساتھ کر ڈالی تھی۔

''آپ نے یہ کیسے سوچ لیا امی! کہ اس لڑکی کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانے کے بعد آپ داؤد کو کسی اور سے شادی کر لینے پر مجبور کر لیں گی؟'' اس نے ان سے کہا تھا۔ ''آپ داؤد کو جانتی نہیں کیا، کیا آپ اس بات کو سمجھ نہیں رہی تھیں کہ اگر اس نے اپنی خواہش کا اس شدت کے ساتھ اظہار کیا تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی زندگی میں اس سلسلے میں کوئی اور گنجائش ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ امی! ہر بات اور ہر معاملہ ٹھنڈے دل سے سوچنے والا نہیں ہوتا، کچھ فیصلے فوری کرنے کے ہوتے ہیں اور ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہوتی۔ داؤد کا یہ فیصلہ بھی ایسا ہی فیصلہ تھا۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیے تھا کہ جب ہم چھوٹے تھے، اس وقت آپ تنہا تھیں۔ ابو کو اپنے فیصلے بدلنے پر مجبور کر دینے کے لیے آپ کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں تھا۔ آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے تھا کہ داؤد کی ضد میں اتنا دم خم ہو سکتا ہے کہ وہ ابو کی ناراضی مول لے لے اور پھر انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دے کہ وہ جو سوچتے ہیں ہمیشہ وہ درست نہیں ہوتا، اس کا کیریئر اس بات کا ایک مکمل ثبوت ہے۔ سب سے بڑھ کر آپ کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اپنے گھر کا بھرم رکھتے جس طرح آپ ابو کی خواہشات کے، مان کے لیے مرتی رہی ہیں۔ آپ کا یہ کارنامہ آپ کو تو کوئی میڈل دلوانے والا نہیں ہے البتہ آپ کی اولاد کی زندگی کو جہنم ضرور بنا سکتا ہے۔''

یہ الفاظ بہت سخت تھے، اتنے کاٹ دار کہ انسان کو زخم زخم کر ڈالیں اور ان کے اس بیٹے نے کہے تھے جو ہمیشہ سب سے زیادہ مخلص اور ساتھی ثابت ہوا تھا۔

''اور آپ یہ بھی بھول گئیں کہ اس بار آپ صرف داؤد کے ساتھ نہیں اس لڑکی کے ساتھ بھی زیادتی کر رہی ہیں جس کے خواب داؤد کے گرد گھومتے ہوں گے۔'' فہد نے مزید کہا تھا۔

''کیا ہے امی؟'' پھر جیسے وہ بے بس ہو کر بولا تھا۔ ''آپ کو کیوں سمجھ میں نہیں آیا کہ داؤد نے جب اس لڑکی کی ذات کو اپنی سوچ کا محور بنا لیا تھا تو وہ لڑکی اسے نہ بھی مل پاتی وہ کسی اور کو اس کی جگہ نہیں دے سکتا تھا۔ آپ داؤد کو سمجھ ہی نہیں پائیں، شاید ساری عمر۔''

''کیا انسان کبھی یہ بھی سوچتا ہے کہ وہ غلط کر رہا ہے۔''

شیریں نے خالی نظروں سے فہد کی طرف دیکھا تھا۔ ''اگر وہ یہ سوچ لے تو کبھی وہ نہ کرے جسے بعد میں غلط ثابت ہونا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ کرن، داؤد کو منع کر دے گی اور داؤد اسے ایک ناقابل حصول خواب سمجھ کر بھول جائے گا اور پھر وہ ضد میں آ کر اپنے ابو کا فیصلہ مان لے گا۔ میں شاید داؤد کو اتنا ہی سمجھ پائی تھی، اس سے زیادہ میں نے اس کو سمجھا ہی نہیں۔ مگر تم تو اس کے بہت قریب ہو، اسے سمجھتے ہو اور اسے سمجھانے کے گر بھی جانتے ہو، کیا تم اسے سمجھا نہیں سکتے کہ وہ جو گزر گیا اسے جانے دے اور آنے والے وقت پر نظر رکھے۔''

''نہیں، آئی ایم سوری امی! میں اس کو یہ نہیں سمجھا سکتا۔'' فہد نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں ان الفاظ سے آشنا ہی نہیں جن میں اس کو سمجھایا جا سکتا ہے۔''

شیریں نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور پھر گہرا سانس لے کر کچھ کہنے کے بجائے خاموش ہو گئیں۔

''تمہارے ابو جو طوفان اٹھا رہے ہیں، اس کا کیا نتیجہ نکلے گا، اس کا ادراک ہے تمہیں؟'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد انہوں نے دل میں اٹھتے اصل خوف کا اظہار کیا۔

''داؤد اب وہ بچہ نہیں ہے امی! جسے گھر چھوڑ کر چلے جانے کے بعد ہم ڈھونڈ کر واپس لے آتے تھے۔ مجھے افسوس ہے میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اسے سمجھانے اور مجبور کرنے کا نتیجہ ہماری توقع سے بھی زیادہ برا نکل سکتا ہے۔ بہتر ہے اسے ابھی اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ ممکن ہے کچھ عرصے کے بعد وہ خود ہی سمجھ جائے۔''

فہد نے شیریں کے زرد پڑتے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ماں کی یہ حالت دیکھ کر اس کا دل کٹ رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اس مرتبہ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

''اور تمہارے ابو؟'' شیریں کے ہونٹوں سے وہی الفاظ دوبارہ نکلے۔ میں اس عمر میں بھی اتنی ہی بے حیثیت ثابت ہوں گی اس گھر میں جیسے آج سے برسوں پہلے تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں تین جوان بیٹوں کی ماں ہوں اور میرے یہ سہارے میرے بازو ثابت ہوں گے اپنے باپ کے سامنے میری حیثیت کو ثابت کریں گے۔ مگر تم تو بغیر لڑے ہتھیار ڈال دینے والوں میں سے ہو۔''

''یہ کشمکش ابو اور داؤد کی ہے امی! آپ خود کو اس میں مت لائیں۔ آپ نیوٹرل رہیں۔ آپ کی حیثیت اس گھر میں ماں کی ہے اور اس حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ اگر ابو، داؤد کے رویوں کا ذمہ دار آپ کو ٹھہرائیں تو ہم ہیں ان کو اس بات سے روکنے کے لیے، اس کی آپ فکر مت کریں۔'' فہد نے نرم لہجے میں کہا۔

''پھر بھی تم ایک مرتبہ داؤد سے بات تو کر کے دیکھو۔''

''چلیں آپ کہتی ہیں تو یہ بھی کر لیتا ہوں مگر امی جو غلطی آپ کر چکی ہیں وہ غلطی نہیں بلنڈر ہے بلنڈر۔ میں داؤد کو کیا سمجھاؤں، میرا اپنا دل اس زیادتی پر بوجھل ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کو اندھیرے میں رہنے دیا جائے۔ آپ کی شخصیت، آپ کا امیج اس کی نظروں میں نیگیٹو نہیں ہونا چاہیے۔ ایک اجنبی اور غیر لڑکی آپ کی شخصیت اور حیثیت کی خاطر اگر اتنی بڑی قربانی دے سکتی ہے تو یہ کوشش ہم بھی کر سکتے ہیں۔''

''تم سمجھتے ہو یہ میں نے اپنے لیے کیا؟'' شیریں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''کیا میں نہیں چاہتی تھی کہ اس جیسی لڑکی جس کی چند روزہ رفاقت نے داؤد کے مزاج کو مثبت کی طرف موڑ دیا، اس کی زندگی میں ہمیشہ کے لیے آ جائے؟ مگر اس کے لیے ہم سب کو اس گھر کے بھرم کو انگارہ ہوتے دیکھنا پڑتا اور اس کی راکھ پر صرف میں ہی نہیں تم سب کو ماتم کرنا پڑتا۔ جو بات تم میرے بیٹے ہو کر نہیں سمجھ پا رہے، وہ اس غیر لڑکی نے کوئی سوال کے بغیر سمجھ لی۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہارے ابو زندگی اور صحت کی کس اسٹیج پر ہیں۔ اس اسٹیج پر ان کی بات کو،

ان کی خواہش کو رد کر دینا کتنا نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ تمہیں اس بات کا قطعی اندازہ نہیں۔''

''ہونا تو اب بھی وہی ہے امی! جس کے ڈر سے آپ نے یہ سب کیا۔'' ان کے سامنے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''اگر آپ سمجھتی ہیں کہ آپ داؤد کو اموشنلی بلیک میل کر سکتی ہیں تو مجھے افسوس ہے کہ آپ شدید غلط فہمی کا شکار ہیں۔''

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ شیریں کے اردگرد سناٹا تھا اور ان کے سامنے بہت سارے سوال ناچ رہے تھے۔



''میرے جیسے انسان کی زندگی میں صرف ایک ہی آمد کی گنجائش ہوتی ہے فہد بھائی! اور وہ آمد ہو چکی، کسی دوسرے کی گنجائش تو باقی رہی نہیں، بلکہ یہ ایک ناممکن بات ہے۔'' فہد نے داؤد کے چہرے کی سنجیدگی پر غور کیا اور اس کے دل نے گواہی دی کہ داؤد کے الفاظ سچے ہیں اور کسی بھی صورت حال میں ان میں ترمیم کی گنجائش نہیں۔

''میں اپنے جذبے اور سوچ کے بارے میں اتنا Sure تھا جب ہی میں نے اس کا ذکر فوراً امی سے کر دیا تھا۔ امی اس سے ملیں اور وہ بھی اس بات کی قائل ہو گئیں کہ میں نے اس کے بارے میں جو ان کو بتایا تھا وہ بالکل ٹھیک تھا۔''

''مگر یار! اب کیا صورتحال ہے؟'' فہد نے اپنی بات کو بے معنی محسوس کرتے ہوئے پوچھا اب تو تم نے امی کو بتایا ہے کہ وہ لڑکی یہاں سے چلی گئی ہے۔''

''دنیا سے تو نہیں چلی گئی۔'' داؤد نے نیچی آواز میں کہا۔

''مگر یار! اس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا، وہ کہاں اور کیوں جا رہی ہے۔ میں اس کی نیت پر شک نہیں کر رہا ہوں، ممکن ہے اس کی کوئی مجبوری ہو، اس کے بزرگوں نے اس کی کہیں اور شادی کر دی ہو۔ ممکن ہے اس کے گھر والے تم سے اس کی شادی پر رضامند نہ ہوں۔ ممکن ہے وہ یہ سب تمہیں بتا نہ پائی ہو۔''

''ہاں!'' داؤد نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر کہا اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ ''ممکنات کا تو شمار نہیں فہد بھائی! سوچنے لگیں تو بے شمار سوچی جا سکتی ہیں، مگر سب باتوں کا ایک ہی جواب ہے وجہ کوئی بھی ہو، وہ غائب ہو گئی مجھے بتائے بغیر اس کا کوئی پتہ، کوئی نشان میرے پاس نہیں ہے، مگر پھر بھی اس کے بعد کسی اور آمد کی گنجائش نہیں ہے، مجھے سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، مجھے یونہی رہنے دیں۔''

''زندگی ضائع کرو گے اس کے پیچھے؟'' فہد نے اس کی طرف دیکھا۔

''اگر اسے زندگی ضائع ہونا کہتے ہیں تو ہونے دیں۔'' داؤد کے چہرے پر اب کوئی تاثر نہیں تھا۔

''تمہیں معلوم ہے نا، ابو کیا چاہتے ہیں؟'' فہد کو معلوم تھا وہ بچوں کی سی بات کر رہا تھا۔

''ابو!'' داؤد ہولے سے ہنسا۔''ابو اور میں۔ یہ ہماری قسمت ہے فہد بھائی! ہمیں ایک دوسرے کے بالکل مخالف چلنا ہوتا ہے، ہمیشہ۔ جب میں نے کرن سے شادی کی بات امی سے کی تھی اس وقت بھی میرے لاشعور میں یہ خوف موجود تھا کہ اس اہم بات کے مخالف ابو اپنا کوئی آئیڈیا ضرور لائیں گے۔ اتنے برس گزر گئے، بہت کچھ بدل گیا، مگر ہماری قسمت سے یہ نکتہ نہیں مٹا۔ ابو جو چاہتے ہیں وہ تو میں اس صورت میں بھی شاید نہ مانتا اگر کرن میری زندگی میں نہ ہوتی۔''

''تو تم کیا کرو گے۔ ابو کے اصرار پر کس طرح ری ایکٹ کرو گے؟'' فہد کے لہجے میں عجیب سا خوف در آیا۔ ''تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ ابو کی صحت اور عمر اب اس قسم کی حرکتوں کی متحمل نہیں ہوسکتی اور امی کو بھی کسی نئے امتحان سے دوچار کرنا حماقت کی انتہا ہوگی، وقت واقعی بدل گیا ہے داؤد!''

''مجھے ہر بات کا ادراک ہے، میں ابو کو سنبھال لوں گا۔ اگرچہ میرے اور ان کے درمیان جو کمیونی کیشن گیپ ہمیشہ سے تھا، وہ اب بھی ہے۔ مگر آپ فکر نہ کریں۔ میں ان کو سمجھا لوں گا۔ بچپن کی بغاوت اور اس عمر کی بغاوت میں یقیناً فرق ہونا چاہیے۔''

''یار! کیا فائدہ ہوگا اس ضد کا؟'' فہد نے ایک بار پھر کوشش کی۔''وہ لڑکی چلی گئی، تمہیں کسی کے ساتھ تو زندگی گزارنی ہے نا، تم فطرت کے تقاضوں کو تو جھٹلا نہیں سکتے پھر یہ لڑکی کیوں نہیں جو ابو کی چوائس ہے۔''

''ارے فہد بھائی! آپ نہیں سمجھیں گے۔'' داؤد اب کے کھل کر ہنسا۔ فطرت کے تقاضوں کا ہی تو مسئلہ ہے سارا، خیر آپ فکر نہیں کریں، میں سنبھال لوں گا، کوئی قیامت نہیں آئے گی گھر میں۔''

''تم سے بڑا ہوں یار! اور ہمارے گھر کی تاریخ میرے سامنے ہے، تمہیں سمجھانا میرا فرض ہے۔ اب اس عمر میں تم گھر سے بھاگتے اور میں تمہارے پیچھے تمہیں ڈھونڈنے جاتا اچھا لگوں گا کیا، اب تو میرے اور سعود بھائی کے بچے بھی بڑے ہو رہے ہیں یار!''

''آپ سے میں نے کہا نا کہ آپ فکر نہ کریں، ابو کو میں ہینڈل کرلوں گا۔'' داؤد نے اسے ایک بار پھر تسلی دی۔



''ارے اس ملک میں تو وہاں سے بھی زیادہ غربت ہے اور مسائل کا انبار۔'' اس نے خود سے کہا۔

''اور ہم اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے اپنی قسمتوں کا ماتم کرتے رہتے ہیں۔'' یہ بات سوچنے کے بعد اس نے اپنی ڈائری میں نوٹ کرلی۔

''ٹورسٹس کے لیے دنیا کا ہر وہ کونا جس کو وہ دیکھنے جاتے ہیں، خوشحال ہوتا ہے اس لیے کہ پیسے کے عوض وہ تمام اعلیٰ سفری سہولتیں اور اپنے وقت سے حظ اٹھانے کے تمام بندوبست خرید لیتے ہیں۔''

اسے اپنے قریب سے آواز آئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ ایک لمبے قد اور متناسب جسم کا لڑکا

تھا۔ جس کے چہرے کے خدوخال ایسے تھے کہ وہ اس کی قومیت کے بارے میں فوری طور پر کوئی اندازہ نہیں لگا پائی تھی۔

''میرا نام جمال ہے، میں اسپین سے یہاں آیا ہوں۔ تاریخ کے ابواب کا مطالعہ کرنے کے لیے، ویسے میرا تعلق بھارت کی ریاست الٰہ آباد سے ہے۔''

''اوہ!'' اس کے ہونٹ سکڑے۔ ''ٹورسٹس کے لیے دنیا کا ہر کونا خوشحال ہونے کی بات تمہارے ذہن میں کیسے آئی؟'' اس نے جواب میں اپنا تعارف کروانے کے بجائے پوچھا۔

''اتفاق کی بات ہے کہ مجھے لفظ لکھتے ہاتھ بہت متاثر کرتے ہیں، لفظ چاہے کہانی کے ہوں، کسی رپورٹ کے، کسی کیش میمو کے یا سودا سلف کی لسٹ کے، مجھے اپنی جانب متوجہ کر لیتے ہیں اور میں کوشش کرتا ہوں کہ ان لفظوں کو پڑھ لوں۔ ابھی ابھی میں نے تمہیں کچھ لکھتے دیکھا اور میرے تجسس نے تمہارے لکھے ہوئے الفاظ مجھے پڑھا دیے، سو میں نے سوچا تمہیں بتاؤں کہ ملکوں میں غربت اور مسائل کے انبار ہوں بھی تو ٹورسٹس کے لیے ہر ملک کا ہر وہ کونا جس کو وہ دیکھنے کے لیے جاتے ہیں خوشحال ہی ہوتا ہے۔''

''مجھے علم نہیں کیونکہ میں نے دنیا کے جتنے کونے دیکھے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے، اس لیے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ میرا تعلق پاکستان سے ہے، یہاں آ کر مجھے احساس ہوا ہے کہ خوشحالی کی لکیر سے نیچے جو ممالک ہیں ان میں میرا ملک تو بہت بہتر ہے، مجھے ایک عجیب سا اطمینان ہوا۔''

''تمہیں بہت اطمینان ہوگا، اس سے بھی زیادہ اطمینان، اگر تم نائیجیریا جاؤ، سوڈان اور صومالیہ کا چکر لگا آؤ، کیا تم پہلی بار سیاحت کے لیے نکلی ہو؟'' اس نے ہنس کر پوچھا۔

''شاید۔'' وہ دوبارہ ہنسا۔ ''پھر تم یہاں کیا کرنے آئی ہو۔ طالب علم ہو کیا؟''

''نہیں پڑھنے کے لیے بھی نہیں آئی، میں اپنی بہن سے ملنے کے لیے آئی ہوں، اس کا شوہر سفارتخانے میں کام کرتا ہے۔''

''اوہ، بہت اچھے۔'' وہ مسکرایا۔ ''تمہارا نام؟''

''کرن شہزاد!'' اس نے اپنی ڈائری اور قلم بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''جغرافیائی لحاظ سے ہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار سہی مگر مذہب کے رشتے میں بہت طاقت ہے، تم کیا کرتی ہو، کیا تم طالب علم ہو پاکستان میں؟''

''میں نے کچھ عرصہ پہلے ماسٹرز کا فائنل امتحان دیا ہے۔ میرا تعلق ماس کمیونی کیشن سے ہے۔''

''اوہ، اور بھی اچھے۔'' وہ بے اختیار بولا۔ ''سپین جانے سے پہلے میں نے بھی ماس کمیونی کیشن میں ماسٹرز کیا تھا، مگر میں خالی ڈگری لے کر جوتے گھستے گھستے تھک گیا اور پھر موقع ملنے پر سپین چلا گیا۔ وہاں میں ایک ٹیلی کام ادارے میں کام کرتا ہوں، سارا سال کماتا ہوں اور پھر چھٹیاں گزارنے کے لیے دنیا کے چند

کونے دیکھنے نکل پڑتا ہوں۔ پچھلے چھ سال سے میرا یہ ہی معمول ہے اس بار میں نے فرعونوں کا مصر دیکھنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ ہم تاریخ میں انسانی مظالم کی باتیں پڑھتے ہیں۔ فرعونوں نے اپنے غلاموں کو اہرام بنانے پر لگا دیا اور ان پر ظلم وستم کی انتہا کر دی مگر وہ غلام تھے۔ لفظ غلام بہت اہم ہے اس سلسلے میں۔ تم نے دیکھا آج کی بظاہر آزاد قومیں کس کس کی غلامی میں کیسا کیسا پس رہی ہیں۔ وہ بھی سروائیول کی کوشش تھی، یہ بھی سروائیول کی کوشش ہے۔''

''دلچسپ!'' کرن نے اس کی بات سن کر محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ذہین لوگوں سے مل کر ہمیشہ خوشی ہوتی ہے، میں یقیناً تم سے مزید گفتگو کرتی، مگر میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بہنوئی نے صرف دو گھنٹے کے لیے میرے لیے ڈرائیور اور گاڑی کا انتظام کیا تھا اور میرے پاس گھر واپس پہنچنے کے لیے صرف پندرہ منٹ بچے ہیں۔''

''یہ میرا نام اور نمبر، یہ ہوٹل جہاں میں ٹھہرا ہوا ہوں۔'' اس کے مخاطب نے ایک چٹ پر جلدی جلدی کچھ لکھ کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ ''مجھے بھی دوبارہ تم سے مل کر خوشی ہوگی۔''

''یقیناً۔'' کرن نے اسے خدا حافظ کہا اور پارکنگ کی طرف چل دی۔ اس کے ذہن میں اس اجنبی کا ایک اچھا تاثر موجود تھا۔



سلمان کو خود پر حیرت محسوس ہو رہی تھی۔ ان کا وہ بیٹا جسے انہوں نے ہمیشہ غلط، باغی اور گستاخ سمجھا تھا اور خود کو اس کا مخلص باپ قرار دیتے ہوئے اس کی گستاخیوں کو درگزر کر کے اس کے لیے بہترین فیصلے کرنے اور انہیں اس پر مسلط کرنے کی کوشش میں عمر گزار دی تھی، کتنے رسان اور سمجھ داری سے انہیں اپنا موقف سمجھا گیا تھا اور کتنی خاموشی سے انہوں نے اس کی بات سن لی تھی۔

''کیا مجھے اس پر غصہ آ رہا ہے؟ کیا میں گھر میں ایک بار پھر کوئی طوفان اٹھانے والا ہوں؟ کیا میں اپنی بیوی کو اس کی اس نئی بغاوت کا سزاوار قرار دینے والا ہوں؟ کیا یہ سب اس کی غلط تربیت اور بے جا حمایت کا نتیجہ نہیں؟ کیا میں اپنا ردعمل اپنے دوسرے بچوں پر ظاہر کرنے والا ہوں جیسے چند روز پہلے میں نے فہد پر ظاہر کیا؟''

''ان گنت سوال ان کے ذہن میں گردش کر رہے تھے اور پھر ان کا دل ان کے ایک ایک سوال کا جواب دینے لگا۔

''ہاں مجھے اس پر غصہ آ رہا ہے، اور میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ایک بار پھر گھر میں اپنے غصے سے ایک بہت بڑا طوفان اٹھاؤں، میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیوی کو اس کی اس بغاوت کا سزاوار ٹھہرا کر اس کی غلط تربیت اور بے جا حمایت پر اسے سخت سست سناؤں، اس کے دل کو اتنے کچوکے لگاؤں کہ ہمیشہ کی طرح وہ ایک

بار پھر اپنی ممتا کا واسطہ دے کر اس کو میری بات مان لینے پر مجبور کر دے اور ایک بار پھر میری انا کی تسکین کا سامان کر دے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس طوفان کے اندر میں اپنا وہ غصہ بھی نکال دوں جو اس کے فوج میں نہ جانے کے فیصلے پر میرے اندر ابھی تک چھپا بیٹھا ہے اور جو دو سال تک اس کو بالکل مخاطب نہ کرنے کے باوجود اور اسے کسی قسم کی مالی امداد نہ دینے کے باوجود، اس کی کامیابیوں کا اعتراف کر لینے کے باوجود اس کے مزاج میں مثبت تبدیلیوں کو دیکھنے اور برت لینے کے باوجود ابھی تک میرے اندر لوٹیں لگاتا باہر نکلنے کو بے چین ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنا یہ ردعمل اپنے دوسرے بچوں پر بھی ظاہر کروں تاکہ وہ اپنا اور اس گھر کا بھرم رکھنے کی خاطر میری خوشامد کریں، میرے آگے پیچھے پھریں اور میری اس گھر میں حیثیت کا ایک بار پھر باضابطہ اعلان کریں مگر......"

انہوں نے اپنے گھر کے ٹی وی لاؤنج کی مشرقی دیوار پر بجی پینٹنگ کو جسے وہ ہمیشہ بہت غور سے دیکھا کرتے تھے، غور سے دیکھا۔ اس پینٹنگ میں ایک شیر کو اونچے پہاڑ سے نیچے اترتے دکھایا گیا تھا، پہاڑ کی چوٹی پر کوئی دوسری مخلوق براجمان تھی، نحیف ونزار شیر کا وقت ختم ہو چکا تھا۔

ان کی نظروں کے سامنے ان کی پوری زندگی فلم کی طرح چلنے لگی۔ وہ زندگی کا ایک بڑا حصہ گزار چکے تھے۔ اب شاید ان کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ انہیں ادراک ہونے لگا تھا ان کے ردعمل پر اب کوئی بھی ان کی منت سماجت کو نہیں بھاگے گا، ان کے بچے اپنی زندگیاں، اپنی انفرادی حیثیت بنا چکے تھے، وہ ان کے سہارے کے محتاج نہیں رہے تھے، ان کے اپنے گھر اور اپنی زندگیاں تھیں۔ اب وہ انہیں جو احترام اور محبت دیتے تھے وہ ان سے رشتے اور ان کی ماں کی تربیت کا نتیجہ تھا، انہیں یہ بھی احساس ہونے لگا تھا کہ اب وہ ہمیشہ کی طرح اپنی بیوی کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھے۔ کیونکہ اس بار ان کے بچے انہیں ایسا بھی نہیں کرنے دیں گے، وہ اس پوزیشن میں آ چکے تھے کہ اپنی ماں کی جائز حیثیت ان کے گھر میں منوا سکیں۔

وقت بدل گیا تھا، گھر کے حالات بدل چکے تھے، گھر میں ان کی حیثیت کو ماننا اور ان کا احترام کرنا کسی اور کی صوابدید بن چکا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے شانے جھک گئے تھے، انہیں ایک ایک کر کے اپنی بیوی کی تمام قربانیاں اور ایثار یاد آ رہے تھے اور انہیں یہ بھی احساس ہونے لگا تھا کہ اس بنے سنورے گھر کی خوبصورتی اور بھرم کی جمع تفریق میں ان کا حصہ بہت کم تھا، اگر شیریں ایثار اور قربانی اس میں نہ ڈالتیں تو یہ اکاؤنٹ اجڑا ہوا، لٹا پٹا رہ جاتا۔ دفعتاً انہیں محسوس ہوا کہ وہ خود، یہ گھر، ان کے بچوں کی شخصیتیں سب شیریں کی ذات کی مرہون منت تھیں۔

"وہ خود کون تھے؟" انہوں نے خود سے سوال کیا، صرف ایک کماؤ ہاتھ...... کماتا تو ہر کوئی ہے۔ انسان کو صرف اپنی بقاء کے لیے بھی تو کمانا ہی ہوتا ہے پھر انہوں نے کیا کمال کیا کہ صرف ایک کماؤ ہاتھ ہونے

کے زعم میں اپنے گھر کا سارا مزاج ہی اپنی مرضی کے تابع رکھا۔ انہیں اس روز پہلی مرتبہ اپنی انا، شخصیت، غرور اور خود پرستی شیریں کے بے لوث ایثار کے سامنے ہیچ نظر آنے لگی تھی۔

''مجھ سے تو داؤد ہی اچھا رہا۔'' انہوں نے ایک اعتراف کیا۔ ''اپنی تمام بغاوت غصے اور سرکشی کے باوجود اس نے اپنی ماں کا احترام ملحوظ رکھا۔''

انہیں احساس ہونے لگا تھا کہ داؤد کو اکیلے اپنی تعلیم کے لیے جدوجہد کرتے دیکھ کر شیریں کا دل کیسا تڑپتا ہوگا جبکہ وہ جانتی تھیں کہ سلمان اس کی پڑھائی کا سارا خرچہ برداشت کرنے کی پوزیشن میں تھے۔

''اوہ میں نے اس کو کہاں کہاں اور کیسا کیسا آزمایا۔'' انہیں خیال آیا۔ ''اور میری انا نے مجھے اس کے ہر دکھ سے کتنا بے نیاز رکھا۔ مجھے ہمیشہ توجہ لینے کی عادت رہی، میں نے کبھی توجہ دی ہی نہیں کہ دوسرے کیا سوچتے ہیں، مگر کیا میں ان سب کے سامنے یہ اعتراف کر سکتا ہوں کہ میں نے ساری عمر اپنے کردار کو غلط طریقے سے نبھایا۔''

ان کی نظر دوبارہ اس پینٹنگ پر پڑی۔ ''ایک انا پرست، خود پسند اور حاکمیت پسند انسان کے لیے ایسا اعتراف کرنا آسان نہیں بہت مشکل ہوتا ہے بلکہ ناممکن۔''

ان کے دل نے انہیں بتایا تھا، ان کے چہرے پر اچانک شدید تکلیف کے آثار ابھرے، انہیں اپنے جسم کے کسی حصے میں بہت درد اور کھنچاؤ محسوس ہو رہا تھا۔ اس رات سلمان کے جسم کے دائیں حصے کو فالج کے حملے نے مفلوج کر دیا۔



''زندگی تو سب لوگوں کی ہی گزر جاتی ہے، کیونکہ خداوند کی طرف سے زندگی ملتی ہی اس لیے ہے کہ اسے گزارا جائے، فرق صرف اس بات پر پڑتا ہے کہ اسے ہم نے کیسے گزارا۔''

جوزف اس روز ذہنی طور پر بہتر حالت میں تھا۔ اس لیے اس نے فلسفیوں کے سے انداز میں داؤد کو بتایا۔

''کبھی کبھار میں جب خود کی دنیا میں واپس آتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ میری زندگی بے کار ہے، میں کسی کے لیے فائدہ مند نہیں ہوں، مجھے اپنی زندگی کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر پھر میں سوچتا ہوں کہ خداوند نے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی تو پھر ایک انسان کیسے بے مقصد ہو سکتا ہے، شاید میں دوسروں کے لیے آزمائش ہوں۔ میری زندگی کا مقصد روز میری تھی اس مقصد کو پا لینے کے بعد میں نے اسے کھو دیا، اسے کھو دینے کے بعد میں نے من کو پا لیا۔ من تمہیں پتہ ہے کیا ہے؟''

اس نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے داؤد کی طرف دیکھا۔ داؤد اس کی گفتگو میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"Innerself" اندر کی دنیا، اندر کی دنیا میں عجیب عجیب بستیاں آباد ہوتی ہیں، انہیں کھوجتے کھوجتے انسان اس اعلیٰ ذات کا اسرار پالیتا ہے، جسے کسی دوسری صوت میں کھوجنے کا وہ تمام عمر سوچتا بھی نہیں۔ میں تمہیں بتاؤں کہ اگر انسان کے اندر روشنی ہو تو انسان کی ظاہری شخصیت بھی روشن اور منور ہو جاتی ہے۔ مگر اس کو پانا بہت مشکل ہے۔ ہماری شخصیتوں کے کالے رخ اس راہ کو کھوٹا کرتے ہیں، خداوند کی رحمت کو پائے ہوئے وہ لوگ ہی ہوتے ہیں جو اپنے راستے کی تمام رکاوٹیں عبور کرتے اس منزل کو پالیتے ہیں۔ وہ فرشتہ سیرت لڑکی خداوند کی رحمت سے فیض یاب ہے، کیونکہ اس کی نیت میں کوئی کھوٹ نہیں اور اس کی سوچ میں کوئی ریا نہیں۔ اس نے اپنے دکھوں کو سہتے سہتے دوسروں کے دکھوں کو سمجھنا سیکھ لیا اور ایک خاموش مددگار کے طور پر بساط بھر کوشش میں مصروف ہوئی۔ وہ بظاہر عام سی لڑکی ہے، جس کے بارے میں شاید اس کے قریبی تعلق دار بھی یہ گمان نہ کر سکتے ہوں کہ وہ دنیا میں موجود چند انسانوں کے لیے کتنی بڑی تسلی، کتنا خوب صورت دلاسہ، کتنی توانا ہمت اور کتنا پیارا احساس ہے۔''

کرن کے لیے کہی جوزف کی ایک ایک بات داؤد کو خوشی عطا کر رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے جوزف نے یہ الفاظ خود اس کے اپنے لیے کہے ہوں۔

''مجھے ایسا اس لیے لگ رہا کہ میں نے خود کو تم سے کبھی الگ سمجھا ہی نہیں۔'' اس نے اپنے دل میں براجمان ایک ہیولے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور مسکرا دیا۔

''میں نے تم سے زندگی بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا، اس لیے کہ تم اس دنیا میں موجود مثالوں سے ڈرتی تھیں، تمہیں خوف آتا تھا کہ جن لوگوں سے تم محبت کرتی تھیں وہ تمہیں چھوڑ گئے، تمہیں ڈر لگتا تھا کہ بہت سے لوگوں نے محبت کو ایک فضول اور سستا سا جذبہ بنا کر رکھ دیا، کہیں تمہارے ساتھ بھی ایسا نہ ہو، مگر تم دیکھ لینا کہ میں نے جس چیز کا عہد تم سے کیا تھا اسے کیسے نبھاتا ہوں۔ تم نجانے کس ڈر سے کہیں جا چھپی ہو، مگر مجھے کبھی تم خود سے الگ محسوس نہیں ہوئیں۔ تم مجھے ہر جگہ نظر آتی ہو، اسی شہر میں، کبھی مسٹر جوزف کے ساتھ بیٹھی ہوئی، کبھی کروائیٹرز کے داخلی دروازے پر کھڑی، کبھی بابا سراج کے فٹ پاتھ پر، کبھی یونیورسٹی کے پل پر اور کبھی لینگویج سینٹر کی سیڑھیوں پر کھڑی۔ مجھے تم ہمیشہ مسکراتی ہوئی نظر آتی ہو اور تمہاری مسکراہٹ میری تمام مایوسی اور دکھ ختم کر دیتی ہے اور میرا دل کہتا ہے کہ آنے والا کل ضرور آئے گا۔''

''محبت اور آزمائش کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔'' کافی دیر خاموش رہنے کے بعد جوزف نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے چونکا کر تصور کی دنیا سے باہر نکالا۔ ''جو بہت آسانی سے مل جائے وہ محبت نہیں ہوتی، اگر اسے محبت کا نام دے بھی دیا جائے تو اس کی قدر نہیں رہتی۔ آزمائش کا سامنا کر کے جس محبت کا حصول ہو، اس کی بہت قدر کرتا ہے انسان، اسی صورت میں اسے the most valueable (سب سے زیادہ گراں قدر) کی سمجھ آتی ہے۔ محبت ہو جائے تو آزمائش کا سامنا کرنے کو تیار ہو جاؤ اور خداوند سے اس کی

رحمت مانگنا نہ بھولو۔

"Your rose marry is not dead" (تمہاری روز میری مری نہیں ہے) پھر اس نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

she is merely lost. وہ صرف نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے اسے ڈھونڈو، اس کا انتظار کرو، اسی انتظار میں تم من کو پا جاؤ گے۔ جب روز میری زندگی میں نہیں رہتی نا تو انسان من کو پا جاتا ہے، من، من کی دنیا من کی دنیا سوز و ساز فکر و فن، ہاہاہا۔"

جوزف پر خود کی دنیا سے دور ہونے کا دورہ پڑنے والا تھا۔



"میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ہم پر آنے والی ہر مصیبت کا تعلق داؤد ہی سے کیوں ہوتا ہے؟" سعود نے شیریں کو مخاطب کہا، شیریں نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، وہ پچھلی رات باپ کے پاس آئی سی یو میں گزار کر آیا تھا۔

"بیماری اور تکلیف اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ اس میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔" شیریں نے چائے کی پیالی پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"مگر ابو کے ساتھ ایسا اس ٹینشن کی وجہ سے ہوا، جو انہوں نے داؤد کے انکار پر لے لی۔ یہ ڈاکٹرز کی رائے ہے امی! کہ وہ شدید اعصابی دباؤ سے گزرے، یہ زندگی ہے کوئی بچوں کا کھیل نہیں، امی کہ جب چاہا کھیل لیا جب جی چاہا بگاڑ دیا، وہ کوئی بچہ ہے اب کیا، اسے معلوم نہیں کہ ابو اپنی بات کے رد کیے جانے پر کیسے ری ایکٹ کرتے ہیں۔ اپنی اور اس کی عمر کا لحاظ کرتے کرتے اس بار وہ ری ایکٹ نہیں کر سکے اور انہوں نے اپنے دل کو لگا لیا۔ کیا یہ ہمارے گھر میں صرف آپ کی اور ہماری آزمائش کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔"

"اوہ!" شیریں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ہاتھ اپنی کنپٹیوں پر رکھ لیے۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ مزید ایک لفظ بھی سننے کی صورت میں ان کے حواس جواب دے جائیں گے۔

"آپ نے ہمیشہ اسے بے جا پمپر کیا، آپ نے اس سے ابو کی کہی بات منوائیں بھی تو یہ احساس دلا کر کہ وہ ٹھیک کہتا ہے مگر ابو کی بات ماننا اس کی اور آپ کی مجبوری ہے۔ جب اس نے فوج میں نہ جا کر اور فنانس جائن کر کے ان کی خواہش پر لات ماری تھی، اس وقت ان میں ہمت تھی۔ اس لیے سہہ گئے، ورنہ جو آج ہوا ہے وہ اتنے برس پہلے ہو جاتا۔"

شیریں کی سماعت پر اس کی گفتگو بجلی بن کر برس رہی تھی۔ مگر وہ چائے کی پیالی پر یوں نظریں جمائے ہوئی تھیں جیسے اس کا ڈیزائن کوئی اعلیٰ درجے کی پینٹنگ ہو۔

"امی کا اس میں کیا قصور ہے؟ آپ امی کو کیوں پریشان کر رہے ہیں۔" ان کی بہو مریم نے ان کی

حالت دیکھتے ہوئے سعود کو خاموش کرانے کی کوشش کی۔

''تم اس سلسلے کو جانتی نہیں ہو، اس لیے ایسا کہہ رہی ہو۔'' سعود نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ داؤد نے ابو کی خواہش سے انکار کس کے حوصلہ دلانے پر کیا۔''

''اتنی بدگمانی، اتنی غلط فہمی!'' شیریں کا دل پھٹنے لگا۔

''کیا یہ امیج بنایا میں نے اپنی ساری زندگی، اپنی اولاد کے سامنے؟'' انہوں نے خود سے سوال کیا اور انہیں افسوس ہوا کہ وہ خود بھی کسی ایسے ہی حملے کی زد میں آنے والی تھیں، جس کا شکار ایک دن پہلے سلمان صاحب ہوئے تھے۔

''اس طرح کی باتیں کر کے آپ امی کو بھی بیمار کر دیں گے سعود!'' مریم نے ان کی حالت کو دیکھا اور سمجھ لیا تھا۔

''چلیں امی! میں آپ کو آپ کے کمرے میں لے جاؤں، پریشانی نے سعود کا ذہن خراب کر دیا ہے۔'' وہ انہیں سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے بولی۔

''جس بات کی تفصیل کا پتہ نہ ہو سعود بھائی! اس پر یوں بے لاگ تبصرہ نہیں کرنا چاہیے۔'' انہوں نے کمرے سے نکلتے نکلتے فہد کی آواز سنی، جو دوسرے دروازے سے ابھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''آپ کو علم نہیں کہ ابو کو کسی بھی ایسی صورت حال سے بچانے کے لیے امی نے کیا کیا ہے آج تک؟'' وہ کہہ رہا تھا۔

''کوئی تو ہے جو سمجھتا ہے، کوئی تو ہے جو جانتا ہے۔''

اپنے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موندنے سے پہلے انہوں نے سوچا تھا۔

''امی چاہتی تھیں کہ داؤد انکار نہ کرے، انہوں نے مجھ سے بھی کہا تھا کہ اسے سمجھاؤں، مگر ہر بات سمجھائی جانے والی نہیں ہوتی۔ آپ امی کی نیت اور کوشش پر شک کر کے زیادتی کر رہے ہیں۔ ابو کی صحت کی طرف سے انہیں یہ ہی خطرہ لاحق تھا، اسی لیے وہ نہیں چاہتی تھیں کہ داؤد ابو کو صاف انکار کرے۔''

فہد کے لہجے میں دکھ تھا۔

''مجھے افسوس ہے سعود بھائی! آپ نے امی کو غلط سمجھا، اس وقت جب انہیں ہمارے دلاسے، تسلی، محبت اور سہارے کی ضرورت ہے، اس وقت ہم انہیں یہ بتانے بیٹھ جائیں کہ کیا غلط ہے کیا صحیح، کیا ہونا چاہیے، کیا نہیں اس سے بڑی زیادتی کیا ہوگی۔''

''مگر یہ داؤد کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟'' سعود شرمندگی کے احساس کو مٹانے کی خاطر بولا۔ ''اس نے ضرور زندگی کے ہر اہم موڑ پر ہمارے لیے کوئی نئی مصیبت کھڑی کرنی ہوتی ہے۔''

''یہ مصیبت میری کھڑی کی ہوئی نہیں ہے سعود بھائی!'' داؤد کی آواز پر وہ چونک کر مڑا۔ ''میں نے

ابو کے بات کرنے سے بہت پہلے امی کو بتا دیا تھا، وہ جانتی تھیں کہ جہاں ابو کہہ رہے تھے میں وہاں شادی نہیں کروں گا، جب میں نے ابو سے خود بات کی اس وقت بھی میں ان کے فوری ردعمل کا منتظر تھا، مگر انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ کیا یہ ضروری ہے کہ زندگی میں آنے والی ہر اونچ نیچ کا ذمہ دار میں ہی ٹھہرایا جاؤں گا۔"

"مگر تم جانتے ہو ابو کی یہ حالت اسی انکار کا نتیجہ ہے، اس بار انہوں نے یوں ردعمل ظاہر کیا ہے۔" فہد نے کہا۔ "میں تمہیں یہ ہی بات سمجھا رہا تھا پچھلی مرتبہ۔"

"بیماری خدا کی طرف سے آتی ہے فہد بھائی! وہ ٹھیک ہو جائیں گے جلد، ڈاکٹرز کہتے ہیں یہ کوئی زیادہ خطرناک حملہ نہیں تھا۔" داؤد نے مریم سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

"دیکھو، خدانخواستہ، ابو کو کچھ نقصان ہو گیا تو تم ہمیشہ کے لیے مجرم بن جاؤ گے۔" ناشتے کے بعد کمرے سے باہر نکلتے ہوئے فہد نے اسے یاد دلایا۔

"ابو بہادر آدمی ہیں فہد بھائی! چیلنج کرنا جانتے ہیں اور اسے نبھانا بھی، اگر یہ میری ہی بات کا نتیجہ ہے تو دیکھئے گا، وہ اسے فیس کرنے کے لیے جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔" داؤد نے نرمی سے جواب دیا تھا۔



"میں تمہاری کھوج میں نکلا اور مجھے ایک بہت خوبصورت انسان سے تعارف حاصل ہو گیا۔"

"تم سے ملنے سے پہلے میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ ایک Pointless (بے مقصد) زندگی گزار رہا تھا میں، میں اپنے گھر والوں اور دوستوں کے ساتھ گفتگو کرتا، اٹھتا بیٹھتا اپنی زندگی میں ایک خلا محسوس کرتا تھا۔ تم سے بات کرتا ہوں تو مجھے لگتا ہے یہ خلاء پر ہو گیا ہے۔ صرف تم سے بات کر کے مجھے ایسا لگتا ہے، تم میری زندگی میں مکمل طور پر آ جاؤ گی تو سوچو میں کیسا محسوس کروں گا۔"

"ہر نئے دن کا آغاز پر میں تمہیں خود سے پہلے سے زیادہ قریب محسوس کرتا ہوں۔"

"تمہیں دیکھ کر میرے ذہن میں ایک ہی نام آتا ہے فرشتہ، تم ایک Fallen Engel ہو۔"

"تم بہت پیاری ہو، تم Gorgeous (نایاب) Gorgeous۔"

"تم نے کبھی Humming Birds کی آواز سنی ہے، تم ہنستی ہو تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میرے اردگرد کہیں کوئی Humming Bird موجود ہے، تم ہنستی رہا کرو، خوش رہا کرو پلیز۔"

"ہاں ہم دنیا کی سیر کو چلیں گے اکٹھے۔ ہم بابل اور نینوا بھی جائیں گے اور نیاگرا فال بھی دیکھیں گے، الحمرا کا محل بھی اور استنبول کی مسجدیں بھی، ہم سب دیکھیں گے مگر پلیز پلیز! ہم میری پسند پر سلوراسٹون فارمولا ون ریس کا ایک ایونٹ بھی دیکھنے ضرور چلیں گے۔"

"میں تمہیں ہاتھی ضرور لے کر دوں گا، خواہ اس کے لیے مجھے افریقہ میں نوکری کیوں نہ کرنی پڑے اور میں تمہارے لیے چاکلیٹس کے ٹرک اور آئس کریم کے کنٹینر ضرور خریدوں گا، ہم مالی کے گھر بھی جائیں گے

اور درخت کے نیچے بیٹھ کر کھانا بھی کھائیں گے اور نہر کے کنارے بیٹھ کر جگنوؤں کو تو ضرور ہی دیکھیں گے۔''

''اوہ!'' کرن نے آنکھیں میچیں، آوازیں، آوازیں، آوازوں کی بازگشت جیسے ملغوبہ بنا کر اس کا پیچھا لیتی تھیں۔ وہ ان کی طرف سے دھیان ہٹانا چاہتی تو وہ اور بلند آواز میں اس کے کانوں کے اردگرد پھیل جاتیں۔ اتنے مختصر وقت میں اتنی باتیں جمع ہو گئیں کہ عمر بھر یاد کرنے کے لیے کافی تھیں، اوہ میرے خدا!

اس نے اور زور سے آنکھوں کو میچ لیا میرا خیال تھا کہ میں بھول جاؤں گی میرا خیال تھا کہ میں نئے نئے کاموں میں خود کو الجھا لوں گی، مگر شاید میں نہیں جانتی تھی کہ یہ اتنا آسان نہیں ہوگا بلکہ شاید یہ ممکن ہی نہیں ہوگا۔'' اس نے دکھ سے سوچا اور آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ وہ سارا اور فرقان بھائی کے ساتھ اہرام دیکھنے کے لیے آئی تھی اور تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' پھر اس نے اپنے قریب سے ایک آواز سنی اس نے سر اٹھا کر دیکھا، وہ جمال تھا۔

''تم نے مجھے اپنے گزا ٹرپ کے بارے میں بتایا تھا، میں نے سوچا میں بھی ایک بار دیکھ لوں، شاید تم سے ملاقات ہو جائے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ پہلی ملاقات کے بعد جمال کبھی کبھار اس سے فون پر بات کر لیتا تھا یا کوئی نئی جگہ دیکھنے پر اسے میسج ضرور کرتا، وہ اسے اس جگہ کی تصویر بھیجتا اور بتاتا کہ اسے بھی وہ جگہ دیکھنی چاہیے۔ یہاں آنے کے بارے میں کرن نے اسے دو دن پہلے بتایا تھا اور اسے بھول چکا تھا کہ اس نے اسے یہ بات بتائی تھی۔ مگر وہ یہاں موجود تھا۔

''تم نے زندگی کی بے ثباتی اور انسان کی احمقانہ کوششیں دیکھ لیں۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''ہاں!'' کرن نے سر جھکا کر کہا۔ ''مگر یہ احمقانہ کوششیں تو نہیں ہو سکتی جسے دیکھنے کے لیے اتنے برسوں سے لوگ یہاں آ رہے ہیں۔''

''احمقانہ کوشش ہی کو دیکھنے تو آتے ہیں۔'' وہ مسکرایا۔

''نہیں یہ اچھا ہے، جو یہاں آتا ہے اسے زندگی کی بے ثباتی اور موت کی حقیقت سے مزید آگاہی ہو جاتی ہے۔'' کرن نے جواب دیا۔

''اچھا تو تمہاری آنکھیں یہ حقیقت دیکھ کر بھیگ گئی تھیں میں تو پریشان ہو گیا تم کیوں رو رہی ہو؟'' وہ ایک دفعہ پھر مسکرایا۔

''نہیں ایسی بھی بات نہیں۔'' وہ اس کے تیز مشاہدے پر حیران ہوتے ہوئے بولی۔

''اچھا تو اس کی وجہ کوئی اور ہے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''خیر تمہارے بہنوئی اور بہن کہاں ہیں؟''

''وہ پیچھے تھے مجھ سے، آ رہے ہوں گے۔'' کرن نے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا کب تک یہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟ تم واپس کب جاؤ گی؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''واپس۔'' کرن کو جیسے کرنٹ لگا۔ ''میرے چچا کوشش کر رہے ہیں کہ مجھے کسی اچھی یونیورسٹی میں

مزید پڑھنے کا موقع مل جائے، میں شاید ابھی واپس نہ جاؤں۔''

''ہے تو یہ ذاتی سوال، اور شاید مجھے پوچھنا بھی نہیں چاہیے، لیکن اگر تم برا نہ مانو تو بتاؤ کہ تم اتنی دکھی کیوں ہو رہی ہو؟''

اس کا مشاہدہ بلا کا تیز تھا اور وہ غالباً چہرے پڑھنے کا فن جانتا تھا۔

''تمہارے چہرے پر کچھ کھو دینے کا احساس ہے اور تمہارا چہرہ اور تمہاری آنکھیں تمہاری ہنسی کا ساتھ نہیں دے پا رہیں، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''کچھ کھو دینے کا غم۔'' کرن نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''سب کچھ کھو دینے کا غم۔''

''اوہ!'' اس نے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' کرن نے سر ہلایا۔ ''ہو جاتا ہے ایسے ہو جاتا ہے۔'' پھر اس نے اپنے قریب آتے بچے کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ ''یہ میرا بھانجا اویس ہے۔'' اور وہ اس نے قریب آتے ایک جوڑے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرے بہن بہنوئی میری بہن کے گود میں اس کی بچی ہے۔''

''یہ جمال ہیں، بھارت سے آئے ہیں۔'' اپنی بہن اور بہنوئی کے قریب آنے پر اس نے تعارف کروایا۔ ''یہی مجھے ان جگہوں کی تصویریں بھیجتے ہیں جن کے بارے میں آپ سے پوچھتی رہتی ہوں فرقان بھائی!'' وہ کہہ رہی تھی۔

اس کے بہنوئی نے خوش دلی سے اس سے ہاتھ ملایا اور اسے قاہرہ میں اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی۔ وہ اس فیملی سے مل کر خوش ہوا تھا، مگر وہاں سے واپس آتے ہوئے اسے اس لڑکی کی آنکھوں کی نمی اور اس کا کہا جملہ۔

''کچھ کھونے کا غم یا سب کچھ کھونے کا غم۔''

بے طرح یاد آتا رہا۔



شیریں کے لیے وہ دن پہلے سے زیادہ تکلیف دہ تھے جب سلمان ہسپتال میں رہے اور وہاں سے آنے کے بعد بھی نارمل انسان کی طرح دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ان کے سب بچے ان کے پاس تھے، مگر وہ خود کو تنہا محسوس کرتی تھیں۔ اس صورت حال نے انہیں ایک بار پھر داؤد کو بات کی باپ رد نہ کرنے کی التجا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''یہ ہمیشہ کی طرح والا معاملہ نہیں ہے امی! مجھے افسوس ہے اس بات پر میں آپ کی خاطر دل پر پتھر نہیں رکھ سکتا۔'' اس نے انہیں صاف انکار میں جواب دیا تھا۔

''جس کی خاطر تم یہ انکار کر رہے ہو وہ بغیر تمہیں کچھ بتائے تمہاری زندگی سے جا چکی ہے داؤد، پھر

انکار کیوں؟'' وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے لہجے کی تلخی چھپا نہ سکیں۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔

''وہ ہے یا نہیں، اس کے چھوڑے نقوش اتنے ان مٹ ہیں کہ ان پر کسی دوسرے کا سایہ پڑنے کا امکان ہی نہیں ہے مگر میں یہ بات آپ کو نہیں سمجھا سکتا شاید کسی کو بھی یہ بات نہیں سمجھائی جاسکتی، مگر پلیز! آپ مجھے اس بات پر مجبور نہ کریں کہ آپ کے اصرار کا سامنا نہ کرنے کی صورت میں میں آپ کے سامنے آنا ہی چھوڑ دوں۔''

شیریں کو اتنے سخت جواب کی توقع نہیں تھی شاید وہ بھول گئی تھیں کہ داؤد وہ چھوٹا بچہ نہیں رہا جسے وہ اپنا نارتھ اسٹار کہہ کر بہلا لیتی تھیں۔ اب وہ بڑا ہو چکا تھا اور خوب جانتا تھا کہ دنیا میں اس کی حیثیت کیا ہے۔ وہ اس کے جس بدلے ہوئے مزاج کو دیکھ کر اس کے بارے میں خوش فہمی کا شکار ہو گئی تھیں، وہ اسی لڑکی کی موجودگی کا اثر تھا اور وہ ایک ایسا اثر تھا جو وہ خود تمام عمر اس کی شخصیت پر نہ چھوڑ سکی تھیں۔

''آپ غم نہ کریں، میں داؤد کو سمجھا لوں گی، مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی بات مان جائے گی۔''

اس شکست خوردگی اور نا امیدی کے باوجود انہوں نے ہمیشہ کی طرح سلمان کو یقین دلانے کی کوشش کی، جو بہترین علاج کے باعث پہلے دن سے خاصے بہتر نظر آ رہے تھے۔ جواب میں سلمان نے انہیں جن نظروں سے دیکھا تھا، وہ ان کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھیں۔ اب وہ نفی میں سر ہلا رہے تھے۔

''اوہ!'' یہ کتنے دکھی ہیں یا پھر شاید شدید غصے میں ہیں، یا اللہ! میری مدد کر۔'' وہ مزید گھبرا گئیں۔

سعود اور فہد چھٹی ختم ہو جانے کی وجہ سے واپس جا رہے تھے۔ سلمان کے گھر آنے کے بعد وہ باقی سب کام چھوڑ کر صرف ان کی خدمات میں مصروف رہتی تھیں۔ وہ اپنے بہت سے کام کرنے سے قاصر تھے۔ شیریں کی ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں۔ مگر پھر انہوں نے دیکھا کہ سلمان کے بہت سے کام داؤد نے اپنے ذمے لے لینے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ ان کا دل ڈرنے لگا، سلمان اس کوشش پر کس طرح ردعمل ظاہر کریں گے، اگر انہیں دوبارہ کچھ ہو گیا تو وہ اپنے باقی بچوں کے سامنے ایک بار پھر مجرم بن جائیں گی۔ وہ دیکھتی تھیں داؤد آفس سے آنے کے بعد سلمان کے پاس آ جاتا ان کے متاثرہ جسم کو دباتا، سہلاتا اور مالش کرتا تھا۔ انہیں اخبار پڑھ کر سناتا اور اپنے دن بھر کی روٹین میں سے ان کی دلچسپی کے قصے بھی انہیں سناتا تھا۔

وہ ڈرتے ڈرتے سلمان کے چہرے کی طرف دیکھتیں۔ جس پر کوئی اثر انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ بس کبھی کبھی انہیں ایسا لگتا تھا جیسے سلمان کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہوں۔ وہ اسے ان کی بے بسی خیال کرتی تھیں ممکن ہے وہ داؤد سے کوئی خدمت نہ لینا چاہتے ہوں اور یہ ان کی بے بسی ہو کہ وہ اس پر مجبور ہیں۔ وہ خود سے قیافے لگانے کی کوشش کرتی تھیں، مگر انہوں نے داؤد کو کبھی باپ کے قریب آنے سے منع نہیں کیا تھا، وہ جب ان کے پاس آتا شیریں کو۔

''امی! اب آپ آرام کریں۔'' کہنا نہیں بھولتا، شاید اسی طرح ان دونوں کے درمیان فاصلے مٹ جائیں۔'' وہ اس پیوند کاری کے عمل میں کسی بہترین شاخ کے پھوٹنے کی منتظر رہنے لگی تھیں، شیریں کا دل بے حد خوش فہم تھا۔



''ہاں ٹھیک ہے کہ انسان کا دل وسیع ہونا چاہیے، اس کا ظرف بلند ہو چاہیے اور شاید اس میں قربانی دینے کا جذبہ بھی موجود ہونا چاہیے، مگر اپنی زندگی کی واحد اور بڑی خوشی کو یوں آگ لگا دینا سوائے حماقت کے کچھ نہیں۔''

جمال نے کرن سے کہا تھا، جو اپنے دل کا راز پہلی بار اس کے گوش گزار کر کے یوں مطمئن بیٹھی تھی جیسے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

''شاید تمہیں اندازہ نہیں اس لڑکے کے ساتھ جسے تم یوں پیچھے چھوڑ آئی ہو تم نے بہت بڑی زیادتی کی ہے۔

یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کیونکہ خود میرے ساتھ ایسا ہو چکا ہے۔ تم نے داؤد کی شخصیت اور مزاج کے بارے میں جو مجھے بتایا ہے۔ میں اس مزاج سے بہت اچھی طرح واقف ہوں کیونکہ میرا مزاج ایسا ہی ہے۔ ایسے مزاج کے لوگوں کے دل میں، زندگی میں ایک ہی مرتبہ ایسا احساس اور جذبہ ابھرتا ہے وہ بھی اتفاق سے اور یہ جذبہ کبھی مرتا نہیں، کیونکہ یہ پالینے یا پانے کا محتاج نہیں ہوتا، ایسے لوگ تمام عمر باقی ساری باتوں سے غافل اس جذبے کو ہی انٹرٹین کرتے رہتے ہیں، کیا تمہیں اس بات کا ادراک ہے؟'' وہ کہہ رہا تھا۔

''میں نے یہ باتیں تمہیں اس لیے نہیں سنائی تھیں کہ تم مجھے ملامت کرنے لگو، بلکہ ایک لمحے کے لیے میرے دل میں خیال آیا تھا کہ کسی ایسے شخص سے دل کی بات کر لینے میں کوئی حرج نہیں جو جواب میں آپ کو نہ نصیحت کرے نہ فضیحتے، بس سن لے اور آپ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔'' کرن نے اس کی رف دیکھے بغیر کہا۔

''میں یہ سب کہنے پر مجبور ہو گیا، میں معذرت خواہ ہوں۔'' جمال کو اچانک احساس ہوا۔''میں یہ کہنے پر اس لیے مجبور ہو گیا کیونکہ مجھے لگا یہ میری ہی کہانی ہے۔'' اس نے جیسے اعتراف کیا۔''میری زندگی میں بھی یونہی ایک روز اچانک روشنی کی کرن داخل ہوئی تھی، اس کرن نے میری زندگی کو منور کر دیا تھا اور میں یہ سمجھنے لگا تھا کہ میری زندگی مکمل ہو گئی، میں مستقبل کے خواب دیکھنے اور ان ہی میں جینے لگا، مگر ایک روز بغیر مجھے کوئی وجہ بتائے، وہ میری زندگی سے نکل گئی، وہ چند روزہ روشنی بجھ گئی اور میری زندگی پر تاریکی کا راج ہو گیا۔ میں بھی اس کو ایسے ہی چاہتا تھا، جیسے تم نے بتایا داؤد تمہیں چاہتا ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد مجھے ایسے احساس ہوا جیسے میں مفلوج اور ناکارہ ہو گیا ہوں۔ میں ایک بے کار زندگی گزار رہا ہوں

"Pointless" بے مقصد۔''

کرن نے جمال کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر شدید کرب تھا۔''وہ اپنا نشان پتہ کچھ بھی نہیں چھوڑ کر گئی تھی، میں اتنے برس سے گویا اس کو کھوج رہا ہوں، اسی کا چہرہ ڈھونڈتا ہوں ہر چہرے میں، میں نے کبھی اس کے بارے میں برا نہیں سوچا، مجھے ہمیشہ ایسے لگا کہ اس کی کوئی مجبوری ہی رہی ہوگی جو اس نے ایسا کیا، میں نے کچھ عرصہ اسے وہاں ڈھونڈنے کے بعد وطن چھوڑ دیا اور پردیس چلا آیا پھر میں سیلانی بن گیا، میں دیس دیس گھومتا ہوں، چہرہ چہرہ دیکھتا ہوں کہیں وہ نظر آجائے شاید، میرے جیسے لوگوں کی کمٹ منٹ ایسی ہی ہوتی ہے، جب میرے جیسے لوگوں کے دل میں کوئی ٹھکانہ کرلے تو اس ''کوئی'' کے سر پر چھائی روشنی کے ہالے کو کوئی دوسرا بجھا کر بے دخل نہیں کرسکتا۔ یہ ناممکن ہوتا ہے۔تم کیا سمجھتی ہو کہ داؤد کی والدہ تمہیں بے دخل کر کے داؤد کو وہاں شادی کرنے پر مجبور کرسکتی ہوں گی، جہاں وہ چاہتی ہیں۔''

اس نے کرن کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اگر تم ایسا سوچتی ہو تو مجھے افسوس ہے کہ بالکل غلط سوچتی ہو،تمہارے امپرنٹس (Imprints) اتنے گہرے ہوں گے، اس کی زندگی میں کہ کوئی دوسرا انہیں مٹانا بھی چاہے تو نہیں مٹا سکے گا۔''

''یہ مفروضات ہیں۔'' کرن نے کہا۔

''یہ حقیقت ہے۔'' جمال نے فوراً تردید کی۔

''زندگی کا سب سے بڑا نقصان موت نہیں ہوتی، سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ تمہاری زندگی ہی میں تمہارے اندر وہ رشتہ مرجائے، جس پر زندگی کی ساری عمارت کھڑی ہو،تم واپس لوٹ جاؤ اس سے رابطہ کرو، اسے منالو، کیونکہ صرف تم ہی یہ قربانی نہیں دے رہیں، اس سے بھی قربانی لے رہی ہو، اس کی زندگی کے سنہرے ماہ و سال چھین لینے کے درپے ہو۔ کیا تمہیں تکلیف نہیں ہوتی، یہ سوچ کر وہ کتنی اذیت میں ہوگا، یوں تمہیں کھو کر، اس کی زندگی کی کرن چھین کر تم نے اسے کیسے اندھیروں سے دوچار کر رکھا ہے؟''

''یا شاید کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم فاصلے پیدا کرنے کے لیے کسی سے دور نہیں بھاگتے، بلکہ ایسا شاید اس لیے کرتے ہیں کہ دیکھیں ہمارے پیچھے بھاگنے کی زحمت کون کرتا ہے؟ کرن کی مسلسل خاموشی پر کچھ توقف کے بعد جمال نے ایک اور خیال ظاہر کیا۔

''ایسا نہیں ہے۔'' کرن نے خاموشی توڑی۔''میں نے زندگی میں بہت کچھ کھویا ہے، کچھ ایسے رشتے اور تعلق جن کی موجودگی میں میری زندگی اس سے بہت مختلف ہوتی جیسی میں گزار رہی ہوں، میں جانتی ہوں کہ زندگی جب ویسی نہ گزرے جیسی ہم چاہتے ہیں تو کیسا محسوس ہوتا ہے۔ میں نے بہت سوچنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اس منظر سے ہٹ جاؤں جس میں میری موجودگی کسی کے لیے زندگی کو ان چاہی بنادے، مجھے ایسے گھر بہت اچھے لگتے ہیں جن میں گھر کے تمام افراد موجود ہوں اور باہمی ہم آہنگی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہوں،

اگر داؤد کی والدہ ایسے گھر کی خواہش رکھتی ہیں تو وہ حق بجانب تھیں اس بات میں، مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا تھا ان کی خواہشات کی دنیا میں آگ لگانے کی تم یہ بات شاید سمجھ نہ سکو۔''

''ہاں میں یہ بات شاید نہ سمجھ سکوں۔ شاید اس لیے کہ میں Customary Morality (روایتی اخلاقیات) کا قائل ہی نہیں، مجھے Reflective Morality (تصوراتی اخلاقیات) کا کانسپٹ پھر بھی سمجھ میں آتا ہے۔'' دوسروں کے لیے اپنی زندگی اجاڑ دینے کا فلسفہ بہت پرانا ہو چکا ہے، اب اپنی زندگی جینے کا وقت ہے۔ اس لیے میں تم سے ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں کہ واپس چلی جاؤ داؤد سے رابطہ کرو اور اس کی زندگی کی روشنی لوٹا دو۔''

''تم کب واپس جا رہے ہو، کل صبح یا کل رات؟'' کرن نے بات بدل دی۔

وہ واپس جا رہا تھا اور اس روز سارہ نے اسے الوداعی ڈنر پر بلا رکھا تھا۔ فرقان بھائی کی عدم موجودگی اور سارہ کے ڈنر کے انتظام میں مصروف ہونے کی وجہ سے وہ میزبانی کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ یونہی باتیں کرتے کرتے نجانے اسے کیا سوجھی تھی کہ وہ اسے اپنے دل کی بات سنانے بیٹھ گئی تھی۔ شاید اس کے دل کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا اور اسے کوئی روزن چاہیے تھا۔

''میں کل صبح چلا جاؤں گا۔ اس زندگی میں دوبارہ ملاقات ہو نہ ہو، میری ایک بات یاد رکھنا کرن! ہم اپنی ملاقاتوں کو یادگار بنانے کے لیے ملتے ہیں اور ان یادوں کو محفوظ رکھنے کے لیے جدا ہو جاتے ہیں، ملنا اور بچھڑنا زندگی کا حصہ ہے، لیکن بچھڑے کے بعد ملنا زندگی کی امید کہلاتا ہے، فاصلہ کسی رشتے کو جدا نہیں کر سکتا اور وقت کسی نئے رشتے کی تخلیق نہیں کرتا اگر جذبات سچے ہوں تو رشتے ہمیشہ قائم رہتے ہیں، محبت ایک عام سا جذبہ نہیں، یہ ایک ایسا سمندر ہے جس میں اگر کوئی ڈوب جائے تو وہ مدد کے لیے کسی کو نہیں پکارتا کیونکہ وہ یہ خودکشی ایک نئے اور پہلے سے خوبصورت زندگی گزارنے کے لیے کرتا ہے۔ سو سوچنے اور نظرِ ثانی کی گنجائش کو چھوڑ دو، اور اس کی طرف لوٹ جاؤ، کیونکہ زندگی کی خوشیوں پر تمہارا بھی حق ہے۔''

کرن نے اس کی بات سنی اور خاموش رہی۔

''وہ اس صورتحال کو سمجھ نہیں سکا، جو میں نے اسے بتانا چاہا، شاید کوئی بھی نہ سمجھ سکے۔ اس عورت کے دل کا حال کون سمجھ سکتا ہے جو عمر بھر گھر کا بھرم بنائے رکھنے کی خواہش میں من مارتی رہی ہو، واپس لوٹ جاؤں؟ اب تو دیر ہو گئی، اب تو وہ ہو چکا ہو گا جو داؤد کی امی چاہتی تھیں۔''

''میں رضی چچا کے پاس جاؤں گی سارہ! مجھے کچھ اور پڑھائی کرنا ہے۔'' چند دن بعد اس نے سارہ کو بتایا تھا۔



شیریں، داؤد اور سلمان کے اس نئے تعلق پر حیران بھی تھیں اور مطمئن بھی لیکن ہر وقت کی ایک

الجھن اور خوف بھی ان کے ذہن پر سوار رہتا تھا۔ مسل فزیو اور اسپیچ تھیراپی کی بدولت اب سلمان صاحب کی معذوری میں بہت فرق آ گیا تھا۔ وہ اپنے اعضاء کو حرکت دے لیتے تھے اور ٹوٹے ہوئے الفاظ میں کچھ بولنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ ان کے مزاج کی تلخی اور غصے میں بھی فرق آنے لگا تھا۔

اس روز ان کا مزاج خاصا خوشگوار تھا۔ انہوں نے اپنی مرضی اور پسند کا ناشتہ کیا تھا اور سن روم میں بیٹھ کر سرما کی دھوپ سے لطف اندوز ہونے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی۔ شیریں ان کو ایزی چیئر پر بٹھا کر کمرے کی چیزوں کی ترتیب درست کرنے میں مصروف ہو گئیں، کچھ دیر بعد انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی انہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے سر گھما کر دیکھا وہ سلمان صاحب کی نظریں تھیں جو ان پر جمی ہوئی تھیں۔ انہیں ان نظروں سے گھبراہٹ سی محسوس ہوئی۔

''مالی نے پودوں کی ترتیب پھر بدل دی کسی سے پوچھے بغیر، ٹیبل پام کی کٹائی بھی غلط ہے اور پنیری والے گملے کتنے دن سے سائے ہی میں رکھے ہیں۔''

وہ جیسے اپنا دھیان بٹانے کے لیے ایک ایسی بات کر رہی تھیں جس میں سلمان صاحب کو قطعی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے ان کی بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا۔

انہوں نے ایک بار پھر ان کی طرف دیکھا، انہیں لگا سلمان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''اوہ!'' انہیں اچانک احساس ہوا۔ ''یہ نہ جانے کتنے دکھی اور بے چین ہیں، ان کا دل اور ان کی روح، اوہ میرے خدا! یہ کتنی بے بسی محسوس کرتے ہوں گے، جب اپنی بات ہمیں سمجھا نہ سکتے ہوں گے اور ان کا دل بہت کچھ کہنا چاہتا ہوگا۔''

انہیں یکایک ان کے لیے دل میں پہلے سے زیادہ ہمدردی محسوس ہوتی، ان کی عمر بھر کی زیادتیاں، انا پرستی خود پسندی سب بھول گئی۔

''یقیناً یہ داؤد کے انکار کی وجہ سے ہے، کل شام ہی زاہد ملک ان کی خیریت دریافت کرنے آئے تھے یقیناً انہوں نے اس سلسلے میں کوئی بات کی ہوگی اور یہ خود کو ایک بار پھر بے بس محسوس کر رہے ہوں گے، اگر یہ ٹھیک ہوتے تو کیا کیا طوفان نہ ڈھاتے اس بات پر۔'' انہوں نے ایک بات فرض کی۔

''آپ فکر مت کریں۔'' وہ ہاتھ میں پکڑی چیزیں میز پر رکھ کر ان کے قریب آ گئیں۔ ''آپ نے دیکھا، داؤد کا رویہ بدل رہا ہے، وہ آپ کے قریب آ رہا ہے، آہستہ آہستہ وہ اس بات پر مائل ہو جائے گا اور جو آپ چاہتے ہیں وہی ہوگا، آپ زاہد بھائی سے کچھ اور انتظار کر لینے کا کہتے، اگر آپ کہتے ہیں تو میں خود مسز زاہد سے بات کر لیتی ہوں۔''

انہوں نے تسلی دینے کے سے انداز میں ان کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

جواب میں انہوں نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔ شیریں کو محسوس ہوا

ان کا ہاتھ گیلا ہو رہا تھا۔ وہ ان کے سامنے آ گئیں۔

''ارے آپ!'' وہ ششدر رہ گئیں، سلمان کی آنکھوں سے اشک تیزی سے رواں تھے۔ وہ ان کے سامنے دو زانو بیٹھ گئیں۔ ''آپ تو گھبرانے والوں میں سے نہیں تھے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں، جیسے بھی ممکن ہوا میں داؤد کو منا لوں گی اور وہ وہی کرے گا جیسا آپ چاہتے ہیں۔ میں کسی کو آپ کی کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھانے دوں گی۔''

''نہیں۔'' ان کا سر تیزی سے نفی میں ہلنے لگا۔

''آپ اتنا غصہ مت کریں پلیز!'' شیریں نے گھبرا کر ان کا سینہ ملا۔

''میں غصہ نہیں کر رہا۔'' سلمان نے اٹک اٹک کر جملہ مکمل کیا۔ ''داؤد کو کچھ مت کہنا۔ میری راتوں کی نیندیں بے چین رہتی ہیں کہ میں نے اب تک اس کے ساتھ کیا کیا۔ ہر موقع پر اس کی خواہش اور خوشی کے سامنے دیوار بنتا رہا اور تم اپنی ممتا کا گلا گھونٹ کر میرا ساتھ دیتی رہیں۔ میں غلط تھا، بہت ہی غلط، میرے غلط رویوں نے داؤد کو باغی اور گستاخ بنایا...... اس گھر کا نظام غیر متوازن بنائے رکھا، میرے اردگرد پچھتاوے ہی پچھتاوے ہیں، ان میں مزید اضافہ نہ کرو، جو وہ چاہتا ہے اسے وہ کرنے دو، جو باقی بچے چاہتے ہیں، انہیں وہ کرنے دو، میری آنکھیں داؤد کے رویوں نے، اس کی باتوں نے کھول دی ہیں، میری آنکھ کھلی اور خود پر میری نظر پڑی تو مجھے شرمندگی کے احساس نے آ گھیرا، میں اس سے نظریں نہیں ملا سکا اور میری یہ حالت ہو گئی۔ تم سب اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' یہ چند جملے ادا کرنے میں انہیں تقریباً پون گھنٹہ لگا اور اس سرد موسم میں بھی ان کا جسم اور چہرہ پسینے میں بھیگ گیا۔ شیریں کے لیے یہ گفتگو بالکل انوکھی تھی، ناقابلِ یقین غیر متوقع۔ وہ سن رہی تھیں اور انہیں اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انہیں لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہوں۔ کیا یہ وہ سلمان تھے جنہوں نے شرمندہ ہونا، خود کو غلط کہنا اور معذرت کرنا کبھی سیکھا ہی نہیں تھا، یہ کوئی معجزہ تھا، خوش فہمی تھی یا خواب تھا۔ وہ ساکت سی بیٹھ گئیں انہیں بولتا سن رہی تھیں۔

''بس میں خود اپنا سامنا نہیں کر سکا۔'' پھر انہوں نے اپنی حالت کی طرف اشارہ کیا۔

''تم عظیم ہو۔ میری انا پسندی اور خود غرضی کو بے نیازی اور ایثار کا لباس پہنا کر میری تنی ہوئی گردن کے کلف میں اضافہ کرتی رہیں، میں تمہارے سامنے بالکل بے حقیقت ہوں، حقیر اور بے وقار۔ آج سے گھر کا سارا نظام، سارے فیصلے تمہارے حوالے، تم سے بہتر منصف کوئی اور ہو نہیں سکتا ہم سب کے معاملے میں۔''

''ایسے مت کہیں، خدا ہم سب کے سر پر آپ کا سایہ سلامت رکھے، فیصلے کرنا آپ کو ہی جچتا ہے، داؤد کے باغیانہ رویوں پر میں آپ سے شرمندہ ہوں، شاید میں ہی اس کی تربیت ٹھیک طرح سے نہیں کر سکی۔''

''نہ، نہیں۔'' سلمان نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کیا۔ ''وہ ہماری ساری اولاد میں سے سب سے خوبصورت دل اور سب سے ذہین دماغ کا مالک ہے۔ مجھے اس پر فخر ہے، میرا سر اسی کی وجہ سے بلند ہوا۔

میرا اتنا بھی رو بہ صحت ہونا اسی کی وجہ سے ہے۔"

انہوں نے بدقت کہا اور تھک کر سر کرسی کی پشت سے لگا لیا۔ پھر انہوں نے شیریں سے پانی مانگا، وہ پانی لے کر آئیں تو وہ ان کے ہاتھ سے گلاس لے کر ان کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے ان کے چہرے پر غصے، بے بسی اور دکھ کا شائبہ تک نہ تھا۔ شیریں عمر بھر داؤد اور سلمان کے سلسلے میں جس معجزے کی منتظر رہی تھیں، وہ معجزہ اس وقت رونما ہوا تھا، جب وہ خوشیوں کو اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کی زندگی سے بے دخل کر چکی تھیں۔



کرن کے اگلے دو سال بے حد مصروف گزرے تھے۔ وہ رضی چچا کے پاس آ گئی تھی، جہاں دادا اور دادی بھی تھے۔ وہ ماس کمیونی کیشن میں مختلف کورس کرتی رہی تھی۔ اس نے خود کو مکمل طور پر پڑھائی میں غرق کر لیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کی ترجیحات بدل لینے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ اس نے اپنا ای میل ایڈریس بھی بدل لیا تھا اور پیچھے رہ جانے والوں سے ہر تعلق ختم کر دیا تھا۔ لمحوں میں منجمد آوازوں کی بازگشت پر البتہ اسے قابو نہ ہو سکا تھا۔



شیریں نے جس روز کرن سے منظر سے ہٹ جانے کی درخواست کی تھی، اس روز وہ نہیں جانتی تھیں کہ اس دن اپنے کہے ہوئے الفاظ پر انہیں برسوں پچھتانا پڑے گا، ان کے خود ساختہ وہم، خوف اور اندیشے ان کو ایک اندھی گلی میں لے آئے تھے۔ داؤد کے سامنے سارے دلائل، ساری تسلیاں بے کار ثابت ہوئے تھے، وہ شادی کرنے کی بات کو ہنس کر ٹال دیتا تھا اور کرن کو تلاش کرنے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کرتا تھا۔

روشانے کی شادی کے بعد ان کا گھر خالی لگنے لگا تھا۔ سارا دن وہ اور سلمان صاحب ایک دوسرے سے باتیں کرتے وقت گزارنے کی کوشش کرتے جب داؤد رات گئے گھر واپس آتا تو سلمان دوا لے کر سو چکے ہوتے اور وہ خود اپنی سوچوں میں غلطاں ہوتیں۔

"تم کرن کو ڈھونڈو۔ اس کے یہاں بھی تو کچھ عزیز رہتے ہوں گے، ان سے معلوم کرو، کیا پتہ ابھی اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔"

یہ بات انہوں نے داؤد سے کئی بار کہی تھی۔ جواب میں وہ مسکرا دیتا۔

"امی! آپ پلیز میرے انتظار میں اتنی دیر تک نہ جاگا کریں۔"

وہ اس کی ویران اور تنہا زندگی کو دیکھ کر کڑھتی تھیں۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں ایک کامیاب انسان تھا، اس کے کردار اور شخصیت میں ایسی کئی خوبیاں تھیں جو اس کی عمر کے لڑکوں میں کم ہی ہوتی تھیں۔ اس کی بھابھیاں اور بہن اس کے لیے کئی لڑکیاں دیکھتیں، اس سے ذکر کرتیں اور شادی پر اصرار کرتیں وہ ہنس کر ٹال جاتا۔

''شاید میرے ہاتھ میں شادی کی لکیر ہی نہیں ہے۔'' وہ کہتا۔ شیریں کو اس کی ایسی باتوں سے تکلیف ہوتی تھی مگر اتنے عرصے میں وہ ایک بار میں خود بھی ہمت نہ پیدا کر سکی تھیں کہ اس کو کرن کے یوں اچانک غائب ہو جانے کا سبب بتا سکتیں انہیں لگتا تھا۔ وہ عمر بھر کے لیے اس کی نظروں سے گر جائیں گی۔



میجر عمر سے فہد کی ملاقات کھاریاں اور پوسٹنگ کے دو ماہ بعد ہوئی تھی۔ وہ دونوں ایک مشترکہ دوست سے ملاقات کرنے اتفاق سے اکٹھے ہی پہنچے تھے۔ گفتگو کا سلسلہ چل نکلنے پر میجر عمر کے لاہور سے تعلق اور ان کا گھر اپنے گھر کے قریب ہی ہونے کے علاوہ باہمی دلچسپی کی اور بھی کئی باتوں کا انکشاف ہوا تھا۔ مشترکہ دوست کے گھر سے اٹھنے کے بعد گھر واپسی تک ان میں اچھی دوستی کا تعلق قائم ہو چکا تھا۔

اگلے ویک اینڈ پر فہد اور نادیہ میجر عمر کے ڈنر پر انوائیٹڈ تھے۔ مسز عمر ایک خوش اخلاق خاتون تھیں۔ ان کے بچے بھی آرمی پبلک سکول میں تقریباً انہی کلاسز میں پڑھتے تھے، جن میں فہد کے بیٹا اور بیٹی پڑھ رہے تھے۔ یہ دوسری ملاقات ایک خوشگوار تعلق کا آغاز ثابت ہوئی تھی۔

اس روز نادیہ، مسز عمر کے گھر سے لایا ہوا ایک انگریزی میگزین پڑھ رہی تھی، جب فہد نے اس سے اس قدر انہماک کی وجہ پوچھی۔

''ثانیہ بتا رہی تھی کہ پاکستانی سیاست کے موجودہ دور کے بارے میں یہ مضمون اس کی نند نے واشنگٹن سے لکھا ہے، وہ ایک صحافی ہے اور مختلف امور پر تبصرے اور جائزے پوسٹ کرتی ہے۔'' نادیہ نے اسے بتایا تھا۔ نادیہ نے میگزین سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور فہد نے بے دھیانی میں وہ میگزین اٹھا لیا۔ اس کے سامنے وہ صفحہ موجود تھا۔ فہد نے پورا مضمون پڑھ لینے کے بعد مضمون نگار کے نام پر نظر ڈالی اور جیسے وہ ایک لمحے کے لیے چونک گیا۔ اس کے ذہن میں اس نام کے علاوہ کوئی بات موجود نہیں تھی، پھر بھی اس نے نادیہ سے مسز عمر سے ان کی نند کے بارے میں مزید پوچھنے کے بارے میں کہہ دیا تھا۔ یہ محض اس کا خیال تھا کہ یہ وہی نام ہے جو عرصہ پہلے امی نے اس کو بتایا تھا۔ کئی بار اس نے یہ بھی سوچا تھا شاید اسے غلط فہمی ہوئی ہو۔

''ثانیہ کی اس نند نے پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹرز کیا اور پھر مزید پڑھنے کے لیے چلی گئی، اس وقت سے یہ وہیں ہے۔ اس کی پڑھائی مکمل ہونے والی ہے پھر شاید یہ واپس آ جائے۔'' نادیہ نے اسے بتایا تھا۔

''ثانیہ بتا رہی تھی کہ وہ خود بھی اپنی نند سے ابھی تک نہیں ملی، مگر اس نے سن رکھا ہے کہ وہ بہت حد تک ایک پریکٹیکل مسلمان لڑکی ہے۔ میجر عمر کے والدین کے انتقال کے بعد ان کے دادا اور دادی نے انہیں پالا تھا، اور ان کی ساری تربیت کا سہرا ان کی دادی کے سر ہے، آپ نے دیکھا میجر عمر کتنے پابند نمازی ہیں اور ان کے گھر کا ماحول، ان کے مذہبی رجحان کا کتنا بڑا عکاس۔'' نادیہ کہہ رہی تھی۔

''پلیز نادیہ!'' فہد شاید کچھ اور نہیں سن رہا تھا۔ ''کیا تم نے پوچھا کہ مسز عمر کی نند کی شادی ہو گئی یا نہیں؟''

''نہیں۔'' نادیہ نے یقین کے ساتھ جواب دیا۔ ''وہ بتا رہی تھیں کہ اس ایک بات پر وہ لوگ پریشان بھی ہیں، ثانیہ کی نند شادی۔ پر فی الحال رضا مند نہیں ہوتی بلکہ اس کا کہنا ہے کہ اس موضوع پر اس سے بات ہی نہ کی جائے۔''

''اوہ!'' فہد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیوں کیا بات ہے؟'' نادیہ کو فہد کے اتنے سوالوں میں پہلی بار حیرت ہوئی۔

''میرا خیال ہے اور میرا خیال غلط بھی ہوسکتا ہے مگر مجھے ایسے لگتا ہے کہ یسجر عمر کی بہن وہ ہی لڑکی ہے جس کے بارے میں امی نے مجھے بتایا تھا کہ داؤد اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔'' فہد نے اتنے عرصے میں پہلی بار نادیہ سے یہ بات کہی تھی۔

''ارے کیا ایسا بھی تھا؟'' نادیہ کا ردعمل حسب توقع تھا۔ ''پھر شادی ہوئی کیوں نہیں؟''

''کچھ باتیں نہ ہی کی جائیں تو بہتر ہوتا ہے۔'' فہد نے کہا۔ ''اگر کرسکتی ہو تو اس معاملے میں میری مدد کرو، اگر واقعی یہ وہی لڑکی ہے تو پھر ہمیں ان لوگوں سے بات کرنی چاہیے۔''

''کیوں نہیں، داؤد کی شادی کے لیے تو میں جو کرسکتی ہوں ضرور کروں گی۔'' نادیہ ایکسائیٹڈ تھی، اسے اپنا وہ خاموش طبع دیور بہت اچھا لگتا تھا جس کی زندگی کی روٹین کے بارے میں وہ کبھی اندازہ نہ لگا پائی تھی کہ اپنے آفس کے کام کے علاوہ رات گئے تک اور چھٹی کے دن بھی کہاں مصروف رہتا تھا۔ وہ اسے اکثر شادی کر لینے کا مشورہ بھی دیتی تھی جس پر وہ ہنس کر کہتا تھا۔ ''اب ہم سعود بھائی کے معاذ اور آپ کے بلال کی شادی کریں گے بھابی!''

''اوہ، تو یہ بات تھی اس کے پیچھے۔'' وہ سوچتی رہی اسے فہد کی ادھوری بات بتانے پر بھی الجھن ہو رہی تھی، مگر وہ جانتی تھی کہ فہد اتنی ہی بات بتاتا تھا۔ جتنی بتانا چاہتا تھا۔ اس سے زیادہ اس سے کچھ پوچھا ہی نہیں جاسکتا تھا۔



''میری یہ بہن ہمیشہ سے ہی اپنی عمر کی دوسری لڑکیوں سے مختلف رہی ہے۔ ہماری اماں اور ان کے بعد ابا کے انتقال نے اگرچہ ہم تینوں کو ہی بہت متاثر کیا۔ مگر کرن چھوٹی تھی اور اسے ابھی اس کے حصے کی توجہ اتنی مل ہی نہ پائی تھی جتنی ہمیں ملی کہ وہ ہم سے جدا ہوگئے، اس کے ردعمل مختلف تھے، اس نے ہم سے ہٹ کر ان حادثوں کو کچھ اور طرح بھی محسوس کیا، وہ اپنی ذات میں سمٹ کر رہ گئی، اس پر دادی کی تربیت اور سختی نے اسے بالکل ہی مختلف بنا دیا، اس کی ذہنی عمر طبعی عمر سے زیادہ جلدی بڑھنے لگی۔ وہ بہت ٹیلنٹڈ اور ذہین ہے۔ مگر اس کی دلچسپیوں کے محور بہت مختلف رہے ہمیشہ۔ میری دوسری بہن سارہ کو ہمیشہ اس کے بارے میں یہ فکر رہی کہ اسے زندگی گزارنے کا ڈھنگ نہیں آتا، وہ اس کی صاف گوئی، سادہ لوحی اور معصومیت سے ہمیشہ نالاں رہتی

تھی، سارہ کا خیال تھا کہ کرن کی نرم دلی سے لوگ فائدہ اٹھاتے تھے اور مدد کے نام پر اس کی محدود جمع پونجی کو لوٹ کر لے جاتے تھے مگر سارہ کی نصیحتیں کبھی اس پر اثر انداز نہیں ہوئیں، وہ اتنی ہی بے نیاز اور مگن رہی جیسے ان نصیحتوں سے پہلے تھی۔'' عمر نے فہد کو بتایا تھا۔

''وہ کہا کرتی تھی کہ میں اپنے اردگرد کے ماحول سے ان لوگوں سے جن سے میں قریب ہوں، ان مخصوص مناظر سے جو ہمیشہ میری نظروں کے سامنے رہے بہت اٹیچڈ ہوں، وہ اس گھر سے جس میں ہم دادا، دادی کے ساتھ رہتے تھے، اتنی مانوس تھی کہ کبھی اس نے ایک رات بھی اس سے باہر نہیں گزاری تھی۔ مگر پھر اس نے اچانک یہاں سے چلے جانے کا ارادہ ظاہر کر کے ہمیں حیران کر دیا۔ وہ یہاں سے چلے جانے کے لیے اتنی جلدی میں تھی کہ ہمیں اس نے بہت سے سوالوں کا موقع ہی نہیں دیا۔ میں نے اس کے اس فیصلے پر اکثر غور کیا اور جب بھی سوچا مجھے میرے دل نے ایک ہی جواب دیا اس کی وجہ خاص تھی بہت خاص، کسی بہت خاص وجہ کے علاوہ وہ ایسا فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''ہاں اس کی وجہ خاص ہی تھی۔'' فہد نے اچانک کہا۔

''آپ کیسے جانتے ہیں؟'' عمر کے لہجے میں حیرت تھی۔

''آپ بتا رہے تھے کہ آپ کی بہن نے پرشین لینگویج کورس بھی کیا تھا؟''

فہد نے بات کے سرے کو یہاں سے پکڑتے ہوئے کہا۔

عمر کے اثبات میں جواب کو سننے کے بعد فہد نے جو اسے بتایا تھا۔ وہ اس کے لیے بہت نیا تھا بہت ہی نیا، وہ اڑھائی سالوں سے جو گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے جیسے اچانک سمجھ میں آ گئی تھی۔



اے ڈی حیات سے اچانک ہی برسوں بعد داؤد کی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کیڈٹ کالج میں اس کے استاد رہ چکے تھے۔ کیڈٹ کالج کے سخت پابند ماحول اور مخصوص زندگی میں اے ڈی حیات کبھی کبھار تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہوتے تھے۔ اس شام وہ اچانک اسے ایک شاپنگ مال میں مل گئے۔ کیڈٹ کالج سے نکلنے کے بعد وہ انہیں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ وہ خاصے بوڑھے اور کمزور دکھائی دے رہے تھے۔

''وہ باغی اور ضدی داؤد!'' وہ اس کے مصافحہ کرنے کے بعد اسے پہچانتے ہوئے بولے تھے۔ ''وہ لڑکا جو جان بوجھ کر غلط پڑھتا تھا اور سوالوں کے جواب الٹ پلٹ کر دیتا تھا، میں اب بھی تمہیں اکثر یاد کرتا ہوں۔'' وہ کہہ رہے تھے۔

''اگر آپ سینئر ہاؤس ماسٹر نہ ہوتے سر! تو کیڈٹ کالج سے میری لاش ہی واپس آتی۔'' داؤد نے مسکرا کر کہا تھا۔

''میرے ہاتھوں کئی بچے پڑھ کر نکلے، مگر تم ان چند میں سے ایک ہو جس کا ایک ایک عمل میرے

ذہن میں نقش ہے۔" وہ کہہ رہے تھے۔ "میں ایک ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہوں اور میرا اکثر وقت ٹی وی دیکھتے گزرتا ہے۔ تم نے "تارے زمیں پر" دیکھی ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"یہ کیا ہے سر؟" داؤد نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک انڈین فلم ہے۔"

"آئی ایم سوری سر! میں موویز نہیں دیکھتا اور انڈین موویز تو بالکل بھی نہیں۔" اس نے کہا۔

"میں نے یہ فلم تین بار دیکھی ہے، تم بھی ضرور دیکھنا۔ میں نے جب بھی اسے دیکھا مجھے تم بہت یاد آئے، لگتا ہے کہ کسی نے تمہیں دیکھ کر اس فلم کی سٹوری لکھی ہو۔ سب تم سے مماثل ہے سوائے اس کے کہ تمہیں Dyslaxia کا عارضہ نہیں ہے۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "دیکھو گے نا؟"

"آپ نے کہہ دیا ہے سر! تو ضرور دیکھوں گا۔" داؤد نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ تم خاصے مؤدب ہو گئے۔ وہ دن یاد ہیں جب تمہیں ڈسپلن کی خلاف ورزی پر ریگنگ کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔"

داؤد بے اختیار ہنس دیا "بہت اچھی طرح سر!" اس روز وہ شاید بہت دنوں بعد اتنا کھل کر ہنسا تھا۔



"میں رفتہ رفتہ کراؤڈ کا حصہ بنتا جا رہا ہوں۔" یہ بات اس نے خود سے پوچھی تھی۔ یہ اس دن کی بات تھی جب اپنے گھر میں آنے والی ان تبدیلیوں نے اسے چونکا دیا تھا، جنہیں اس نے کبھی نوٹ ہی نہیں کیا تھا۔ "زندگی کی ہر تفریح سے منہ موڑ چکا ہوں، سپورٹس، موویز، گانے گیٹ ٹو گیدرز، ہنسنا، ہنسانا میں کرتا کیا رہتا ہوں؟" اس نے خود سے پوچھا تھا۔

"دماغ انسان کی شخصیت کا بہترین حصہ ہوتا ہے، یہ اس کی موت تک کام کرتا رہتا ہے یا جب تک وہ کسی کی محبت میں گرفتار نہیں ہو جاتا۔"

اسے کبھی کی پڑھی بات یاد آئی اور وہ مسکرا دیا۔

اے ڈی حیات نے اسے جس فلم کے بارے میں بتایا تھا وہ اسے دیکھ چکا تھا، اور اس نے حتمی نتیجہ یہ نکالا تھا کہ اسے اس بغاوت، ضد اور لاپروائی کی زندگی سے کسی اور نے نہیں صرف کرن نے نکالا تھا اور کرن شہزاد کی شخصیت اتنی طاقت ور تھی کہ اس کے اس ذات پر چھوڑے نقوش انمٹ ثابت ہوئے تھے۔ اس نے اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود کو بے تحاشا کام میں مصروف کر لیا تھا۔ پہلے کبھی کبھار ذرا سی فرصت ملنے پر وہ اپنے اردگرد دیکھتا اور اسے خیال گزرتا کہ اس کی یہ زندگی اس کے ماں باپ کے لیے یقیناً تکلیف دہ ہو گی، مگر وہ اس سلسلے میں بے بس تھا، اس نے خود کو ان سوچوں سے آزاد کر لیا تھا، وہ مگن تھا اور شاید خوش بھی، اسے لگتا تھا اس کا اپنا دل اس کے جسم میں موجود نہیں تھا، اس کے بجائے ایک بہت قیمتی دل اس کے سینے میں دھڑکتا

تھا، وہ دل کسی اور کا تھا، اس کا اپنا نہیں۔



''تم نے ہمیں اتنی ایمر جنسی میں کیوں بلایا ہے؟'' سارہ نے اپنی بیٹی کے بال سلجھاتے ہوئے عمر سے پوچھا تھا۔ جواب میں اس نے اخبار پر سے ذرا دیر کو نظریں ہٹا کر اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔

''بس ہمارا دل چاہتا تھا کہ کچھ دن ہم مل کر رہیں۔'' اس کے بجائے ثانیہ نے جواب دیا تھا جو اپنے سامنے بیٹھی کرن سے باتیں کر رہی تھی۔ ''میرا بھی دل چاہتا تھا کہ اپنی نندوں کی خدمت کروں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''بڑی مختلف قسم کی بھابی ہو بھئی!'' سارہ نے کہا ''کوئی اور ہوتی تو شکر کرتی نندوں سے جان چھوٹی ہوئی ہے۔''

''تم کتنی سوفٹ ہو کرن! کتنی اجلی اجلی اور اچھی سی۔'' ثانیہ نے بے اختیار کرن کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''ارے، اب میں کہاں ہوں ایسی، اب تو زمانے کے دھکے اور دھول کے نشان ہوں گے میرے چہرے پر۔'' کرن نے نرمی سے کہا۔ وہ عمر کے اصرار پر یہاں گئی تھی، مگر یہاں آ کر اس کا دل بے چین ہو گیا تھا، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہاں دل نہ لگا پائے گی۔

''اس ویک اینڈ پر ہم لاہور جائیں گے، ثانیہ کی امی نے تم لوگوں کو انوائٹ کیا ہے اور چند عزیز رشتہ داروں سے بھی مل لیں گے۔'' عمر نے یہ بات کہتے ہوئے غور سے کرن کی طرف دیکھا تھا۔

''لاہور......'' اس کا دل جیسے حلق میں آ گیا تھا۔ وہ دو دن پہلے اسلام آباد ایئر پورٹ پر اتری تھی۔ اسے اپنے ملک کی فضا عجیب سی لگ رہی تھی، اور اب اسے لاہور جانا پڑے گا، اس نے کن اکھیوں سے عمر کی جانب دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ اسے اس کی یہ مسکراہٹ عام نہیں لگی تھی۔ عمر کے چہرے پر اس کے لیے محبت تھی اور نرمی بھی۔ اس کا دل بے اختیار بھر آیا۔

''تمہیں یاد ہے نا کرن! تم میرا جیب خرچ کم ہونے کی وجہ سے میری مدد کرنے کی خاطر گریٹنگ کارڈ بنا کر بک گیلری والوں کے ہاں ڈسپلے کرتی تھیں اور جو پیسے اس کے بدلے تمہیں ملتے تھے تم مجھے دے دیا کرتی تھیں۔'' عمر کو اچانک کچھ یاد آیا۔

''اور میں اتنا برا ہوں کہ تمہارے لیے اتنا وقت بھی نہیں نکال سکتا تھا کہ تمہارے ساتھ نہر کے کنارے بیٹھ کر جگنوؤں کو دیکھ سکوں۔'' وہ کہہ رہا تھا کرن کے دل کو جیسے کسی نے مسل کر رکھ دیا۔

''تم مجھ سے شادی کر لو پلیز! میں تمہارے ساتھ گھنٹوں نہر کے کنارے بیٹھ کر جگنو دیکھا کروں گا۔'' پھر اسی آواز کی بازگشت۔ اس نے آنکھیں میچ لیں۔

''اور ستاروں سے بھرے آسمان کا سب سے خوب صورت اور روشن ستارہ میں فوراً اپنا بنا لیتی تھی،

کرن ڈھونڈتی ہی رہ جاتی تھی اپنا ستارہ۔'' سارہ کو بھی پرانی باتیں یاد آنے لگی تھیں۔

''مجھے اپنا ستارہ مل گیا ہے سارہ!''

''میرا ستارہ گم ہو گیا ہے سارہ!''

کرن کو اپنی کہی باتیں یاد آنے لگیں۔

''فاصلہ کسی رشتے کو جدا نہیں کر سکتا اور وقت کسی نئے رشتے کی تخلیق نہیں کرتا۔'' اسے ایک اور بات کتنے عرصے کے بعد یاد آئی تھی۔

''دیکھو یہ وہی آسمان ہے کرن! ذرا اپنا ستارہ تو ڈھونڈو۔'' سارہ نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا تھا۔ کرن اپنی جگہ پر بیٹھی رہ گئی تھی۔



''ان کی گاڑی شہر کی مصروف سڑک پر رواں تھی، وہی منظر، وہی جگہیں، شاید وہ خود بدل گئی تھی۔ اس کی نظریں مسلسل دوڑتے بھاگتے لوگوں پر جمی ہوئی تھیں۔'' وہ کتنے عرصے کے بعد یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ مشہور شاپنگ سنٹر، کپڑے کی دکان، میوزیم، آرٹ گیلری، بک سنٹر وہ دیکھ رہی تھی اور پھر اس کی نظریں ایک نکتے پر جم گئیں۔ ''عمر پلیز گاڑی روکو۔'' اس نے بے اختیار کہا اور گاڑی رکنے پر وہ باہر نکل کر اس جگہ پہنچ گئی جہاں وہ اکثر آیا کرتی تھی۔

''ہینسن اینڈ ھیجز لائٹس سر!'' اسے یاد آیا۔

''یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا سر!''

''آپ فاتر العقل نہیں ہیں سر! آپ کے ذہن کو کوئی سمجھ ہی نہیں پایا سر!''

اس کے سامنے بیٹھا شخص وہی تھا، مگر اس کا حلیہ بدل گیا تھا، اس کے سامنے لکڑی کی ایک بڑی میز رکھی تھی جس پر دن کے روزنامے اور مختلف رسائل رکھے تھے۔ وہ شخص بہتر کپڑوں میں ملبوس اور بہتر حلیے میں موجود تھا۔

''اوہ انقلاب......!'' اس کے منہ سے نکلا اور وہ واپس پلٹ آئی۔

''کہیں اور رکنا ہے کرن؟'' عمر نے اس سے پوچھا۔

''پرانی انارکلی کی طرف سے ہوتے جا سکتے ہو۔'' اس نے بغیر سوچے سمجھے کہا۔

''کس سائیڈ پر جانا ہے۔'' عمر نے پرانی انارکلی کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

''یہ سامنے فٹ پاتھ۔'' کرن نے بے خیالی میں ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کا دل دھک سے رہ گیا، فٹ پاتھ کا وہ کونا خالی تھا۔

''بابا سراج یہاں بیٹھتے تھے؟'' اس نے سامنے کے فٹ پاتھ پر کتابیں سجائے بیٹھے شخص سے پوچھا۔

''بابا سراج؟'' اس شخص نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

''ہاں بابا سراج، جو پرانی کتابیں بیچتے تھے، اس کونے میں سجا کر۔'' کرن نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''سراج الدین کے انتقال کو تو دو سال ہونے کو آئے بیٹا۔'' قریب سے ایک بوڑھے آدمی نے جواب دیا۔ایک لمحے کے لیے زمین اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئی۔

''آپ کرن باجی ہیں نا؟'' وہ ابھی اس بات پر یقین کرنے کی کوشش کر رہی تھی، جب ایک لمبا تڑنگا لڑکا اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔اس نے خالی نظروں سے اس لڑکے کو پہچاننے کی کوشش کی۔

''میں شہزاد ہوں کرن باجی!'' لڑکے نے یاد دلانے کی کوشش کی۔''آپ کہاں غائب ہو گئی تھیں کسی کو کچھ بتائے بغیر، کرن باجی! ہم آپ کو بہت یاد کرتے تھے۔''

''نعیم اور شہزاد؟'' کرن نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

''بالکل۔''

''تم اتنے بڑے ہو گئے؟'' وہ حیرت سے بولی۔''کیا کرتے ہو؟''

''پڑھتا ہوں کرن باجی گورنمنٹ کالج سے ایف ایس سی کر رہا ہوں میرٹ پر نام آیا تھا، میرا اسکالر شپ کے ساتھ۔''

''اوہ میرے خدا اور نعیم؟'' اس کی نظریں ایک بار پھر فٹ پاتھ کے خالی کونے پر جا کر اٹک گئیں۔

''نعیم بھی وہیں پڑھ رہا ہے، اسے تعلیمی امداد مل رہی ہے۔'' شہزاد نے کہا۔

''اور میں سمجھتی تھی دنیا رک گئی ہو گی، یہ سب لوگ کیا کرتے ہوں گے جب میں چلی گئی ہوں گی۔'' اس نے سوچا۔''اور بابا سراج؟''

''بابا سراج چلے گئے، آپ نے جیسا ہمیں بتایا ہم ان کے لیے کرتے رہے، مگر آپ کے جانے کے بعد کوئی اور ان کے لیے وسیلہ بن گیا تھا، پھر وہ چلے گئے ان کے بعد بابا سراج کے بیٹے کو ایک بہتر جگہ پر نوکری دلوا دی گئی، اب ان کی بڑی بیٹی بھی ایک سکول میں پڑھاتی ہے۔''

''مگر یہ سب کون کرتا رہا؟'' وہ الجھ کر بولی۔

''آپ ان کو نہیں جانتیں، وہ بہت نیک شخص ہیں کرن باجی بہت محبت کرنے والے، آپ نے بابا سراج کو کہا تھا کہ وسیلے خدا بناتا ہے، ایک ختم ہو جائے تو دوسرا بن جاتا ہے، انسان ایک دوسرے کے لیے خود وسیلہ بننے پر قادر ہوں تو آدھی سے زیادہ دنیا بھوکی مر جائے۔'' شہزاد کو یاد آ رہا تھا۔''آپ یہ بتائیں کہ آپ کہاں چلی گئی تھیں؟ میں آپ کے لیے بیٹھنے کی کوئی چیز لاؤں۔''

''نہیں شہزاد! میں چلتی ہوں۔ بہت شکریہ۔''

''آپ ہماری محسن ہیں کرن باجی! ہم شاید آج کچھ بھی نہ ہوتے اگر آپ ہماری انگلی پکڑ کر ہمیں سیڑھیاں چڑھنا نہ سکھاتیں۔ میں ہر روز آپ کی سلامتی کی دعا کرتا تھا اور گھر سے یہ خواہش کر کے نکلتا تھا کہ کہیں آپ مجھے مل جائیں۔''

شہزاد اس کے ساتھ چلتا ہوا اس کی گاڑی کے قریب آ گیا۔

''میری خواہش آج پوری ہو گئی ہے، بس اتفاق سے اس وقت آج یہاں آ گیا، خدا نے میری دعا سن لی تھی شاید اسی لیے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

کرن گاڑی میں بیٹھ گئی۔کل شام فلاور پبلک لائبریری میں بابا سراج کارنر کا افتتاح ہے کرن باجی! آپ آئیں گی ادھر، پلیز ضرور آیئے گا۔''

''بابا سراج کارنر؟'' کرن نے اس کی جانب دیکھا۔

''آپ آیئے گا، آپ کو خود ہی سمجھ میں آ جائے گا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''اور کہیں؟'' عمر نے اس سے پوچھا۔

''نہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔''اب ہم واپس گھر جائیں گے۔''

گاڑی دوبارہ اسی مصروف سڑک پر رواں ہو گئی۔

''مجھے شاہ دین بلڈنگ کی چھت پر رات کے وقت جانے کا بہت شوق ہے۔'' اس بلند عمارت کو دیکھتے ہوئے اسے پھر ایک بات یاد آئی۔

''ہم ضرور جائیں گے۔'' اس آواز کی بازگشت۔کرن نے تھک کر سر پیچھے ٹکا لیا۔

☆

''امی! آپ ہمیشہ مجھے ہی داؤد کے گھر سے بھاگ جانے کے بعد اس کی تلاش میں بھیجا کرتی تھیں نا؟'' فہد نے شیریں سے کہا تھا۔

''ہاں!'' انہوں نے مختصر جواب دیا۔

''اور میں اسے لے بھی آیا کرتا تھا۔'' وہ مسکرایا۔''روتا، چیختا، چلاتا، سڑکوں پر دیوانہ وار بھاگا کرتا تھا۔''

''ہاں۔'' انہوں نے ایک بار پھر مختصر جواب دیا۔فہد نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ کمزور اور عمر رسیدہ دکھائی دینے لگی تھیں۔

''آپ فکر نہ کریں امی! اب بھی داؤد کو ڈھونڈ کر زندگی کی طرف میں ہی لاؤں گا۔'' اس نے انہیں تسلی دی۔''ابو کے متعلق آپ کے خوف بے جا ثابت ہوئے اور ان کی جگہ پچھتاوؤں نے لے لی، مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے پچھتاوؤں کی عمر ختم ہونے والی ہے، ہم داؤد کو ایک مرتبہ پھر پانے والے ہیں۔''

شیریں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔اس کے چہرے پر یقین تھا اور خوشگوار مسکراہٹ تھی۔



فلاور پبلک لائبریری کے بیرونی دروازے سے گزر کر اندر آنے پر اسے کئی شناسا چہرے اکٹھے نظر آئے تھے۔منوچہر علی،تحریم،سارہ،نعیم،شہزاد،بابا سراج کی فیملی،مسٹر جوزف،وہ ششدر رہ گئی۔

''تمہارا نام فرشتہ ہے،تمہارا نام پھول ہے،تمہارا نام انسانیت ہے،تمہارا نام خوشبو ہے،خوبصورتی ہے اور انسانیت ہے۔''

Ray of light Ray of hope.

(روشنی کی کرن،امید کی کرن) مسٹر جوزف نے اس کے قریب آکر کہا۔ان کا لباس آج بھی بہتر تھا۔بال سلیقے سے جمے تھے۔''میں نے ٹھیک کہا تھا نا،دیکھ لو تمہاری خوشبو،خوبصورتی اور روشنی کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔مگر تم کہاں چلی گئی تھیں؟'' وہ پوچھ رہے تھے۔

''بابا سراج کی چھوڑی تمام کتابیں لائبریری کو ڈونیٹ کر دی گئی ہیں کرن باجی ان کے نام سے اس کارنر کو بابا سراج کارنر کا نام دے دیا گیا ہے۔'' نعیم اسے بتا رہا تھا۔''یہ سارا انقلاب کیسے آیا؟'' اس نے بے اختیار پوچھا۔

''میرے دیور کی وجہ سے۔'' ایک پیاری سی لڑکی نے اسے بتایا۔کرن نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں میرا دیور۔'' وہ لڑکی مسکرائی۔''میری ساس سے ملو۔'' اس نے اپنے عقب میں کھڑی خاتون کی طرف اشارہ کیا۔کرن کا دل رکنے لگا۔ وہ داؤد کی امی تھیں۔

''میں بہت ہی غلط تھی۔بہت ہی غلط،مگر تمہاری روشنی بہت زیادہ ہے اتنی زیادہ کہ دیکھ لو کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔'' انہوں نے کہا اور ان کے اس ایک جملے نے گویا اسے بہت کچھ بتا دیا۔

''وہ داؤد ہے کرن!'' منوچہر علی نے اسے بتایا تھا۔''تمہیں یاد ہے،وہ لڑکا جو لینگویج سینٹر میں آتا تھا۔''

''تم نے جو روشنی اس کی طرف ٹرانسفر کی،وہ اس نے نجانے کہاں کہاں تک پھیلا دی،مگر منبع تو پھر تم ہی ہونا۔'' عمر کے قریب کھڑے ایک شخص نے اسے بتایا۔

''میجر فہد سلمان ہیں۔'' عمر نے اسے بتایا۔''داؤد سلمان کے بھائی!''

''یہ وہی آسمان ہے کرن! تم اپنا ستارہ ڈھونڈ لو۔'' سارہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

اس کا ستارہ اس کے سامنے موجود تھا۔ان دونوں کی نظروں میں حیرت تھی اور بے یقینی بھی۔فہد اور شیریں نے داؤد کو نہیں بتایا تھا کہ بابا سراج کارنر کے افتتاح پر کیسا سرپرائز اس کا منتظر تھا اور عمر نے بھی کرن سے فہد اور اس کے گھر والوں کا ذکر نہیں کیا تھا۔وہ لوگ چاہتے تھے کہ کرن اور داؤد کے لیے یہ ملاقات اچانک

اور خوشگوار حیرت کا شاہکار بنے۔

''اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔'' کچھ دیر بعد باہر آتے ہوئے داؤد نے کہا تھا۔''کمال اس کمٹمنٹ کا ہے، جسے نبھانے کا میں نے خود سے عہد کر رکھا تھا۔ اگرچہ تم مجھے بتائے بغیر بھاگ لیں۔''

''میری کمٹ منٹ شاید تمہیں نظر آ رہی ہو۔'' کرن نے مختصر جواب دیا۔''میں نے اپنے لیے تم سے فرار حاصل نہیں کیا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے، مجھے کل ہی امی نے بتایا، وہ ماں ہیں ہو سکے تو انہیں معاف کر دینا۔''

''خدا نہ کرے جو میں ان سے ناراض ہوں، وہ ٹھیک سوچتی تھیں، مگر شاید وہ بھول گئی تھیں کہ وہ تمہارے جیسے ضدی بیٹے کی ماں ہیں۔''

''نہیں وہ یہ اندازہ نہیں کر سکیں کہ یہ تمہارے چھوڑے نقوش تھے جو ان مٹ ہیں۔'' وہ بولا۔

''اور تم بھی یہ اندازہ نہیں کر سکیں کہ تقدیر کی آخری حد کیا ہے۔'' وہ نرمی سے مسکرا رہا تھا۔

''کبھی کبھی ہم فاصلے پیدا کرنے کے لیے دور نہیں بھاگتے مگر اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ دیکھیں ہمارے پیچھے کون بھاگتا ہے۔'' کرن کو یاد آیا اور جواب میں وہ بھی مسکرا دی۔

''اچھا ذرا یہ تو بتاؤ پھر سے کہ کسی کو پسند کر لینے سے آگے دل میں کیا چیز ہوتی ہے؟'' داؤد نے پوچھا۔

''تجسس۔'' کرن نے جواب دیا۔

''تجسس کس جذبے کو ابھارتا ہے؟''

''شوق کو۔''

''شوق کس چیز کو جنم دیتا ہے؟''

''ارادے کو۔''

''ارادے سے آگے کیا ہوتا ہے؟''

''غالباً محبت۔''

''محبت کے بعد۔''

"Lust"

''Lust سے آگے؟''

''گناہ۔''

''گناہ سے آگے کیا ہے؟''

''اذیت!''

''اذیت کس چیز کو جنم دیتی ہے؟''

''آزمائش۔''

''آزمائش کیا لاتی ہے؟''

''حساب۔''

''حساب سے آگے۔''

''Destination'' (منزل)۔

''Destination (منزل) سے آگے؟''

''یا تو بہت روشنی یا بہت اندھیرا۔''

'''اس سے آگے تقدیر کی آخری حد......'' کرن کو ایک ایک لفظ یاد آنے لگا۔

"See your reason interpreted it quite wrongly"

(دیکھا! تمہارا نتیجہ کتنا غلط ثابت ہوا)

داؤد کہہ رہا تھا۔

''Lust کی نوعیت میں بہت فرق ہے کرن! محبت، Lust کو جنم دیتی ہے ضروری نہیں کہ Lust گناہ کی طرف لے جائے، کیا تمہیں سمجھ میں آیا۔ تم نے دیکھا محبت میں کتنی طاقت ہوتی ہے، روشنی کیسے پھیلی، خوشبو کیسے مہکی، اسی محبت کی طاقت کی وجہ سے۔ تمہاری محبت تمہاری ہوس نے مجھے ایک منور راستہ دِکھا دیا، تم خود دیکھ رہی ہو کہ تمہاری روشنی نے میرا راستہ کیسے روشن کیا۔''

کرن نے پورے یقین کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

''میں نے اپنے آسمان پر اپنا ستارہ پا لیا سارہ!'' اس نے تصور میں سارہ کو مخاطب کیا۔

''سنا ہے گمشدہ چیزیں وہیں سے مل جاتی ہیں جہاں وہ گم ہوتی ہیں۔'' داؤد کو خیال آیا۔

کرن نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اب وہ اس کے لیے صرف ستارہ نہیں شمال کا ستارہ بن چکا تھا۔



بیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے

بی بی جان سے کسی مسئلے پر اختلاف کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ ایسا اکثر ہو جایا کرتا تھا۔ ایسے اختلافاتِ کو اصولی قرار دے کر وہ مزے سے ہر بات سے بری الذمہ ہو کر اپنے معمول میں مصروف ہو جاتی۔ اور پھر ہر شخص اور ہر چیز اپنی اپنی روٹین پر آ جاتی، گویا کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ لیکن اس روز ایک نہایت غیر اہم اور معمولی سی بات پر...... دو گھنٹے تک بی بی جان سے بحث کرنے کے بعد جب وہ اٹھی تو خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اس کا دل اتنا پریشان اور غیر مطمئن سا کیوں ہو رہا ہے۔ اپنے اس ڈپریشن سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ بے وجہ ہی سارے گھر میں گھومتی رہی مگر دل گرفتی کا وہ عالم کم نہ ہو سکنے پر گیٹ کھول کر باہر آ گئی۔

بی بی جان کے گھر سے لارنس گارڈن کا فاصلہ بہت کم تھا۔ لیکن پھر بھی وہ لوگ بہت کم ہی کبھی ادھر آتے تھے۔ لیکن اس روز اس کے قدم خود بخود ہی ادھر اٹھ گئے۔

اور اب تقریباً آدھے گھنٹے سے پتھر کے بینچ پر بیٹھے وہ مسلسل یہ سوچ رہی تھی کہ آج اس کا ذہن بلاوجہ اتنا اپ سیٹ کیوں ہو رہا ہے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خود کو بہلانے کے لیے کسی دوست کی طرف چلی جاتی۔ وہاں سے کسی اور دوست کی طرف اور پھر سب کے ساتھ مل کر شور ہنگامہ بپا کر کے خود بخود ٹھیک ہو جاتی یا پھر واپس اپنے گھر ہی چلی جاتی اور بستر میں گھس کر سو جاتی۔

مگر آج اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ خود کو بہلانے کے یہ دونوں ہی طریقے کارگر ثابت نہ ہوں گے۔ اس ذہنی حالت میں اسے اپنے سامنے موجود ہر چیز غیر دلچسپ اور غیر اہم نظر آ رہی تھی۔ درخت، پھول، پودے، لوگ، ہر شے بے تکی محسوس ہو رہی تھی۔ اسی غیر حاضر دماغی میں اس کی نظر اس شخص پر پڑی جو غالباً اپنے سامنے والے درخت کی تصویر لینا چاہ رہا تھا۔ مگر اس سے اینگل ٹھیک سے بن نہیں رہا تھا۔ اینگل درست کرنے کی کوشش میں وہ کبھی کھڑا ہوتا تھا کبھی بیٹھ جاتا تھا۔ کبھی درخت کی دائیں سمت میں چلا جاتا تھا اور کبھی

بائیں سمت میں۔ ایک دو بار وہ تقریباً لیٹ ہی گیا مگر اس کا زاویہ نہ بن سکا۔

وہ اپنی ذہنی کیفیت بھلا کر اس کی اس کوشش کو دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ تیس پینتیس منٹ تک وہ اسی طرح اوٹ پٹانگ کوششوں کے بعد مایوسی سے سر ہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اچھی طرح افسوس کر لینے کے بعد اس نے کچھ سوچا اور پھر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر اس کی نظریں اس بنچ پر ٹھہر گئیں جس پر وہ بیٹھی تھی۔ آہستہ قدموں سے چلتا وہ اس کی طرف آیا۔

''معاف کیجئے گا۔ کیا میں آپ سے ایک درخواست کر سکتا ہوں۔'' قریب آ کر اس نے شستہ انگریزی میں کہا۔

''کیوں نہیں۔'' اس کی حرکات نے اس کی طبیعت پر چھائی اداسی دور کر دی تھی اور اب وہ خاصی بشاشت محسوس کر رہی تھی۔

''یہ بن نہیں رہا۔ اگر آپ بنا دیں تو مہربانی ہوگی۔'' اس نے درخت کی طرف اشارہ کیا، اس کے لہجے سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ پاکستانی نہیں ہے جبکہ شکل وصورت سے وہ غیر ملکی نہیں لگتا تھا۔

''کیا نہیں بن رہا؟'' اس نے بھی درخت کی جانب دیکھا۔

''یہ دیکھیے، یہ ایک بہت پرانا درخت ہے، اس کی جڑیں بہت دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس طرح اس کی تصویر بنے کہ اس کی شاخوں کے ساتھ واڑھی کی طرح جو چیز لٹک رہی ہے۔ وہ واضح طور پر نظر آئے۔''

''آپ سے نہیں بنا۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، میں نے پوری کوشش کر دیکھی ہے۔''

''آپ تو کوئی ماہر فوٹو گرافر نظر آتے ہیں۔'' اس نے اس کے کندھے سے لٹکے دو تین کیمروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، کچھ ایسا ہی ہے، میرا شوق ہے یہ۔'' وہ آہستہ سے ہنسا۔

''تو جب آپ سے یہ نہیں بنا تو، میں جو الف ب سے آشنا نہیں ہوں۔ میں کیسے بنا سکتی ہوں۔''

''آپ کو کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ میں اس جگہ کھڑا ہو جاتا ہوں، جہاں پر وہ اینگل درست بنتا ہے۔ آپ بس میری ناک کو فوکس کر کے بٹن دبا دیجیے گا، کام ہو جائے گا۔'' اس نے جلدی سے کہا لیکن پھر رک گیا۔

''آپ ایسا تو کر ہی سکتی ہیں نا۔'' وہ آہستہ آواز میں بولا۔

''کیوں نہیں۔'' غیر ملکی جان کر اس نے ذرا شوئری دکھائی اور اس کے پیچھے چل دی اور پھر اس کی ہدایت کے مطابق اس کی ناک فوکس کرنے لگی اور اس کوشش کے دوران اس پر اچانک انکشاف ہوا کہ وہ جو کوئی بھی تھا، غیر معمولی طور پر خوش شکل تھا۔ خصوصاً اس کی آنکھیں بے حد خوبصورت اور گہری تھیں اور ان میں

ایک عجیب سا اسرار تھا۔ غور سے دیکھنے پر ہی اسے محسوس ہوا کہ وہ خاصی سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے بمشکل اس کی ناک فوکس کی اور بٹن دبا دیا۔

''شکریہ۔'' کلک کی آواز پر اتنی دیر تک ساکت کھڑے رہنے کے بعد میں وہ حرکت میں آیا اور اس کے قریب آ گیا۔

''لیکن مجھے یقین نہیں کہ یہ تصویر ویسی ہی بنی ہے جیسی آپ چاہتے ہیں۔'' اس نے اس کی آنکھوں کے تاثر سے نجات حاصل کرنے کے لیے سر جھکا کر کہا۔

''پھر بھی آپ نے میری مدد کی، یہ ہی بہت ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''میرا مقصد تو صرف اس حصے کو پکڑنا تھا۔'' اس نے پیچھے گھوم کر درخت کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس حصے کو سائز میں بڑا کیا جا سکتا ہے۔''

''ہاں، لیکن آپ خود بھی تو موجود ہوں گے، اس تصویر میں پھر اس کو بڑا کرنے میں دقت نہیں پیش آئے گی؟'' اس نے ذرا دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''خود تو میں صرف اس لیے کھڑا ہوں کہ اس کا اینگل بن سکے، بعد میں خود کو غائب کر کے صرف اس حصے کو انلارج کر لوں گا۔''

''آپ ایک ماہر فوٹو گرافر معلوم ہوتے ہیں، کیا واقعی آپ اس میں سے خود کو غائب کر لیں گے؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''آپ اس کام سے قطعی لاعلم معلوم ہوتی ہیں۔'' وہ ہنسا۔ ''اس تصویر سے کیا اب تو ہر جگہ سے چیزیں انسان کی مرضی پر غائب ہونے لگی ہیں، بس ماہر فن ہاتھوں کی ضرورت ہے اور چیز پردے سے غائب۔'' اب کے وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔ اس کی ہنسی میں بھی ایک عجیب سا اسرار تھا۔ ''آپ شاید اس بات سے بھی لاعلم ہیں، مس...... مس!'' اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''دلی!'' جلدی میں اس کی زبان پر اپنا وہ نام آ گیا جو سب کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی زبان پر بھی چڑھ گیا تھا۔ ''لالہ، میرا مطلب ہے لالہ رخ۔'' اس کو اپنی تصحیح کرنا پڑی۔

''لالہ رخ!'' اس نے غور سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کوائٹ امیزنگ (خاصا حیران کن) لالہ رخ۔'' اس نے ایک بار پھر زیرِ لب دُہرایا۔

''اور آپ؟'' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اپنی تمام تر بددماغی اور تنگ مزاجی کے باوجود اس کا دل ایسا کیوں چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے پاس کھڑی یوں ہی باتیں کرتی رہے۔

''میں۔'' اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں کوئی بھی ہوں، کچھ بھی ہوں آپ کو اختیار ہے۔ آپ مجھے اپنی پسند کا کوئی بھی نام دے سکتی ہیں۔ کسی بھی نام سے پکار سکتی ہیں۔'' یہ خاصا خلاف توقع

جواب تھا وہ چونک گئی۔

''مگر آپ کا اپنا کوئی نام تو ہوگا''

''کیا ایسا ہونا ضروری ہے؟''اس نے الٹا سوال کیا۔

''یقیناً، کیونکہ ہمارا نام ہی تو ہماری بنیادی پہچان ہوتا ہے۔''اس نے سر ہلایا۔

''تو پھر یوں سمجھ لیجئے کہ میری کوئی بنیادی پہچان نہیں ہے۔'' اس نے اپنی چیزیں سنبھالتے ہوئے کہا۔''بہرحال بہت شکریہ۔ میں کئی دن سے جو کام کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ آپ کی مدد سے شاید ہو چکا ہو۔''

وہ باہر جانے کے راستے کی جانب مڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آہستہ قدموں سے چلتا، جونہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا۔ وہ جیسے اچانک اس سحر سے آزاد ہوگئی جو اس کی یہاں موجودگی کے دوران چھایا ہوا تھا۔ ماحول ایک بار پھر ویسا ہی ہوگیا۔ وہی درخت، پودے اور پھول وہی لوگ، وہی بچے اور ان کی بھاگ دوڑ، بی بی جان سے ہونے والا جھگڑا بھی یکدم پھر سے یاد آ گیا۔ اس نے سر جھٹکا اور اسی پژمردہ ذہن کے ساتھ باہر نکل آئی۔

بی بی جان کا گیٹ کھول کر اس نے اپنی گاڑی باہر نکالی اور زمان خان کو باہر سے ہی اپنے واپس چلے جانے کا بتا کر ہوا ہوگئی۔

''کیسا عجیب تجربہ ہے۔'' گھر آ کر اپنے بستر میں گھسنے کے بعد تقریباً پچیسویں مرتبہ اس نے سوچا۔

''لوگ ملتے ہی رہتے ہیں۔'' مختلف مزاج کے لوگ، مختلف قوموں کے لوگ، مختلف ناموں اور شخصیتوں کے مالک لوگ مگر ایسی شخصیت یقیناً پہلی مرتبہ ہی ٹکرائی ہے۔'' وہ دیر سے یہ ہی سوچ رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔ بس بعض لوگوں کو منفرد نظر آنے کا خبط ہوا کرتا ہے۔'' پھر اس نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''مگر کچھ بھی کہا جائے، اس کی شخصیت میں کچھ منفرد تھا ضرور۔'' وہ اس خیال کو جھٹلا نہیں سکی تھی۔

''ورنہ میں اور کسی کے اثر میں آ جاؤں۔ یہ ناممکن ہے۔ مگر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ وہ تھا کون؟'' اور اسی ایک سوال پر گویا اس کے ذہن کی سوئی اٹک گئی تھی۔

''تو پھر یوں سمجھ لیجئے کہ میری کوئی بنیادی پہچان نہیں ہے۔'' اس کی یہ بات بار بار اس کے ذہن میں گونجتی رہی۔ ''مگر ایسا کیسے ممکن ہے؟'' اس نے سوچا۔ ''چلا ہی گیا ورنہ میں تو اس کی بنیادی پہچان اگلوا کر ہی چھوڑتی۔'' اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے خود سے کہا۔



اس کا خیال تھا کہ یہ عجیب واقعہ جو اس کے نزدیک عجیب تھا، چند دن اس کے ذہن میں موجود رہے

گا اور پھر ہمیشہ کی طرح ذہن سے نکل کر غیر اہم ہو جائے گا، مگر وہ خود حیران تھی کہ ایسا نہ ہو سکا۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، گھر والوں کے درمیان، دوستوں کے ساتھ، گھر سے باہر ہر جگہ لاشعوری طور پر وہ اجنبی چہرہ اس کے ذہن کی سلیٹ پر واضح ہو کر اپنا عکس دکھانے لگا۔ خصوصاً وہ آنکھیں جو گہری تھیں اور جن میں عجیب سا اسرار تھا۔ اور پھر اس کی چونکا دینے والی گفتگو۔

''میں کوئی بھی ہوں۔ آپ کو اختیار ہے، آپ مجھے اپنی پسند کا کوئی بھی نام دے سکتی ہیں۔''

''یہ ہی سمجھ لیجیے کہ میری کوئی بنیادی پہچان نہیں ہے۔'' وہ اپنی اس ذہنی کیفیت پر بار ہا جھنجھلا گئی۔

''کیا مصیبت ہے بھئی، کس قدر فضول اور لغو صورتحال ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہر اس جگہ سے جہاں وہ موجود ہوتی تھی، غائب ہونے لگی۔ وہ بے انتہا زندہ دل تھی۔ دوستوں کی صحبت، گھومنا پھرنا، شاپنگ، ہوٹلنگ، بے مقصد ڈرائیو، اس کی پسندیدہ تفریحات تھیں۔ بی اے کا ایگزام دینے کے بعد اس نے فرینچ کلاسز جوائن کی تھیں۔ بڑے شوق اور لگن سے، مگر اب اس کا دل کسی تفریح، کسی شوق میں نہیں لگتا تھا۔ بس ایک ہی چہرہ، ایک ہی آواز اس کے ساتھ ساتھ ہر جگہ موجود ہوتی۔ وہ گھر سے باہر لوگوں میں لاشعوری طور پر وہ چہرہ تلاش کرنے لگی۔ اس نے آوازوں پر کان لگا دیئے۔ کہیں کوئی فرینچ کٹ داڑھی والا شخص اسے نظر آتا۔ وہ اس تصور میں آگے بڑھ کر اسے دیکھتی ''ضرور یہ وہی ہوگا۔'' کوئی بوجھل اور آہستہ آواز میں بات کرتا سنائی دیتا۔ وہ مڑ کر دیکھتی ''بہت ممکن ہے یہ وہ ہو۔'' رفتہ رفتہ اسے محسوس ہونے لگا کہ وہ الوژنز کا شکار ہونے لگی ہے۔ اس بات کو اس نے ہی نہیں، اس کے اردگرد لوگوں نے بھی محسوس کیا۔

''کیا ہو گیا ہے للی تمہیں۔ وہ لڑکا دکھا رہی ہوں جو بڑا اسٹائلش اور ہیرو نظر آنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور تم کہہ رہی ہو۔ ہاں اس کے چہرے پر داڑھی سوٹ کر رہی ہے۔ کہاں ہے بھئی اس کی داڑھی؟ اپنی نظروں کا معائنہ کراؤ۔'' ایک روز پنکی نے اسے بری طرح ڈانٹ دیا۔ وہ خود بھی بری طرح چونک گئی۔

''یہ للی ہے میری دوست، ویسے اس کا نام لالہ رخ ہے۔ ہم لوگ سب اس کو للی کہتے ہیں۔'' عینی نے ایک روز اس کا تعارف اپنے ایک کزن سے کرواتے ہوئے کہا۔

''لالہ رخ...... یعنی لالہ رخ......'' انہوں نے دُہرایا تو وہ جو دیر سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ایک دم سر اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ایسی ہی آواز میں غالباً اس نے کہا تھا۔

''لالہ رخ! کوائٹ امیزنگ لالہ رخ؟'' مگر عینی کا کزن وہ نہیں تھا۔ بلکہ اسے لگتا تھا کہ اس ساری دنیا میں بھی وہ کوئی نہیں تھا۔ وہ بھی محض ایک الوژن تھا۔ مگر اس کا ذہن خود بخود ایک ہی فریکوئنسی پر سفر کر رہا تھا۔ ''وہ تھا، ضرور تھا اور یہیں تھا۔'' اس نے کچھ دن سے مستقل بی بی جان کی طرف ڈیرے جما لیے تھے اور صبح و شام ''واک کرنے جا رہی ہوں۔'' کا جملہ دُہرا کر لارنس گارڈن میں گھومنا اپنا معمول بنا لیا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ یہ محض اس کا اسرار تھا جو اسے یوں چکر میں ڈالے ہوا تھا۔ ایک بار اگر وہ پھر نظر

آ جائے اس کی شخصیت کے پردے اتر جائیں (وہ پردے جو بقول خود اس کے اس پر پڑے تھے) تو وہ خود بخود نارمل ہو جائے گی۔ ہر معمہ، ہر پل اس وقت تک ہی اہم معلوم ہوتا ہے۔ جب تک وہ حل نہیں ہو جاتا۔ حل ہو جانے پر اس کی کوئی خاص اہمیت باقی نہیں رہتی۔ بارہا اسے خود پر حیرت ہوئی۔ اور پھر بری طرح غصہ بھی آ جاتا۔ وہ کیا تھی، کیسی تھی، اس کا ماحول اس کی تربیت اس کا لائف سٹائل اس کا طبقہ ہر طرح عام لوگوں سے مختلف تھا۔ وہ عام سوچ اور عام رویوں سے ماورا تھی۔ معاشرے کے سب سے اونچے طبقے کی فرد تھی۔ اس کے ماحول، تربیت اور تعلیم نے اس کو بے حد پریکٹیکل مائنڈڈ بنایا تھا۔ وہ ہر بات اور ہر سوچ کو بے حد عملی سطح پر ہینڈل کرنے کی عادی تھی۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ زندگی میں کبھی ایسی صورتحال سے دوچار ہو جائے گی۔ جسے عام زندگی میں وہ نخوت سے چیپ رومینٹزم کا نام دیتی تھی۔ ایک صدی پہلے کی مشرقی عورت کی سوچ، ایک مرد کی جھلک نظر آئی اور آپ اس پر بری طرح زہر کھانے لگیں۔ ریشہ خطمی ہوئی جا رہی ہیں۔

اسے یہ صورتحال سخت مضحکہ خیز لگتی تھی۔ آج کے سائنٹیفک دور میں ایسی حماقتوں کی گنجائش ہی نہیں تھی، کہاں تو یہ حال ہے کہ انسان چند گھنٹوں میں میلوں کا سفر طے کر کے کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے اور کہاں وہ ٹھہری ہوئی ساکت و جامد سوچ ایک ہی شخص کا تصور اور پھر اسی کے پیچھے دیوانہ ہوئے رہنا۔

مگر اب یہ ایک واقعہ تھا کہ وہ بچاؤ کی ہزار کوشش کے باوجود ایسی ہی صورتحال میں مبتلا تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دائرے سے بننے لگے تھے اور ہر دائرے میں ایک ہی چہرہ اس چہرے...... پر نمایاں وہ آنکھیں، اور ہر دائرے میں سے اٹھتی ایک ہی آواز تھی۔ ''لالہ رخ! کوائٹ امیزنگ لالہ رخ۔''

اس کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ دنیا اس کے قدموں میں موجود تھی۔ خواہش سے پہلے ہر نعمت اس کے پاس موجود ہوتی تھی۔ پھر وہ اس ذہنی بحران کا شکار کیوں ہوگئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ پہلے پہل اس کا دل چاہا کہ وہ اپنی الجھن کسی سے کہہ ڈالے۔ ماما سے، ڈیڈی سے، کسی بہن بھائی سے کسی عزیز سے، دوست سے۔ مگر وہ جانتی تھی کہ یہ سب اپنی روٹین میں مصروف لوگ ہیں، ان میں سے کوئی بھی کسی کی الجھن شیئر نہیں کر سکتا۔ کوئی تو اسے احمق قرار دے گا۔ اور باقی جی بھر کر مذاق اڑائیں گے۔ جیسا پہلے وہ خود دوسروں کا اڑاتی تھی۔ پھر اس کا دل چاہا کہ وہ کسی سائیکاٹرسٹ سے مشورہ کرے۔

''مجھے الوژنز نظر آتے ہیں۔'' اس سے اپنا مسئلہ بیان کرے مگر یہاں اس کی عزت آڑے آ گئی۔

''کوئی کیا کہے گا۔ یہ اچھی بھلی لڑکی اتنی احمق ہے، ظاہر ہے کہ سائیکاٹرسٹ مکمل ہسٹری کے بغیر تو کچھ بھی نہیں بتائے گا۔''

''پھر میں کس سے کچھ کہوں۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔ اسے بی بی جان پر غصہ آ جاتا۔

''نہ وہ اس روز مجھ سے بحث کرتیں، نہ میں وہاں جاتی اور نہ ہی اس سے ٹکراتی۔'' اور اس نے تصور

کے ساتھ ہی اس کا ذہن الجھنے لگتا۔

''مگر وہ کون تھا، گیا کہاں؟'' اس نے شہر کا کونا کونا چھان مارا تھا۔ وہ اسے نظر نہیں آیا تھا، دنیا کی ہر نعمت کی دستیابی کے باوجود، اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ پیاسی ہو اور خواہش کے باوجود اسے پانی میسر نہیں آ رہا تھا۔ گھبرا کر اس نے رحمان بھائی کے پاس لندن جانے کا پروگرام بنا لیا۔

مگر اس کی یہ کوشش بھی تقریباً ناکام ہی ثابت ہوئی۔ اپنے تین ماہ کے قیام کے دوران سوائے ان وقتوں کے جب وہ لوگوں کے درمیان ملے گلے میں مصروف رہتی، باقی وقت میں وہ اپنے اسی ذہنی تخلیے میں گم ہو جاتی، لندن کی سڑکوں پر، بازاروں میں شاپنگ سینٹر میں، میوزیمز اور گیلریز میں، ہر جگہ ایک ہی چہرہ اس کے ذہن میں موجود رہتا۔ یقیناً وہ غیر ملکی تھا، بہت ممکن ہے کہ وہ یہاں مل جائے۔ مگر اس کی یہ سوچ محض سوچ ہی رہی۔ اور وہ اپنے اسی ذہنی تخلیے سمیت واپس آ گئی۔



واپسی پر اس نے ''دفع کرو'' کا مصمم ارادہ کر کے نئے سرے سے زندگی کا معمول شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر سے دوستوں اور لوگوں کے درمیان ذہنی طور پر حاضر رہنے کی کوشش شروع کی اور اس میں وہ خود کامیابی محسوس کرنے لگی۔

''شکر ہے للی! تم نے بھی کسی بات میں انٹرسٹ لیا ورنہ ہم تو تمہاری طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔''

اس کی فرینڈز نے کئی بار اس سے کہا۔ اس نے دوبارہ سے فرنچ کلاسز جوائن کر لیں اور اسے محسوس ہونے لگا کہ ذہن کی سلیٹ پر موجود وہ چہرہ وقت کی دھول میں اٹ کر معدوم ہوتا جا رہا ہے۔

اس ذہنی بحالی کے نئے دور کو شروع ہوئے ابھی دو ہفتے ہی گزرے تھے کہ اس کو دوبارہ اس بحران کی کیفیت میں مبتلا ہو جانا پڑا۔ اس روز امریکن سینٹر میں فنکشن تھا۔ وہ بڑے ذوق و شوق سے تیار ہو کر، پنکی اور نائلہ کے ساتھ وہاں پہنچی تھی۔ ''آج دو چار اچھی اچھی کتابیں بھی ایشو کرواؤں گی۔''

اس نے سوچا تھا مگر اس کے سارے ذوق و شوق پر اس وقت پانی پڑ گیا۔ جب اس کو امریکن سینٹر کے باہر وہ چہرہ پھر سے نظر آیا۔

''اوہ خدایا، ناٹ اگین۔'' اس نے سر جھٹکا۔ ''پھر وہی الوژن۔'' مگر آگے بڑھنے پر اسے محسوس ہوا کہ یہ الوژن نہیں اور جو شخص اس وقت اس کے سامنے کھڑا تھا وہ وہی معمہ تھا۔ جسے حل کرنے کی خاطر وہ اتنے مہینوں سے خوار ہو رہی تھی۔ امریکی قونصل جنرل نمائش کا افتتاح کر رہے تھے اور وہ یوں ساتھ تھا جیسے سب انتظام اسی کا ہو۔ اور ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اس فنکشن کی خاطر خاص طور سے تیار ہو کر آیا تھا۔ اس کا لباس زبردست تھا اور وہ تقریب میں موجود خاص خاص لوگوں سے ہم کلام تھا۔ وہ ایک لمبے عرصے سے سرگرداں تھی۔ یہ موقع ہاتھ سے کیسے جانے دیتی۔ اسے ذرا سا تنہا پا کر اپنی فرینڈز کو پیچھے

چھوڑ کر وہ آگے بڑھ آئی۔

''ہیلو کیسے ہیں آپ؟'' اس نے کھنکھناتی آواز میں یوں پوچھا جیسے اس سے بے حد بے تکلف ہو۔

''معاف کیجئے گا، میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' دیر تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد آنکھوں میں پہچان کی کوئی چمک نہ آسکنے پر اس کے جواب نے اسے ششدر کر دیا۔ اس بات کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ یوں اسے پہچان بھی نہ پائے گا۔

''مگر اتنا عرصہ بھی تو ہو چکا ہے، کبھی یاد نہیں بھی رہتا۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔

''ایک روز لارنس گارڈن میں میں نے آپ کی تصویر بنائی تھی ٹھیک بنی یا نہیں؟'' اس کی گہری آنکھوں کی سرد مہری سے گھبرا کر اس نے سر جھکا کر کہا۔

''تصویر......'' اس نے اپنے ساتھ کھڑے شخص کو دیکھ کر یوں شانے اچکائے جیسے اس کی دماغی کیفیت پر شبہ ظاہر کر رہا ہو۔

''ایک درخت کا خاص اینگل لینا چاہتے تھے آپ؟'' اس نے ایک اور مایوس کوشش کی۔

''اچھا......!'' اس نے یوں کہا جیسے اسے باور کرانا چاہتا ہو کہ ''تم کہتی ہو تو ایسا ہی ہوا ہوگا۔''

''مجھے یاد نہیں۔'' کہتا ہوا وہ کسی اور جانب مڑ گیا۔

''امپاسبل!'' اس نے چکراتے سر کے ساتھ سوچا۔ ''کسی شخص کا حافظہ اتنا کمزور بھی ہو سکتا ہے۔'' اس کے گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ جس شخص کی تلاش میں یوں سرگرداں رہی وہ اتنی اجنبیت سے ملے گا۔

''مگر ضروری تو نہیں کہ وہ مختصر ملاقات اس کے لیے بھی اتنا ہی اہم اور دلچسپ تجربہ ہو۔'' کئی بار سوچنے پر اس کو خیال آیا ''نجانے کہاں کہاں اور کتنے لوگ اپنے اس طرح کے کاموں کے لیے دوسروں کو زحمت دیتے ہوں گے۔ تصویر بنا دیجئے۔ پانی پلا دیجئے۔ راستہ بتا دیجئے۔ مگر یوں تو نہ ہوتا ہوگا کہ اتنی مختصر ملاقات کے بعد وہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر ایک دوسرے کو ہی تلاش کرنے میں لگے رہیں۔ حد ہے پاگل پن کی بھی۔ اور پھر سحر اس کی شخصیت میں تھا مجھ میں نہیں۔ اسرار اس میں تھا، مجھ میں نہیں۔ معمہ میں نے اس کو بنایا تھا، جان لینے کی لگن مجھے تھی، اسے کیسے ہو سکتی ہے۔ منفرد وہ تھا میں تو نہیں۔''

اس نے ہر طور خود کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر اتنی خواہش کے بعد ہونے والی یہ دوسری ملاقات اس کو ایک بار پھر بے چین کر گئی۔

''آخر وہ ہے کون اور اتنا مختلف کیوں نظر آتا ہے؟'' بار بار یہ سوال ذہن پر دستک دیتا۔

اس کا خیال تھا کہ ایک مرتبہ پھر وہ الوژنز کا شکار ہو جائے گی۔ ہر جگہ لاشعوری طور پر اس کو ڈھونڈتی پھرے گی۔ مگر یہ عجیب اتفاق تھا کہ اب کے اس کی تلاش میں نظریں بھٹکا نہیں پڑیں۔ ان دنوں بیلا آپی

اسلام آباد سے آئی ہوئی تھیں اور اسی شاپنگ میں مصروف تھیں جس میں وہ لاہور آنے پر ہمہ تن گم ہو جایا کرتی تھیں۔ اور اس روز وہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ اسے کچھ کیسٹس لینا تھے۔ اور کمفرٹس سے چپل بدلوانا تھی۔ بیلا آپی دھڑا دھڑ امپورٹڈ ڈیکوریشن پیس خرید رہی تھیں۔

''بس کریں بیلا آپی! خدا کے لیے بس کریں۔ میں آپ کو بار بار یاد دلا رہی ہوں کہ ہارون بھائی ڈیڈی کی طرح کوئی بزنس ٹائیکون نہیں، سیدھے سادے گورنمنٹ آفیسر ہیں اٹھارویں گریڈ کے۔ اب تو میکہ بھول کر اپنے میاں کی جیب کا خیال کریں۔'' اس نے ہنستے ہوئے ان سے کہا اور ان کو وہاں ہی چھوڑ کر میری میلوڈیز کی طرف بڑھی۔

بیلا آپی کی بڑبڑاہٹ پر اسے بے اختیار ہنسی آ رہی تھی۔ مگر اس کی ہنسی کو اس وقت بریک لگ گئی جب اس نے بیسمنٹ کی سیڑھیوں سے اس کو اترتے دیکھا۔

''الوژن یا حقیقت؟'' اس نے بے چارگی کے عالم میں سر اٹھایا۔ وہ آخری سیڑھی پر تھا۔ وہ سر جھکا کر میری میلوڈیز میں گھس گئی۔

''ماڈرن ٹاکنگ لیٹسٹ......'' اس نے کیسٹ ریکارڈ کرتے لڑکے سے کہا۔

''ہیلو لالہ رخ!'' وہ جان دار بوجھل آواز اس کے قریب سے آئی۔ اس نے بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا وہ عین اس کے سر پر کھڑا تھا۔

''کیا حال ہے لالہ رخ؟'' وہ کہہ رہا تھا۔

''مگر میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔'' اس نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ ناممکن ہے، پچھلے ہفتے تم مجھے یاد دلا رہی تھیں کہ تم نے میری تصویر بنائی تھی اور اب تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ اس بات کو کیسے مانا جا سکتا ہے، ہاں اگر تم بدلہ لے رہی ہو تو......''

اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ اس نے کیسٹ پکڑ کر پھر پیچھے مڑ کر دیکھا، اس کی آنکھوں میں وہی اسرار تھا اور آج وہ اس دن سے بالکل مختلف لباس میں تھا۔ گھسی ہوئی جینز اور بوسیدہ جیکٹ، ایسے ہی حلیے میں وہ پہلے روز نظر آیا تھا۔

''مگر تم نے اس روز مجھے کیوں نہیں پہچانا؟'' اس نے کیسٹ کے پیسے دے کر بقایا بیگ میں ڈالتے ہوئے پست آواز میں کہا۔

''اس کا جواب تو فرصت میں ہی دیا جا سکتا ہے، کب ملے گی فرصت؟ بولو کب مل سکتی ہو؟'' اس نے آگے بڑھ کر ایک طرف لٹکے سوئیٹرز دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم وہاں اب نہیں جاتے گارڈن میں؟'' اس نے سر جھکا کر کہا۔ کیونکہ اس طرح ملاقات کرنا بہت عجیب لگ رہا تھا۔ مگر وہ بہر حال میں اس معمے کو حل کرنا چاہتی تھی۔

"کیوں نہیں، کل شام کو میں وہیں موجود ہوں گا۔ تم آؤ گی لالہ رخ؟" وہ اس کی جانب مڑا۔

"لالہ رخ" اس نے زیرِ لب دُہرایا، اتنے مکمل نام سے اسے کبھی کسی نے نہیں پکارا تھا، اسے یوں پکارا جانا اچھا لگ رہا تھا۔

"کل......" کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔ کل تو جمشید انکل کے فیضی کا برتھ ڈے ہے اور اتنی منتوں سے حاصل کیے واحد بیٹے کے برتھ ڈے پر اس کی غیر حاضری پر وہ بہت برا منائیں گے۔ "کل تو نہیں لیکن......" اس نے کہنا چاہا۔

"کل نہیں تو پھر پرسوں بھی نہیں بلکہ اگلے ہفتے کل ہی کے دن، وہ سوئیٹر کتنے میں ہے بھئی؟" دوسرا جملہ اس نے سیلز مین سے کہا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے زیرِ لب کہا۔

"او آئی کانٹ افورڈ اٹ......" باہر نکلتے نکلتے اس کے کان میں اس کی آواز آئی۔ وہ سوئیٹر کی قیمت سننے پر کہہ رہا تھا۔

"عجیب آدمی ہے، اس روز کیسا ٹک سک سے تیار ہو کر آیا ہوا تھا اور آج یہ سوئیٹر تک افورڈ نہیں کر سکتا۔ عجیب دُہری شخصیت کا مالک ہے۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

بیلا آپی اوپر جا چکی تھیں۔ اور اب جوتوں کی دکان میں گھسی ہوئی تھیں۔

آج کا دن اس کے لیے ناقابلِ یقین ثابت ہوا تھا۔ جب وہ اپنے تصور کے خاتمے پر فاتحہ پڑھ چکی تھی، وقت اور قسمت اس پر مہربان ہونے کو آگے بڑھ آئے تھے۔

"کل شام کو میں وہاں ہوں گا۔ تم آؤ گی لالہ رخ؟" اس کا یہ جملہ بار بار اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ وہ اس کو تو کیا اس کے نام کو بھی بھلا نہیں پایا تھا۔

"پھر اس روز اسے کیا ہوا تھا؟" اس نے جھنجھلا کر سوچا۔ وہ اگلے ہفتے کل کے دن کے تصور میں گم تھی جب فائزہ نے اسے چونکایا۔

"کیا ہو رہا ہے للّی؟"

"کچھ نہیں۔" وہ سنبھل گئی اور اگر اسے پتہ چل جائے کہ کیا ہو رہا تھا تو کل میرا جلوس نکلا ہو کیولری گراؤنڈ میں۔ یہ بات ان سب کے لیے ایک شاک ہو گی کہ مجھے ایک راہ چلتے شخص نے سیکنڈوں میں چت کر لیا۔" اس نے سوچا اور اس تصور سے ہی اس کو جھرجھری آ گئی کہ کسی کو اس کی ذہنی کیفیت کا علم ہو جائے۔

اس نے زندگی میں پہلی بار دن گننے شروع کیے تھے، ایسا تو کبھی اس نے کسی ایگزام کے دوران بھی نہیں کیا تھا۔ سوموار کا دن پہلے کبھی اتنا اہم نہیں لگا تھا۔ جتنا اب محسوس ہو رہا تھا اس نے درمیان کے دن

گزارنے کے لیے خود کو بے مقصد کاموں میں الجھا لیا۔



وہ ہفتہ کا دن تھا اور سوموار کے آنے میں ایک دن مزید باقی تھا اس روز زمان بھائی اپنے کسی پرانے وعدے کی تکمیل کے لیے سب کزن پارٹی کو ہلٹن میں سی فوڈ میلے پر لے جا رہے تھے۔ ان دنوں اس کی پرانی چہکار پھر سے واپس آ گئی تھی۔ اور وہ اپنی عادت سے مجبور ہر ایک کو چھیڑ رہی تھی۔ پران اینڈ چپس پلیٹ میں ڈالتے ہوئے اس کی نظر کارنر کی ٹیبل پر موجود اس پر پڑی۔ اس کے ساتھ دو شخص اور بھی تھے جو شکل سے غیر ملکی دکھائی دے رہے تھے۔ ''یا اللہ یہ کیسا معمہ ہے؟'' اس نے اس کے زبردست آؤٹ فٹ کو دیکھ کر کہا اور مسکرا کر آگے بڑھ آئی۔

''ہیلو!'' اس نے بشاشت سے کہا۔ جواب میں اس کی گہری آنکھوں میں پھر اجنبیت پا کر وہ ٹپٹا گئی۔

''آپ نے مجھے پھر نہیں پہچانا غالباً۔'' ''آپ مسٹر، مسٹر!'' اس نے گھبرا کر دوسرے دونوں آدمیوں کو دیکھا۔

''حیرت ہے، آپ میرے نام سے واقف ہی نہیں۔ پھر پہچان کیسی؟'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''ارے تم! بڑے دنوں بعد نظر آئے؟'' قریب کی میز سے ایک اور شخص اٹھ کر اس سے مخاطب ہوا۔

''معاف کیجئے گا، میں نے آپ دونوں خاتون و حضرات کو نہیں پہچانا۔ غالباً آپ دونوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' خالص آکسفورڈین انگلش میں جواب آیا۔ دیگر دونوں افراد مسکرا رہے تھے۔

''مائی فٹ۔'' اس نے اس طرح انسلٹ پہلی بار محسوس کی تھی۔ وہ تلملا کر واپس اپنی ٹیبل پر آ گئی۔

''کہاں گئی تھیں للی؟ کس سے بات کر رہی تھیں؟'' ثناء بھابی نے اس کا بازو ہلایا۔ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

''جہنم میں جائے یہ شخص اور اس کا اسرار ہاؤ اے فول آئی ایم۔'' اس نے پیر پٹخے۔

''کچھ نہیں، اب واپس چلیں پلیز......'' اس نے زمان بھائی سے کہا اور سب کو ان کی مرضی کے خلاف اٹھا دیا۔

وہ اس شخص کا اسرار سمجھنا چاہتی تھی اور اب وہ شخص اسے پراسرار کے بجائے فراڈ لگنے لگا تھا۔ ''کتنا وقت بے کار میں اس کے پیچھے میں نے ضائع کیا۔ وہ نجانے کیا سمجھنے لگا ہے کہ میں......'' اس سے آگے اس سے کچھ سوچا نہیں گیا۔ اس کے لیے یہ تصور کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ اس نے لالہ رخ قزلباش ہوتے ہوئے بھی اتنی بڑی حماقت کا ارتکاب کیا تھا۔ اس کی فطری خودسری اور تنک مزاجی عرصے کے بعد عود کر آئی تھی۔

''ایسے بیسیوں میرے قدموں میں۔'' اس نے نخوت سے سوچا۔ مگر اس کے دل کے اندر دور کہیں یہ بات بھی رہ رہ کر سر اٹھا رہی تھی کہ۔

کاش وہ آج ہلٹن نہ گئی ہوتی۔ نہ وہ جاتی اور نہ ہی یہ قابل برداشت واقعہ پیش آتا۔ جبکہ سوموار آنے میں صرف ایک ہی دن باقی رہ گیا تھا۔ مگر آج وہ دل کے اندر دور کہیں اس اٹھنے والی بات کو شعوری طور پر دبانا چاہ رہی تھی۔ ''راہ چلتے فقیروں جیسی شکل پر اس کا نخرہ تو دیکھو۔'' اس نے اپنی عادت کے خلاف ''غصے میں ایک کمینی سی بات سوچی۔ وہ دو دن اس پر بے حد بھاری گزرے۔ رہ رہ کر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سوموار کا دن بیچ میں نہ آئے۔ بلکہ اتوار کے بعد منگل آ جائے مگر ایسا کس طرح ممکن تھا۔

دو دن اس نے خود کو سمجھانے میں گزارے تھے، سوموار کے دن کے لیے اس کا ارادہ تھا کہ وہ آغا جی کی طرف گلبرگ چلی جائے گی۔ مگر خود اس کی حیرت کی اس وقت انتہا نہ رہی جب اس نے اپنی گاڑی کو سہ پہر تین بجے بی بی جان کے گیٹ کے سامنے پایا۔ وہ لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ واپسی کا کیا سوال تھا۔

''ارے آؤ چندا! بہت دنوں بعد شکل دکھائی۔'' انہوں نے وہیں سے پکارا۔ وہ گاڑی اندر لے آئی۔

''بھئی، کمال لوگ ہو تم! ایک وہ تمہارا باپ ہے، مہینے مہینے تک شکل نہیں دکھاتا۔ اب معلوم بھی ہے کہ ماں میں اتنی ہمت نہیں دوسرے اس بڑھاپے میں اپنے گھر سے جانے کو دل نہیں چاہتا مگر مجال ہے کسی کے کان پر جوں رینگ جائے۔'' بی بی جان ہمیشہ کی طرح شکایت کر رہی تھیں۔

''اور یہ دیکھو، تم نے میرے گلاب تو دیکھے ہی نہیں۔'' انہوں نے گردن گھما کر سامنے کی کیاری کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ زرد گلاب دیکھو، کس قدر خوبصورت رنگ ہے۔''

''کمال ہے بی بی جان! آپ ہمیشہ بادامی رنگ کو بھی زرد ہی کہہ دیتی ہیں۔ کہاں ہے زرد گلاب، یہ تو بادامی گلاب ہے۔''

اس نے بیزار لہجے میں کہا۔ اور بس ایسی ہی غیر اہم باتوں پر تو بحث چھڑ جایا کرتی تھی، ایک تو وہ پہلے ہی دل گرفتہ ہو رہی تھی۔ اس پر یہ بحث، اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے لارنس گارڈن جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اول تو اس کو یقین تھا کہ وہ وہاں نہیں آئے گا۔ اور اگر آیا ہو گا تو میں ایک بار بغیر وجہ کے اس کی انسلٹ کر کے خود کو ٹھنڈا تو کر سکتی ہوں۔'' اس نے انتقامی جذبے کے تحت سوچا اور اٹھ کر باہر نکل آئی۔

اس کی توقع کے بالکل برعکس وہ وہاں موجود تھا اور ٹہل رہا تھا۔ اسی عام سے لباس میں ملبوس۔

''بہت دیر کر دی تم نے آتے آتے لالہ رخ؟'' اس پر نظر پڑتے ہی وہ ادھر دوڑ آیا۔

''تمہیں کیسے گمان تھا کہ میں یہاں آؤں گی۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔ آج وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

''تم نے خود ہی تو کہا تھا اس روز......'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

''اپنے اس روز کے رویے کے باوجود تمہارا خیال تھا کہ.....''

''ہاں اس کے باوجود......'' اس نے اس کی بات کاٹی ''مجھے گمان ہی نہیں، میرا یقین تھا کہ تم آؤ گی۔ اور مجھے یقین صرف ان ہی باتوں کا ہوتا ہے جو ہو جاتی ہیں اور دیکھ لو تم آج یہاں موجود ہو۔ میرا یقین کبھی غلط نہیں ہوتا لالہ رخ۔''

اس نے اپنے مخصوص لہجے اور آواز میں کہا۔ وہ چونک گئی اور اس نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

''تم کون ہو؟'' الفاظ خود بخود اس کے منہ سے پھسل گئے۔

''ارے تم نے تو مجھے لاجواب کر دیا۔'' وہ ہنسا ''میں کبھی کسی کے سامنے لاجواب نہیں ہوا۔ مگر اس کے سامنے جس نے مجھ سے پوچھ کہ تم کون ہو۔''

''اچھا یہ......موصوف فلسفہ سنا کر متاثر کرنے کی کوشش کریں گے۔'' اس نے بور ہو کر سوچا۔

''آؤ بیٹھو......'' اس نے بینچ کی طرف اشارہ کیا۔

''میں چہرے پڑھ لینے کا فن جانتا ہوں۔'' اس نے خود سے ہی کہنا شروع کیا۔ ''اور میں جانتا ہوں کہ اس وقت تمہارے دل میں کیا ہے۔ تم میرے متعلق الجھ گئی ہو، کچھ جاننا چاہتی ہو۔ کیا میں درست کہہ رہا ہوں؟'' اس نے اس کو دیکھا۔ وہ حیرت سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''جب کہ میرا خیال ہے کہ جہاں دل اٹک جائے، وہاں کے بارے میں خود بخود سب کچھ علم ہو جاتا ہے۔ اب دیکھو نا، مجھے تو تمہارے بارے میں خود بخود سب کچھ پتہ چل گیا۔''

''کیا......؟'' اس نے ہونقوں کی طرح پوچھا۔ اس کی انسلٹ کرنے کا خیال ایک دم اس کے دل سے ہوا ہو گیا تھا۔

''وہ سب کچھ جو تم ہو۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''مگر میں تو نہیں جانتی کہ تم کون ہو۔'' اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سر ہلایا۔

''تو جان لو ناں۔''

''میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔'' اس نے ذرا نخوت سے کہا۔

''وقت درکار ہی کتنا ہے اس کے لیے۔'' وہ زیرِ لب بولا ''دیکھو، میں، میں ہوں۔'' پھر اس نے خود ہی اپنا تعارف کروایا۔

''اور تمہاری کوئی بنیادی پہچان نہیں ہے۔ مگر اتنا میں ضرور جانتی ہوں کہ تم پاکستانی نہیں ہو۔''

''ہاں، لوگ کہتے ہیں، میں پاکستانی نہیں ہوں، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے انسان پاکستانی ہو۔ مصری ہو، سوڈانی ہو، امریکی ہو، افریقی ہو، ہوتا تو وہ انسان ہی ہے اور وہ ہر شخص کی بنیادی پہچان یہی ہونی چاہئے کہ وہ انسان ہے۔''

''مگر وطن، قوم، مذہب اپنی جگہ مسلم حقیقت ہیں۔'' اس نے کہنا چاہا۔

''سب بکواس ہے وطن، قوم، جگہ، مذہب میں نے تو کبھی اس خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا کہ مجھے فلاں وطن، میں فلاں قوم میں، فلاں مذہب کے تحت پیدا کیا جائے۔ اب جو مجھے مل گیا ہے، میں اس کو اپنی مجبوری کیوں بناؤں۔ میں جو چاہتا ہوں ویسا ہی نظر آتا ہوں، میرا ان چیزوں پر کوئی ایمان نہیں۔ یہ سب کچھ محض ایک حادثہ ہے کہ میں ایک ملک میں ایک قوم میں، ایک مذہب کے لوگوں میں پیدا ہوا۔''

''لیکن تمہارے ماں باپ تو......؟''

''ماں باپ کا وطن، مذہب، قومیت ان کے لیے میں تو پیدائشی سیلانی ہوں۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

''مگر انہوں نے ہی سہی تمہارا کوئی نام تو رکھا ہوگا۔'' اب وہ اس معمے کا ایک ایک لفظ حل کرنا چاہتی تھی۔

''میں نے تو کہا تھا کہ تم جس نام سے چاہو، مجھے پکار سکتی ہو۔'' اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر خیر یوں سمجھ لو کہ میرا نام حسین رکھا گیا تھا اور میں ایران، ترکی، افغانستان، کہیں بھی پیدا ہوا تھا۔''

یہ جواب بھی عجیب تھا مگر اس نے اس کو مزید اس سلسلے میں کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔

''اور تمہارے پاس کوئی تو قومیت ہوگی، اچھا چلو چھوڑو، یہ بتاؤ کہ تم اتنے دھوکے باز کیوں ہو۔ پہلے ایک بار تم نے مجھے پہچاننے سے انکار کیا تھا اور پرسوں بھی مجھے، مجھے کیا بلکہ ایک اور شخص کو بھی جو غالباً تمہارا دوست تھا۔''

''دشمنوں میں گھرا شخص، اپنے پیاروں کے بارے میں کسی کو کیسے کچھ بتا سکتا ہے۔'' اس نے سر جھکا کر کہا۔

''دشمنوں میں گھرا شخص مگر وہ جو تمہارے ساتھ بیٹھے تھے وہ تو تمہارے وست تھے غالباً۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ دنیا ہے دنیا...... لالہ رخ خانم! اور یہاں دوست کو دشمن بنتے دیر نہیں لگتی۔ کیا پتہ کس دوست کے اندر کونسا دشمن چھپا بیٹھا ہو۔ خیر چھوڑو، پہلے یہ فیصلہ تو کر لیں کہ ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں یا نہیں؟''

''دوست......!'' وہ چونکی ابھی تو وہ کہہ رہا تھا کہ جہاں دل اٹک جائے۔

''لیکن ایسی دوستی کا کیا فائدہ جس میں بار بار تم مجھے پہچاننے سے انکار کر دو۔''

''تم مجھ سے لوگوں کے درمیان مت ملا کرو، پھر ایسا نہیں ہوگا۔ یونہی تنہائی میں یہاں اسی جگہ پر ملا کرو۔''

''مگر میں ایسی دوستی کو نہیں مانتی۔'' اس نے سر ہلایا۔

''اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ تم یہ دوستی کرو گی لالہ رخ۔''

اس کے لہجے میں نجانے کیا تھا، وہ ایک دم پسپا ہوگئی۔ اور پھر ایسا اکثر ہونے لگا۔ وہ جو بی بی جان کے بحث مباحثہ سے بری طرح بدکتی تھی، اب اکثر دوپہر ہی میں ان کی طرف چلی جاتی۔ پھر شام کو

''میں ذرا واک کے لیے جا رہی ہوں۔'' کہتی لارنس گارڈن کی طرف آجاتی۔ دوستوں کے لیے گھر والوں کے لیے، اتمامِ حجت کی خاطر اس نے قائداعظم لائبریری کا کارڈ بنوا لیا۔ وہ سب حیران رہ جاتے وہ اتنی پڑھاکو تو کبھی بھی نہ رہی تھی۔ مگر ان میں سے کوئی بھی نہیں جان سکتا تھا کہ وہ دراصل ایک شخص کے اسرار کو جاننے کی خاطر، اس کو سمجھ لینے کے لیے لارنس گارڈن کے چکر لگاتی تھی۔ مگر یہ جگ سا پزل (معمہ) اس کے لیے بہت مشکل ثابت ہوا تھا۔ وہ شخص پیاز کی پرتوں کی مانند تہہ در تہہ اندر کہیں چھپا ہوا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ اپنا کوئی سرا ہاتھ آنے نہیں دیتا تھا۔ اپنے متعلق وہ بہت کم بات کرتا تھا۔ اس کی گفتگو زیادہ تر ادھر ادھر کی باتوں پر مشتمل ہوتی۔

''بھئی، تمہیں اس سے کیا کہ میرا وطن کون سا ہے۔ دوستی ایسی باتوں سے ماورا ہونی چاہیے۔'' اس کے بار بار پوچھنے پر وہ کہتا۔ ''میری ماں ایرانی نژاد تھی مگر تمام عمر انگلینڈ میں رہی اور میرا باپ نجانے کہاں سے آیا تھا بس میں نے اس کو بھی وہیں دیکھا تھا مگر میرا اپنا کوئی وطن نہیں، میں زمان و مکان کی قیود سے آزاد ایک خانہ بدوش ہوں۔ جپسیز کی قسم کا۔''

اور اس میں اتنی ہی پراسراریت تھی جتنی اس نے جپسیز (Gypsies) کے بارے میں سنی تھی۔ مگر وہ خود کو کہتا تھا۔

''میں نہیں سمجھتا کہ میں کسی پراسرار شخصیت کا مالک ہوں۔ مجھ میں کیا اسرار ہو سکتا ہے۔ یہ محض تمہارا وہم ہے اور اگر ہے بھی تو پھر دنیا میں کچھ لوگوں کو تو پراسرار ہونا چاہیے تاکہ اس لفظ کا مفہوم بیان کیا جا سکے۔''

''تم پاکستان کیوں آئے؟'' اس نے کئی بار اس سے پوچھا مگر اکثر وہ اس بات کو بھی ٹال جاتا۔

''پاکستان میں آیا تو کسی اور خیال سے تھا۔ مگر اب مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں یہاں صرف تم سے ملنے آیا تھا۔ اسی لیے تو میں دوبارہ اپنا ویزا ایکسٹینڈ کروا چکا ہوں۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ زندگی کو ہم اس لیے گزار رہے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جب کہ زندگی میں کوئی نئی بات نہیں۔ اب ایسا نہیں ہے۔ اب میرا خیال ہے، ہم میں سے ہر ایک حالت جنگ میں ہے اور اس جنگ میں سب کچھ حادثوں پر منحصر ہے۔ زندگی، موت، ظلم، رحم، بہادری، بزدلی، ملاقات، رخصتی۔''

''تم گپی ہو، جھوٹ بولتے ہو۔'' اس نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

''جو دل چاہے کہو۔ جبکہ میں جانتا ہوں کہ اندر ہی اندر تم بے حد خوش ہو رہی ہو۔ محض ایک حادثہ ہی تو ہے کہ ہماری ملاقات یوں ہوئی اور ہم ایک دوسرے سے رخصت بھی حادثاتی طور پر ہی ہوں گے۔''

وہ ٹھیک کہتا تھا وہ ماہرِ فن چہرہ شناس تھا اور اس کا قیافہ زبردست ہوتا تھا مگر وہ خود بارہا اپنی ہی باتوں سے اس کے اندر اٹھنے والی خوشی کو برباد کر چکا تھا۔ لارنس گارڈن سے باہر کی دنیا میں وہ قطعی ایک اجنبی شخص بن جاتا۔ دو تین بار اس نے اس کو مختلف جگہوں پر دیکھا تھا بازار میں، ایک بار جب وہ انٹرکان میں ڈریس

ایگزبیشن دیکھنے گئی تھی۔اور ایک بار اس وقت جب اس کو دیکھنا اس کے لیے سخت آزار کا باعث بن گیا تھا۔وہ اپنی فرینڈ کے ساتھ الفلاح سے پہلا شو دیکھ کر نکلی تھی، وہ سمٹ مینار کی تصویر بنا رہا تھا، اور اس کے ساتھ فارنر لڑکیوں کا ایک گروپ تھا۔وہ راجہ اندر کے سے اسٹائل میں، ان کے ساتھ چہک رہا تھا اور اس وقت اس کی نظر اچانک اس پر پڑی تھی۔لیکن وہ اجنبیت اور سرد مہری کے تاثر کے ساتھ بڑھ کر اسمبلی بلڈنگ کی طرف مڑ گیا۔ اور اس کے پیچھے لڑکیوں کا وہ گروپ تھا۔اسی شام گلیشیر پہ فلیور چوائس کرتے ہوئے اس نے دیکھا، وہ ان ہی لڑکیوں اور دو تین لڑکوں کے ساتھ اندر داخل ہو رہا تھا۔

وہ ان موقعوں پر اس سے اپنی جان پہچان کروا کر شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔مگر یکبارگی اس کا یہ پلے بوائے کا سا امیج اس کا دل دکھا گیا۔

''میں نے ایسے شخص کے آگے دل کیوں ہارا جس کے بارے میں پتہ تم ہی نہیں۔''

اس نے شکستہ دل کے ساتھ سوچا، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا قہقہے لگا رہا تھا اور اس وقت وہ اپنے پرتکلف لباس میں ملبوس تھا۔نجانے اس نے ایسی دوہری شخصیت کیوں پائی تھی۔اور اگر وہ ایسا ہی تھا جیسا اس وقت نظر آ رہا تھا تو پھر اتنی دیر تک اس کے ساتھ باغ میں بیٹھا کیوں گفتگو کرتا رہتا تھا۔اس وقت وہ ایک یکسر مختلف شخص کیوں بن جاتا تھا، اس نے تنگ آ کر اس کو ایک ناقابل حل معمہ جان کر چھوڑ دینا چاہا، مگر ہر ملاقات کے اختتام پر وہ اگلی ملاقات کی بات اتنے یقین سے کرتا کہ وہ خود حیران رہ جاتی جب عین اس کے بتائے دن اور دیئے وقت پر وہ وہاں موجود ہوتی اور وہ اس بات پر بھی حیران تھی کہ اس نے اس کے پلے بوائے امیج کو بھی قبول کر لیا تھا۔وہ جانتی تھی کہ اس کے ساتھ وہ محض وقت گزار رہا ہے۔

سیلانی طبیعت کا وہ شخص نجانے کب یہاں سے کوچ کر جائے۔وہ اس کے ساتھ فلرٹ کر رہا تھا مگر اس کے ضمیر پر تو کوئی بوجھ نہیں تھا۔اس نے صاف نیت سے اس تعلق کی ابتدا کی تھی۔اور پھر اس کا سحر اس کی باتوں میں بھی پوشیدہ تھا۔سو اس نے ہر طرف کا خیال جھٹک کر اس مختصر وقت کو غنیمت جانتے ہوئے، اس کو جہاں ہے، جیسا ہے کہ بنیاد پر قبول کر لیا تھا۔وہ زندگی میں ایسے بے ڈھب اور یک طرفہ فیصلے کرنے کی عادی تھی۔

☆

بظاہر وہ ایک لاپروا شخص نظر آتا تھا مگر اس کی معلومات زبردست تھیں۔

''تمہاری انگلش اور تمہارا لہجہ بتاتا ہے کہ تم آکسفورڈ میں رہ چکے ہو'' ایک بار اس نے اس سے کہا تھا۔

''ہاں، مجھے ایک بار قسمت وہاں بھی لے گئی تھی۔میں نے وہیں سے گریجویشن کیا ہے مگر یہ انگلش ہی کیا، میں ہر زبان اس کے صحیح لہجے میں بولتا ہوں۔''

''ہر زبان؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، ہر وہ زبان جو مجھے بولنا آتی ہے۔ عربی، فارسی، ترکی، ہندی، فرانسیسی، اطالوی، اسپینش، جرمن اور تمہاری اردو، بولو کس زبان میں بات کروں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اردو......'' اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''تم نے پہلے تو کبھی نہیں بتایا؟''

''تم نے پوچھا ہی نہیں۔'' صاف اردو میں جواب ملا۔

''ناقابلِ یقین، قطعی ناقابلِ یقین، وہ اس شخص کے اسرار کو تمام عمر جان نہ پائے گی۔'' اس نے سوچا۔ وہ اردو میں بات کرنے لگا نہ صرف زبان بلکہ وہ ادب سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔ اسے خود پر شرمندگی ہونے لگی۔ وہ بہت کم ادب سے واقف تھی۔

''یہ وہ درخت ہے نا، جس کی تصویر میں نے تم سے بنوائی تھی۔'' اس روز گھومتے ہوئے وہ اُس درخت کے پاس رک گیا۔

''ہاں تم نے بتایا نہیں۔ درست بھی بنی یا نہیں، وہ اینگل جو تم ٹھیک سے بنا نہیں پا رہے تھے، مجھ سے کہاں بنا ہوگا۔''

''وہ اینگل......'' وہ ہنس دیا ''تمہیں ایک بات بتاؤں لالہ رخ! اس روز تم سے تصویر بنانے کی درخواست میں نے صرف تم سے بات کرنے کی خاطر کی تھی اس بینچ پر تمہیں بیٹھے دیکھ کر ہی مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اور سب دوسری باتوں کے علاوہ میں پاکستان میں اس لیے بھی ٹھہرا ہوا ہوں کہ مجھے تم سے ملنا تھا اور اس دوستی کو ہونا تھا۔ تصویر بنانے کی درخواست تو محض بات کرنے کا بہانا تھا۔''

وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اور جب تم نے تصویر بنا کر مجھ سے باتوں کا آغاز کیا تو میں آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچنے کی خاطر محض اس لیے کوئی جواب دیئے بغیر چلا گیا کہ میں جانتا تھا کہ وہ ہماری آخری ملاقات نہیں تھی۔''

اس کے لہجے کا یقین لالہ کو گھبراہٹ میں مبتلا کیے جا رہا تھا۔

''یا اللہ یہ کون شخص ہے؟'' اس نے سوچا۔

''اور جب تم نے مجھے اپنا نام بتایا تو میں سمجھ گیا کہ میری بے چینی تمہیں دیکھتے ہی کیوں ختم ہو گئی ہے لالہ رخ۔ لالہ پوپی کو تمہاری زبان میں لالہ ہی کہتے ہیں۔ مجھے لالہ کے پھولوں سے عشق ہے اور تم بالکل Wild Poppy (لالہ صحرائی) کی مانند ہو۔ وحشت زدہ اور خوبصورت۔'' وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا اور اس نے دفعتاً اس کے بائیں بازو کو اپنے گرد محسوس کیا۔

''تم اثر رکھتی ہو، کچھ دن سے میں نے محسوس کیا ہے کہ میری سانسوں کے تسلسل میں تمہارا نام بس گیا ہے۔ میری ہر سانس میں سے ایک ہی نام اٹھتا ہے لالہ۔ لالہ رخ!'' وہ اس کے ہونٹوں کی جنبش کو اپنے بالوں پر محسوس کر رہی تھی۔

''اس سے پہلے میں انرشیا کی مانند تھا، تم نے میرا مومنٹم توڑ دیا ہے لالہ رخ!''

اس کا دل چاہا کہ اس کو دھکا دے کر پیچھے ہٹا دے۔ اور چیخ چیخ کر کہے تم دھوکہ باز ہو۔ لوگوں کے سامنے کچھ اور ہو جاتے ہو اور یہاں کچھ اور مگر وہ خاموش رہی، وہ اسے جہاں ہے جیسا ہے کی بنیاد پر قبول کر چکی تھی۔ اس نے اسے اپنی جانب موڑ لیا۔

''ابھی اس جگہ سے نکل کر تم ایک مختلف شخص بن جاؤ گے۔ یہ تک نہیں کہو گے کہ کبھی زندگی میں مجھ سے مل چکے ہو'' اس نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

''جپسی اپنے پیاروں کو کبھی خطرے میں نہیں ڈالتے۔ یہاں سے باہر تم، تم ہو اور میں میں یہاں پر ہم ایک ہیں۔'' اس نے آہستہ آواز میں سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''بعض دفعہ میں سوچتی ہوں تم ایک کامیاب اداکار ہو، تمہیں چاہیے کہ کہیں آڈیشن دے ڈالو۔ ہمارے ٹی وی والے اچھے چہروں کے متلاش رہتے ہیں اور پھر تم تو زبان سے بھی واقف ہو'' اس نے کہا ''اچھا ڈرامہ پروڈیوسر بن سکتے ہو۔ ہم بھی تمہارا ڈرامہ اسکرین پر دیکھ سکیں گے۔ ایسے تو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔'' وہ اس کو یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ اسے اس کی کسی بھی بات کا یقین نہیں ہے۔

''زندگی کے سٹیج پر جو ڈرامہ ہو رہا ہے۔ اس میں بھی تو میرا حصہ ہے نا۔'' اس نے ہاتھ اس کے شانوں سے اتار کر کہا۔ ''خیر چلو، تم سے وعدہ رہا، میں جو ڈرامہ پروڈیوس کروں گا، اس کا ڈراپ سین تمہیں سکرین پر دکھانے کا اہتمام ضرور کروں گا۔ اور تمہارا یہ شکوہ بےجا نہیں۔ کل آ جانا پانچ بجے انٹر کان میں تمہیں چائے پلواؤں گا، کل کی تاریخ میں، میں اس دنیا میں آیا تھا۔'' اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

یہ اس کی طرف سے پہلا باقاعدہ انوٹیشن تھا، وہ اس سے ملاقات کے سلسلے میں بے حد محتاط رہتی تھی۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اس کے گھر میں کسی کو اس بات پر اعتراض نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہاں یہ بات قابل اعتراض تھی ہی نہیں۔ زمان بھائی اور ثناء بھابھی تو ان سے بھی چار ہاتھ آگے تھے۔ مگر اس کے ساتھ مشکل یہ تھی کہ وہ ان باتوں کو خرافات قرار دیا کرتی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ ان خرافات میں ایک روز اسے بھی پڑنا پڑے گا۔



اس نے اگلا پورا دن اس کے لیے تحفے اور اپنے لیے کپڑوں کا انتخاب میں صرف کیا اور پہلی بار خاص طور سے تیار ہوئی، اسی میں وہ اس کے دیئے وقت سے لیٹ ہو گئی۔ راستے میں اس نے بی بی جان کے لان سے لالہ کا پھول توڑا اور باہر سے ہی نکل آئی۔

وہ اپنے دیئے وقت پر پہنچ چکا تھا۔

''اتنی دیر...... تم تو وقت کی خاصی پابند ہو۔'' اس نے اسے دیکھ کر کہا۔

''ہاں! لیکن آج میں نے تیاری میں ذرا وقت لگایا۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔ وہ اس بات پر حیران تھی کہ آج اس کی توقع کے برعکس وہ اپنے پرتکلف لباس کے بجائے اسی روزمرہ ڈریس میں تھا۔

''تیاری......'' اس نے چونک کر کہا ''مگر کس لیے؟''

''یوں تم نے مجھے پہلی بار بلایا ہے نا اس لیے۔''

''مگر اس کی کیا ضرورت ہے لالہ رخ! میرے لیے تو صرف تمہاری موجودگی ہی بہت کافی ہے۔ لباس اور باقی چیزیں تو غیر متعلقہ ہیں۔'' اس نے کہا، اس کی آنکھوں کا سحر اور ٹھہراؤ نیم روشنی میں بھی واضح نظر آ رہا تھا۔

''حسین! تم مسلمان ہو نا؟'' اس نے بلا ارادہ ہی پوچھ لیا۔

''مسلم......'' وہ ہنسا ''غالباً۔''

''کیا مطلب؟''

''میں ان چیزوں کو کچھ اتنا اہم نہیں سمجھتا۔ پیدائشی طور پر تو میں مسلمان ہی ہوں اور مجھے اس قوم کی تاریخ پر رشک بھی آتا ہے، مگر اس قوم کو اس کے سازشیوں اور غداروں نے جتنا تباہ کیا ہے، اس سے میں سخت دلبرداشتہ ہو چکا ہوں۔''

''تو پھر تم کیا ہو؟''

''کچھ نہیں، کوئی اور بھی نہیں، میں دنیا کے کسی اور مذہب میں بھی پناہ نہیں پا سکا۔ اس لیے میرے خیال میں یہ قوم جو سب سے پھر بھی بہتر ہے۔ اس کا فرد بنے رہنے میں کم از کم کہلانے میں کچھ اتنا حرج بھی نہیں۔''

وہ اس سے جتنے بھی منفرد خیالات کی توقع کرتی، وہ کم ثابت ہو جاتی تھی۔

''میں نے اس لیے پوچھا تھا کہ......'' اس نے کہنا چاہا ''مگر خیر جانے دو۔ یہ اپنے برتھ ڈے کا گفٹ پکڑو۔'' اس نے پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

''سراسر تکلف ہے یہ۔'' آج وہ مسلسل فرینچ بول رہا تھا۔

اس نے چائے کے دوران ہی پیکٹ کھول لیا۔ وہ اس کے لیے وہی کارڈیگن لائی تھی جس کی قیمت افورڈ نہ کر سکنے کے بارے میں ایک روز وہ کہہ رہا تھا اور ایک قیمتی قلم بھی جو بڑے ماموں نے ایک بار اسے بھیجا تھا اور اسے بے حد عزیز تھا۔

''بہت خوبصورت ہے۔'' اس نے کہا ''مجھے ان دونوں چیزوں کی ہی ضرورت تھی۔ بس میں آج کل کچھ غریب ہوا ہوا ہوں۔'' ''اچھے خاصے امیر بندے ہو۔ یہ تک افورڈ نہیں کر سکتے۔'' اس نے مذاق سے کہا۔

''میں بیک وقت امیر بھی ہوں اور غریب بھی، اسے افورڈ کر بھی سکتا ہوں اور نہیں بھی۔ خیر چھوڑو۔ ایک بات بتاؤں میں اگلے ہفتے جا رہا ہوں۔'' اس نے اچانک دھماکہ کیا۔

''کہاں؟'' پیالی اس کے ہاتھ میں لرز گئی۔

''پتہ نہیں کہاں، میرے پاسپورٹ پر پانچ ملکوں کے ویزے لگے ہوئے ہیں، کہیں بھی شاید ماں کے پاس واپس چلا جاؤں۔''

وہ غالباً اس کی کیفیت نہیں سمجھ رہا تھا۔

''اور حقیقت تو یہ ہے کہ ایک ہی جگہ پر رک کے اب مجھے وحشت ہونے لگی ہے میں رک جانے کا عادی نہیں ہوں۔ حرکت اور گردش میری زندگی ہے۔''

''یہ کل کیوں نہیں بتایا؟'' اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''کل مجھے خود علم نہیں تھا، آج ہی پتہ چلا ہے کہ اگلے ہفتے مجھے جانا ہوگا۔ فیصلہ نہیں کر پایا۔ کہاں جاؤں، سوچتا ہوں، ماں کے پاس جاؤں، وہ میرے انتظار میں ہوگی، میں نے اس کو بھی کوئی خوشی نہیں دی۔ اس نے ایک لمبے عرصے سے ایک لڑکی سے میری منگنی کر کے اس کو بھی لٹکایا ہوا ہے۔ وہ بے چاری بھی خالص مشرقی خیالات کی مالک ابھی تک میرے انتظار میں ہوگی، سوچ رہا ہوں کہ وقت ملے تو یہ معاملہ بھی نبٹا ہی لوں۔'' اس کے ارد گرد دھماکے سے ہونے لگے۔

''سوچ رہی ہوں کہ تم واقعی ایک کامیاب اداکار کم ہدایتکار بن سکتے ہو۔'' اس نے سکون سے کہا۔

''ہاں، وہ تو میں نے کل تم سے وعدہ کیا تھا نا؟'' وہ ہنسا ''یہ تمہارے بیگ کے نیچے کیا ہے؟''

''یہ.....'' اس نے بیگ سرکایا۔ ''لالہ کا پھول ہے۔'' ''تمہیں پسند ہے نا؟'' اس نے پھول اس کی طرف سرکایا۔

''بہت خوبصورت.....'' اس نے پھول میز پر سے اٹھالیا۔ ''یہ پھول مجھے زمان و مکان سے ماورا کر دیتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے نا کہ دنیا کے تقریباً ہر ادب میں اس کا تذکرہ ہے۔ وہ اس لیے یہ ہے ہی اس قدر خوبصورت۔''

وہ اسے مختلف زبانوں کے وہ شعر سنانے لگا جن میں لالہ کے پھول کا تذکرہ تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک بات گردش کر رہی تھی۔ وہ دھوکے باز تھا فلرٹ تھا اور نجانے کیا کیا تھا۔ یہ سب اس نے برداشت کر لیا۔ مگر وہ آج ہی کیوں بتا رہا تھا کہ علاوہ ان سب باتوں کے پہلے سے انگیجڈ بھی تھا۔ یہ تو اس نے بتایا تھا، ہو سکتا ہے کہ پہلے سے شادی شدہ بھی ہو۔ اس کے اندر لاوا ابل رہا تھا۔ ''دل انسان کو اتنا ہی مجبور کر دیتا ہے کہ وہ سب کچھ جان لینے پر بھی اس کی مان لیتا ہے۔''

''اور تمہارے حضرت اقبال نے بھی تو لالہ کا تذکرہ کیا ہے، اپنی شاعری میں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔'' وہ کیا لکھا ہے ایک جگہ انہوں نے ہاں یہ کہ:

بیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہیے اس کو خون عرب سے

''حسین تم!'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''کیپ کوائٹ لالہ رخ! آئی وانٹ ٹو فیل یور پریزنس ہیر۔''

(چپ رہو لالہ رخ میں تمہارے وجود کو محسوس کرنا چاہتا ہوں) وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''ول یو پلیز شٹ اپ، یو اے مین وِذ اے تھاؤزنڈ اینڈ ون فیسز''

''خاموش ہو جاؤ، تمہارے ایک ہزار ایک چہرے ہیں)

اس کا دل چلایا مگر وہ ساکت بیٹھی رہی۔

''میں چلوں گی اب۔'' اس نے اچانک اٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے لالہ رخ کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔'' اس نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ ''مگر مجھے یقین نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں پھر یہاں آؤں اور تم میری منتظر ہو۔ کیا تم میرا انتظار کرو گی؟ یہ میری مجبوری ہے کہ مجھے جانا ہے، میں مزید ایک ہی جگہ نہیں ٹھہر سکتا اور پھر بیابان میں لالہ بھی تو کب سے منتظر ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایک ایسے شخص کا انتظار کروں جو خود اپنے کل کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو۔ اور جس کے آج سے میں ہر طرح ناواقف ہوں۔'' اس نے اس کی بات پر غور کیے بغیر اندر سے اٹھتے غصے کی شدت کے اثر میں کہا۔

''یہ ایسے ہی ممکن ہے، جیسے وہ ممکن ہو گیا تھا جو اب تک ہوا۔ باوجود اس معاشرے کے اونچے ترین طبقے کی فرد ہوتے ہوئے، باوجود میرے بارے میں ایسی باتیں معلوم ہونے کے جو تمہیں ناگوار گزریں، باوجود میرا اسرار نہ کھلنے کے، تم میرے عشق میں مبتلا ہو چکی ہو۔ یہ بھی ایسے ہی ممکن ہے جیسے وہ ممکن تھا۔'' اس نے سختی اور یقین سے کہا۔ اس نے عین روشنی کے نیچے کھڑا ہو کر اسے دیکھا۔

''آئی ہیٹ یو۔'' (مجھے تم سے نفرت ہے) اس نے چلا کر کہا اور اپنی گاڑی کی طرف آ گئی۔ گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے اس نے دیکھا وہ وہیں کھڑا ہنس رہا تھا اور اس کے چہرے پر وہی ازلی یقین تھا۔

اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی تذلیل ہوئی ہو۔ جیسے اس کی زندگی کی یہ حماقت اس کی ساری زندگی کو تباہ کر دے گی۔ وہ جانتی تھی کہ بالآخر اس سلسلے کا یہی انجام ہونا تھا اس نے اسے ایزاٹ از و یاٹ

از وہ جہاں ہے، جیسا ہے۔ کی بنیاد پر قبول کیا تھا۔ لیکن نجانے کیوں اس کو اندر ہی اندر کہیں یہ خیال تھا کہ۔ وہ اپنی موجودگی سے، اپنی گفتگو سے اور اپنائیت سے اس کی زندگی میں اپنا مقام بنالے گی۔ جیسے وہ ایک روز خود ہی کہہ اٹھے گا۔

''لالہ رخ! تم نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی ہیں، میں اب آگے کہیں نہیں جا سکتا اور میں نے اپنا چیسیز والا چولا اتار پھینکا ہے۔'' اور پھر بے شک ایسا کچھ نہ ہوتا کم از کم وہ اس کو یہ ہی نہ بتاتا کہ وہ کسی سے منسوب تھا اس کے باوجود اس نے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

''منافق اور دھوکے باز۔'' وہ اس کے الفاظ، اس کی باتیں یاد کر کے غصے میں کانپتی رہی۔

''تم نے میرے خلوص کا مذاق اڑایا، خدا تمہیں زندگی میں کبھی کوئی سکھ نہ دے۔''

اس نے زندگی میں پہلی بار کسی کو بددعا دی تھی اور اپنا ہی دل ڈر جانے پر بغیر آواز نکالے آنسو بہاتی رہی تھی۔



اس کے بعد اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا اب وہ ایک یکسر نئی لالہ رخ تھی، اس واقعے کے بعد بہت عرصے تک تو وہ خود میں بھی نہیں رہی تھی۔ اسے عجیب طرح کے دورے پڑنے لگے تھے۔ چہار سو اسے دائرے نظر آتے اور ان دائروں میں ایک ہی چہرہ اور ان سے اٹھتی ایک ہی آواز۔ وہ اپنی آنکھیں اور اپنے کان بند کر لیتی اور اس کے حلق سے بے اختیار چیخیں نکلتی چلی جاتیں۔

''چھوڑو، خدا کے لیے چھوڑ دو مجھے۔'' اس کا دل اور دماغ اس واقعے سے بری طرح مجروح ہوئے تھے۔ اس کے اردگرد لوگ بری طرح گھبرا گئے تھے۔ ڈیڈی۔ ماما، زمان بھائی، بیلا آپی سب اپنی اپنی روٹین چھوڑ کر سرپٹ اس کی طرف بھاگے تھے۔ بی بی جان اس سے ہونے والے سب اختلافات بھلا کر اس کے سرہانے بیٹھ گئی تھیں۔ نجانے کیا پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکتی رہتی تھیں۔

''اب تم لوگ مجھے پرانے خیالات کی مالک کہو۔ چاہے جو بھی کہو میں اسی لیے ایسی بے جا آزادی اور بے انداز گھومنے پھرنے کے خلاف ہوں۔ اب اکثر و بیشتر تنہا باغ میں گھومنے چلی جاتی تھی۔ اب کوئی کیا جانے کہ وہاں کیا ہے۔ اتنا پرانا تو وہ باغ ہے میں تو سمجھتی ہوں وہیں پر کچھ ہو گیا ہے۔'' وہ کہتیں۔

''ہاں بی بی جان! ہاں، وہیں پر کچھ اثر ہو گیا تھا۔'' وہ اپنے سوچے ہوئے بھاری پپوٹے اٹھا کر بمشکل کہتی۔ ''ڈیڈی نے شہر کے بہترین سائیکاٹرسٹس کا بورڈ بٹھا دیا۔ مگر وہ اپنی ہسٹری بیان کرنے سے قاصر تھی۔ کوئی بھی اس سے کچھ اگلوا نہیں سکا تھا۔ اور بالآخر سب کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ اس کے ذہن پر شدید بوجھ ہے، وہ شاک کی حالت میں ہے۔ رحمان بھائی پاکستان آئے تو زبردستی اس کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں جا

کر اس کو مزید ڈپریشن ہو گیا۔ یہ اس کا ملک تھا اس کا شہر تھا کیا پتہ اسی شہر کے کسی حصے میں وہ اپنی ماں کو خوش کرنے کی ترکیب پر عمل کر کے پر مسرت زندگی گزار رہا ہو۔ آوازیں اس کا تعاقب کرتیں۔

''لالہ رخ! کوائٹ امیزنگ لالہ رخ۔''

''میری کوئی بنیادی پہچان نہیں ہے۔''

''کب ملے گی فرصت؟ بولو، کہاں ملو گی؟''

''معاف کیجئے گا۔ میں آپ دونوں خاتون وحضرات کو نہیں پہچان سکا۔''

''میں چہرے پڑھ لینے کا فن جانتا ہوں۔ ہر شخص کی بنیادی پہچان یہ ہونی چاہیے کہ وہ انسان ہے۔''

''کیپ کوائٹ لالہ رخ! آئی وانٹ ٹو فیل یور پریزنس ہیر۔''

''چھوڑ دو، خدا کے لیے چھوڑ دو۔'' اس آخری آواز پر ہی وہ چیخنے پر مجبور ہو جاتی، مگر ایسا کہاں تک ہو سکتا ہے۔ مسلسل علاج اور گزرتے وقت نے بالآخر اس کو بھی نارمل زندگی میں لا کھڑا کیا اس میں خود اس کی اپنی شعوری کوشش بھی شامل تھی۔ وہ اپنی زندگی کو ایک دھوکے باز کے نام پر تباہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ماما اور ڈیڈی نے اس کو پھر سے زندگی کی اس ڈگر پر آتے دیکھ کر سکھ کا سانس لیا۔ اور اس کے ٹھیک ہوتے ہی آغا جی نے اسے نعمان کے لیے مانگ لیا۔

نعمان کچھ عرصہ پہلے ہی امریکہ سے آیا تھا اور اسے جلد ہی واپس جانا تھا وہ وہاں آغا جی کے ایکسپورٹس ڈیل کرتا تھا۔ ماما اور ڈیڈی جی جان سے رضامند تھے۔ مگر اس کا ذہن دوراہے پر کھڑا تھا۔ اس کا دل ایسی کسی بات کی طرف نہیں آتا تھا مگر وہ اس شخص کی یاد میں مجرد زندگی گزارنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ نعمان سے شادی کا فیصلہ بھی اس نے گویا اپنی اس نیک نیتی سے انتقام کے طور پر کیا تھا، جس نیک نیتی سے اس نے زندگی میں پہلی دفعہ اس شخص کی طرف قدم بڑھائے تھے وہ اس کی منزل نہیں تھا۔ اور اب وہ اس کو منزل سمجھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ بھول جانا چاہتی تھی کہ اس کی زندگی میں کبھی وہ دور بھی آیا تھا۔ شادی کے فوراً بعد وہ لوگ نیویارک واپس آ گئے۔ نعمان خالص بزنس مین تھا اور بزنس کے علاوہ اس کی کوئی اور دلچسپی نہیں تھی۔ شادی بھی اس نے محض اس لیے کی تھی کہ یہ ایک سماجی ضرورت تھی۔ ایک عام نارمل زندگی میں نعمان اس کی چوائس کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اب بہر حال اس کو اپنی گزشتہ زندگی کے تصور سے نجات پانا تھی اور اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ چوائس کرنے نکلتی۔

شادی کے بعد اس نے خود کو زندگی کے اس معمول میں الجھا لیا۔ گھر، بچے، دیگر مصروفیات وہ رفتہ رفتہ خود پر سے اس احساس کو ختم کر دینے میں کامیاب ہو گئی تھی جو ہر وقت ایک یاس آمیز حسرت کی صورت اس پر چھایا رہتا تھا یہ اور بات تھی کہ دل کے اندر کہیں وہ احساس زخم تازہ کی صورت موجود رہتا تھا جسے وہ وقت کے

مرہم سے مندمل کرنا چاہتی تھی۔

☆

اس کی شادی کو دس سال گزر چکے تھے اور اس کا بڑا بیٹا اب نو برس کا ہو چکا تھا۔ وہ اپنی اس زندگی میں مکمل طور پر فنا ہو چکی تھی۔ اب اس کے پیش نظر صرف اس کا گھر اور بچے تھے۔ ان دنوں نعمان کا چھوٹا بھائی سلمان انہیں اپنے پاس بہت اصرار سے بلا رہا تھا۔ سلمان پیرس میں رہتا تھا اور ایک عرصے سے اس کی خواہش تھی کہ وہ لوگ کچھ عرصے کے لیے اس کے پاس آئیں۔ نعمان کا موڈ بنتے بنتے یہ دن آ گئے تھے۔ سلمان کا اصرار بڑھنے پر ان کو یہ پروگرام بنانا ہی پڑا بچے نئی جگہ پر جا کر خوش تھے اور خود اس کو بھی یہ تبدیلی بھلی معلوم ہو رہ تھی۔ سلمان کی بیوی صائمہ اس کی فرسٹ کزن تھی۔ وہ اسے دیکھ کر بار بار حیران ہو رہی تھی۔

''اللہ للّی تم کتنی بدل گئی۔ اتنی گریس فل اور سوبر تو تم کبھی بھی نہیں تھیں۔'' وہ مسکرا دیتی۔

سنجیدگی کا یہ چولا تو اس نے خود کو فراموش کر دینے کے لیے اوڑھا تھا اور اسی سنجیدگی نے اسے قدرے مدبر بنا دیا تھا۔ پندرہ دن کا وہ عرصہ جو انہوں نے سلمان کے ہاں گزارا، بہت مختصر معلوم ہوا۔ بچے ابھی واپس جانا نہیں چاہتے تھے مگر نعمان مزید رک نہیں سکتا تھا۔

اس روز ان کی واپسی تھی۔ سلمان اور صائمہ ان کو ائیر پورٹ تک چھوڑ کر واپس جا چکے تھے۔ وہ ڈیپارچر لاؤنج میں بیٹھی بچوں کو اس بھاگ دوڑ سے مسلسل منع کر رہی تھی۔ جو انہوں نے یہاں آتے ہی مچا دی تھی۔ نعمان کوئی ویکلی دیکھ رہا تھا۔ فلائٹ میں ابھی کچھ دیر تھی۔ اور وہ وقت گزاری کے لیے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کی نگاہ نعمان کے ہاتھ میں پکڑے ویکلی ٹریڈ میگزین پر پڑی۔

''انسان کو اکثر اوقات وہ ملتا ہے جس کی اس نے کبھی خواہش نہیں کی ہوتی۔'' اس نے سوچا ''ایک وقت وہ بھی تھا جب مجھے اس طرح کے خالص کاروباری ذہن کے لوگوں سے سخت نفرت تھی مگر اس کا کیا، کیا جائے کہ ہماری زیادہ تر زندگی دلی رضامندی کے بجائے سمجھوتوں کے ساتھ گزرتی ہے۔''

فلائٹ لیٹ ہو رہی تھی اور لوگ کچھ بے چین نظر آ رہے تھے۔

''اس نے کامران کا سوئیٹر اور بال ٹھیک کیے، دفعتاً لاؤنج کے اندر بھگدڑ مچ گئی۔ اس نے سکیورٹی پولیس کو ایک کونے کی طرف جاتے دیکھا اور پھر لاؤنج کا گلاس ڈور کھلتا نظر آیا کچھ لوگ کھڑے ہو گئے۔ اور اس کے بعد مسلسل فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔

''یا خدا! یہ کیا ہوا؟'' وہ کانپتی ٹانگوں پر کھڑی ہوئی، ڈیپارچر لاؤنج کے باہر سکیورٹی فورس کا ایک جتھا موجود تھا۔

''ہائی جیکنگ کا منصوبہ تھا'' کسی نے قریب سے کہا، اس کا حلق خشک ہو گیا۔

"وقت پر ہی پتہ چل گیا ورنہ وہ لوگ تو کلیئرنس کروا چکے تھے۔" کوئی اور کہہ رہا تھا۔

"مزاحمت بھی کی جب ہی فائرنگ کرنا پڑی، چاروں مر گئے۔"

کچھ دیر پہلے اس نے چار آدمیوں کو۔ باہر بھاگتے دیکھا تھا۔ خطرے کے سگنل ابھی تک بج رہے تھے۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتی گلاس ڈور کے قریب آئی، سکیورٹی پولیس ایمبولینس عین اس جگہ پر آ کر رکی تھی جہاں ذرا ذرا فاصلے پر چار نعشیں خون میں لت پت پڑی تھیں۔ فرانس جدید دور کا ترقی یافتہ ملک تھا سیکنڈوں میں ٹی وی کیمرے اس جگہ پر پہنچ چکے تھے۔ نیوز پیپرز فوٹو گرافرز کا ایک گروپ بھی موجود تھا۔ فلیش کی چکا چوند جاری تھی۔ اس ساری حرکت کا نظارہ کرتی اس کی آنکھیں ایک نکتے پر اچانک ساکت ہو گئیں۔ سکیورٹی پولیس کے دو جوان جس شخص کو اٹھا کر اسٹریچر پر ڈال رہے تھے اس کی چہرے میں اسے کیا چیز مانوس معلوم ہو رہی تھی۔ وہ سحر انگیز آنکھیں یا وہ چہرہ جس پر وہ فرنچ کٹ داڑھی تھی یا پھر اس کا وہ کیئر وئیل آؤٹ لک۔"

"یہ الوژن ہے یہ محض الوژن ہے۔" اس نے کہنا چاہا، مگر اس کا حلق خشک ہو چکا تھا اس کی نگاہیں اس کارڈیگن پر رک گئیں جس کو خریدے بارہ برس گزر چکے تھے۔ اور جواب تقریباً گھس گیا تھا۔

"نہیں، نہیں، نہیں۔" بے ربط سے الفاظ اس کے حلق سے نکلے۔

فلیش کی چکا چوند اس کے چہرے کو مزید واضح کر رہی تھی۔ وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

"ٹیک اٹ ایزی مادام پلیز۔" کسی نے نرمی سے اٹھایا تھا۔ وہ کانپتی ٹانگوں سے واپس اپنی جگہ پر پہنچ گئی، اس کا سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر نعمان نے جواب تک کسی بھی چیز میں دلچسپی ظاہر نہیں کر رہا تھا اپنا ٹریڈ میگزین ایک طرف رکھ دیا۔

"کیا معاملہ ہے، کچھ پتہ چلا؟" اس نے بیزاری سے اس سے پوچھا۔ "اب نجانے فلائٹ کتنی لیٹ ہو جائے گی۔"

اس نے خالی نظروں سے اسے دیکھا اور اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ چہار طرف لگی ٹی وی اسکرینز پر معمول کے پروگرام روک کر اعلان کیا گیا کہ تمام فلائٹس لیٹ چلیں گی اور پھر وہی بھاگتے دوڑتے کارٹونز شروع ہو گئے۔ بچے محویت سے سکرین پر نظر جمائے بیٹھے تھے۔ نعمان نے دوبارہ ٹریڈ میگزین پکڑ لیا۔

"نجانے کتنے گھنٹے بیٹھنا پڑے، اب واپس گھر جا کر دوبارہ آنے کا تو سوال ہی نہیں۔"

وہ بڑبڑا رہا تھا، وہ کچھ نہیں سن رہی تھی، کچھ نہیں دیکھ رہی تھی۔ بس اس کو اتنا معلوم تھا کہ برسوں پہلے کی وہ کیفیت اس پر پھر سے چھا گئی تھی۔ آنکھوں کے سامنے دائرے بن رہے تھے اور ہر دائرے میں ایک ہی چہرہ ان سے اٹھتی ایک ہی آواز۔

''وہ جرائم پیشہ تھا۔'' اس نے سر ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے ایک گھنٹہ ہو گیا۔ ٹی وی سکرینز پر پروگرام روک کر نیوز فلم دکھائی جا رہی تھی۔

''پان ایم کا طیارہ اغوا کرنے کی کوشش ناکام بنا دی گئی۔'' یہ ہیڈ لائن تھی۔ ''طیارہ اغواء کرنے کی کوشش کرنے والوں کا تعلق فلسطین کی ایک زیرِ زمین (Under Ground) تنظیم سے تھا۔ وہ طیارے کے مسافروں کے بدلے اپنے ان ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کرنا چاہتے تھے جو مختلف امریکی قوانین کی خلاف ورزی کے جرم میں جیلوں میں بند ہیں۔ اغواء کا یہ منصوبہ کامیاب ہو جاتا کیونکہ ہائی جیکرز نہایت ہوشیاری سے کلیئرنس کروا کر اندر جا چکے تھے۔ مگر عین وقت پر ان کے اپنے ہی ایک ساتھی کے ٹیلی فون نے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ چاروں دہشت گردوں نے آخر وقت تک مزاحمت جاری رکھی جس کی بناء پر سکیورٹی فورس کو فائرنگ کرنا پڑی۔ نتیجتاً چاروں دہشت گرد ہلاک ہو گئے۔''

نیوز کاسٹر روانی سے خبریں پڑھ رہا تھا اور اس کی نگاہیں سکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ساری کارروائی جو کچھ دیر پہلے اس نے دیکھی تھی۔

''سکرین پر دکھائی جا رہی تھی۔ ان چاروں کے نام اور بیک گراؤنڈ بتایا جا رہا تھا۔ پھر سکرین پر خون میں لت پت اس کا چہرہ ابھرا۔ اس کا نام حسین نہیں تھا وہ برٹش نیشنلٹی ہولڈر بھی نہیں تھا۔ وہ گزشتہ پندرہ برسوں سے اس زیرِ زمین تحریک سے وابستہ تھا اور ایک پرانا تحریک آزادی کا کارکن تھا۔ وہ اسی لیے اتنا پراسرار تھا۔ غائب دماغی کی کیفیت میں اس نے دیکھا۔ ایک پولیس اہلکار نے اس کی گھسی ہوئی جینز کی جیبیں ٹٹولیں۔ اس کا ٹکٹ، پاسپورٹ اور کچھ کیش ایک جیب سے نکلا تھا۔ اور دوسری جیب سے ایک قلم اور لالہ کا پریس کیا ہوا خشک پھول، اس کے حلق سے ہچکیوں کی آواز آنے لگی۔

''جب کسی کو اپنی موت کا خطرہ ہو تو اکثر میں نے سنا ہے وہ اپنی عزیز از جان چیزیں اپنے ساتھ رکھتا ہے۔''

ایک بار بی بی جان نے کہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے دائرے پھر بننے لگے تھے۔ اور آوازیں چہار سو پھیل گئی تھیں۔ واقعات فلیش بیک کی مانند ذہن کی سلیٹ پر نمودار ہونے لگے۔

''میری کوئی بنیادی پہچان نہیں۔''

''اس لیے کہ وہ اپنی پہچان بھلا کر اس کام میں لگا ہوا تھا۔ اس نے اس کو بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس لیے کہ بتا دینے پر اس کے کمزور پڑ جانے کا خطرہ تھا۔

''بس ماہرِ فن ہاتھوں کی ضرورت ہے اور چیز پردے سے غائب۔'' ایک بار اس نے کہا تھا۔ آج وہ کسی کے ماہرِ فن ہاتھوں سے ہمیشہ کے لیے پردے سے غائب ہو گیا تھا۔

''سب بکواس ہے، وطن، قوم، جگہ، مذہب۔'' وہ اس کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ اسے ان چیزوں کی کوئی پروا نہیں تاکہ وہ مزید اس سلسلے میں کوئی سوال نہ پوچھے۔

''دشمنوں میں گھرا شخص اپنے پیاروں کے بارے میں کسی کو کیسے کچھ بتا سکتا ہے۔''

وہ اس کو اس کا دھوکہ، اس کی منافقت سمجھتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ واقعی دشمنوں میں گھرا ہوا شخص تھا جب ہی تو راستوں پر رک کر اس سے بات کرنے کے بجائے اجنبیت کا اظہار کرتا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ بھی مشکل میں پڑ سکتی تھی۔

''یہ دنیا ہے دنیا...... لالہ رخ خانم! یہاں دوست کو دشمن بنتے دیر نہیں لگتی۔ کیا پتہ کون سے دوست کے اندر کونسا دشمن چھپا بیٹھا ہو۔''

کسی پر اعتبار کر بھی کیسے سکتا تھا۔ اس کے حالات اس کو ایسی اجازت کیسے دے سکتے تھے، اس نے آخر تک اس کو اس فریب میں رکھا کہ وہ اس کے ساتھ محض وقت گزار رہا تھا۔ وہ اسے وعدہ فردا پر انتظار میں مبتلا بھی کر بھی کیسے سکتا تھا۔ ہر چیز کے متعلق پر یقین ہونے کے باوجود وہ اپنے مستقبل کے بارے میں بے یقین تھا۔ وہ جس مقصد کی خاطر لڑ رہا تھا، اس میں مستقبل کے بارے میں پر یقین ہوا بھی کیسے جا سکتا تھا۔ اور وہ کہتا تھا کہ وہ محض حادثاتی طور پر مسلم ہے۔

''اس قوم کو اس کے سازشیوں اور غداروں نے جس طرح تباہ کیا ہے۔ اس سے میں سخت دلبرداشتہ ہو چکا ہوں۔''

''لیکن اس کے باوجود وہ اسی قوم کے لیے بنا کسی کو خبر دیئے لڑ رہا تھا اور آج اسی قوم کے کسی سازشی اور غدار نے اسے اس منطقی انجام تک پہنچا دیا تھا، جس کا رسک لے کر، وہ اس میدان عمل میں آیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں کیوں کچھ نہ جان سکی۔ اس کا کوئی سرا کیوں اس کے ہاتھ نہ آیا تھا، جب کہ اس نے ایک بار خود کہا تھا۔

''جہاں دل اٹک جائے، وہاں کے متعلق تو سب کچھ خود بخود پتہ چل جاتا ہے۔''

وہ اس کو پراسرار، منافق، دھوکے باز اور ہرجائی سمجھ لینے کے بعد بھی محض اس لیے چاہے گئی کہ اس کا دل اٹک چکا تھا۔ مگر اس نے یہ جاننے کی کوشش کبھی کیوں نہ کی اس کا دل کیوں اٹک گیا تھا۔ کتنا منفرد، کتنا عظیم تھا وہ شخص، جس نے اس سے عشق کرنے کے باوجود اپنی طرف سے محض اس لیے بدگمان کیے رکھا کہ وہ اپنے پیاروں کو خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ ان لوگوں کی روایت ہی نہیں تھی اور اس کی پراسراریت کو آخر تک نہ جان سکی۔ آوازیں اس کو پیچھے بلا رہی تھیں۔

''میں نہیں سمجھتا کہ میں کسی پراسرار شخصیت کا مالک ہوں اور اگر ہوں بھی تو دنیا میں کچھ لوگوں کو تو

پُراسرار ہونا چاہیے تاکہ اس لفظ کا مفہوم بیان کیا جا سکے۔''

''میں یہاں آیا تو کسی اور کام سے تھا، اب ایسا لگتا ہے جیسے یہاں صرف تم سے ملنے آیا ہوں۔''

''ہماری ملاقات ایک حادثہ ہے اور ہم ایک دوسرے سے رخصت بھی حادثاتی طور پر ہوں گے۔''

''جو دل چاہے کہو۔ میں جانتا ہوں، اندر ہی اندر تم بے حد خوش ہو رہی ہو۔'' وہ ماہرِ فن قیافہ شناس تھا جب ہی وہ جانتا تھا کہ۔

''زندگی کی جنگ میں سب کچھ حادثوں پر منحصر ہے۔ زندگی، موت، رحم، ظلم، بہادری اور بزدلی، ملاقات، رخصت۔'' ان کی ملاقات ایک حادثہ تھی اور جدائی بھی ایک حادثہ تھی۔ اور اس کی موت بھی ایک حادثے ہی کا نتیجہ تھی۔ وہ یہ سب کیسے جان گیا تھا؟

''مجھے یقین ہو گیا تھا کہ علاوہ اور سب باتوں کے میں پاکستان میں محض اس لیے ٹھہرا ہوا ہوں کہ مجھے تم سے ملنا ہے۔''

''میں زیادہ بات کیے بغیر اس لیے چلا گیا کہ میں جانتا تھا، یہ ہماری آخری ملاقات نہیں۔''

''لالہ رخ! کوائٹ امیزنگ لالہ رخ'' ایک اور فلیش بیک۔

''تمہیں دیکھتے ہی میری بے چینی ختم ہو گئی لالہ رخ پوپی کے پھولوں کو تمہاری زبان میں لالہ ہی کہتے ہیں مجھے لالہ کے پھولوں سے عشق ہے اور تم بالکل لالۂ صحرائی کی مانند ہو۔ وحشت زدہ اور خوبصورت۔''

''میرے سانس کے تسلسل میں تمہارا نام بس گیا ہے میں (Inertia) (انرشیا) کی مانند تھا تم نے میرا مومینٹم توڑ دیا ہے۔ وہ اس کو دھوکے باز اور گپی کہتی تھی۔ پلے بوائے اور فلرٹ سمجھتی تھی۔ مگر اس کے جسم پر موجود کارڈیگن اور اس کی جیب سے نکلے لالہ کے خشک پھول اور قلم نے اس شک کی مزید گنجائش رہنے ہی کہاں دی تھی۔

''جب کسی کو اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ اپنی عزیز از جان چیزیں اپنے ساتھ رکھتا ہے۔''

''میں رک جانے کا عادی نہیں، حرکت اور گردش میری زندگی ہے۔ میں اپنی ماں کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں، کوئی تو خوشی اس کو میری طرف سے ملے۔''

اس آخری ملاقات میں اس نے اس کو خود سے بدگمان کر دینے کی آخری کوشش کتنی کامیابی سے کی تھی۔

''کیپ کوائٹ لالہ رخ! آئی وانٹ ٹو فیل یور پریزنس ہیر۔'' اس نے اس سے آخری درخواست کی تھی۔

(چپ ہو جاؤ، لالہ رخ میں تمہارے وجود کو محسوس کرنا چاہتا ہو)۔

اس نے دل میں چلاّ کر کہا (چپ کرو تمہارے ایک ہزار چہرے ہیں)۔

''میرا انتظار کرو گی؟'' قریب سے کہیں سرگوشی کی آواز آئی۔

''آئی ہیٹ یو۔'' اس نے اسے دھتکارنا چاہا تھا۔ اور وہ ہنسنے کی اداکاری کرتا رہا تھا۔

''تمہیں تو اداکار ہونا چاہیے، اداکار کم پروڈیوسر۔''

''زندگی کے سٹیج پر جو ڈرامہ ہو رہا ہے، اس میں میرا بھی تو حصہ ہے نا خیر چلو۔ تم سے وعدہ رہا۔ میں جو ڈرامہ ڈائریکٹ کروں گا۔ اس کا ڈراپ سین تمہیں سکرین پر دکھانے کا اہتمام ضرور کروں گا۔''

اس نے ہنس کر کہا تھا اور سامنے کی سکرین پر بہ زبان انگریزی وہی نیوز ریل دکھائی جا رہی تھی۔ وہ اپنے وعدے کا کتنا پکا تھا اپنے ڈرامے کا ڈراپ سین اسے سکرین پر دکھانے کا اہتمام وہ کر کے گیا تھا۔

''تم جو کوئی بھی تھے، تم جہاں سے بھی آئے تھے، میں نے تمہیں قبول کیا تھا۔ اور اب ایک عرصے سے تم سے نفرت کرنے کی کوشش میں ناکام ہو رہی ہوں۔ تم میرے دل کے اندر ایک تازہ زخم کی مانند اب تک موجود تھے اس لیے کہ تمہیں یقین تھا کہ میں تمہارے عشق میں مبتلا ہوں تمہارے اس خیال کو جھٹلانے کی میں نے کیا کیا کوشش نہیں کی۔''

اس نے ماؤف ذہن سے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا۔

''مگر اے عظیم انسان! میں نہیں جانتی تھی کہ تم ایک تاریخ ساز شخص ہو۔ میرے اور میرے جیسے لوگوں کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تمہیں پہچان سکیں تمہارے اسرار کو جان سکیں۔ مگر آج میں تمہاری عظمت اور تمہاری روح کے سامنے سر جھکا کر اعتراف کرتی ہوں کہ میں ازل سے تمہارے عشق میں مبتلا تھی اور ابد تک رہوں گی۔''

اس نے آنکھیں کھول کر اردگرد دیکھا، اس کی چھوٹی بیٹی باپ کی گود میں سر رکھے سو رہی تھی۔ نعمان خود بھی اونگھ رہا تھا اور کامران فش اینڈ چپس کا پیکٹ پکڑے ادھر ادھر گھوم رہا تھا اور اب اس منظر میں موجود تھی۔ غیر حاضر دماغی کی وہ کیفیت جو مسلسل اس پر چھائی ہوئی تھی یکا یک ختم ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کی روح میں گھلی اداسی، تنہائی اور بے چینی آج ختم ہو گئی تھی۔ اپنی تذلیل کا احساس یک دم ختم ہو چکا تھا۔ فلائٹ کے آدھے گھنٹے بعد چلنے کی اناؤنسمنٹ مختلف زبانوں میں ہو رہی تھی۔

"I Hate them these bloody arab dogs."

(میں ان حرامی عرب کتوں سے نفرت کرتا ہوں)۔

ایک بوڑھے نے انتظار کی کوفت سے بیزار ہو کر سخت نفرت سے کہا۔

''بلڈی عرب ڈاگز۔'' اس نے زیرِ لب دُہرایا۔

"I Wish I Could Tell you who is bloody dag"

(کاش میں تمہیں بتا سکتی کہ حرامی کتا کون ہے)۔

بیابان میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہیے اس کو خون عرب سے
قبا چاہیے قبا چاہیے
اس کو خون عرب سے

دور کہیں سے آتی آوازیں اس کے اردگرد پھیل گئیں۔

قبا چاہیے قبا چاہیے
اس کو خون عرب سے

کوئی نہایت خشوع وخضوع سے اسے اقبال سنا رہا تھا۔

